ہندوستانی گاؤں

شیاما چرن دوبے

ہندوستانی گاؤں

مصنفہ
شیاما چرن دوبے

مترجمہ
ڈاکٹر محمد عبدالقادر عمادی

ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

Hindustani Gaon
Translated
by
Abdul Qadir Imadi

Indian Village
by
S.C.Dubey

سنہ اشاعت:
پہلا ایڈیشن: 1980 شک 1901 تعداد 1000
دوسرا ایڈیشن: 1989 شک 1911 تعداد 1000
قیمت: 17/0
سلسلۂ مطبوعات: 607

ناشر: ڈائرکٹر، ترقی اُردو بیورو، ویسٹ بلاک 8 آر کے پورم، نئی دہلی 110066،
طابع: سپریم آفسیٹ، مالویہ نگر، نئی دہلی

پیش لفظ

ہندوستان میں اردو زبان وادب کی ترقی و ترویج کے لیے ترقی اردو بیورو (بورڈ) قائم کیا گیا۔ اردو کے لیے کام کرنے والا ایک ملک کا سب سے بڑا ادارہ ہے جو دو دہائیوں سے مسلسل مختلف جہات میں اپنے خاص خاص منصوبوں کے ذریعہ سرگرم عمل ہے۔ اس ادارہ سے مختلف جدید اور مشرقی علوم پر مشتمل کتابیں خاصی تعداد میں سماجی ترقی، معاشی حصول، عصری تعلیمی اور معاشرہ کی دوسری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے شائع کی گئی ہیں جن میں اردو کے کئی ادبی شاہکار، بنیادی متن قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی وضاحتی فہرستیں، تکنیکی اور سائنسی علوم کی کتابیں، بچوں کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت، زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شامل ہیں۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مختصر عرصہ میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ترقی اردو بیورو نے اپنے منصوبوں میں کتابوں کی اشاعت کو خاص اہمیت دی ہے۔ کیوں کہ کتابیں علم کا سرچشمہ رہی ہیں اور بغیر علم کے انسانی تہذیب کے ارتقا کی تاریخ مکمل نہیں تصور کی جاتی۔ جدید معاشرے میں کتابوں کی اہمیت مُسلّم ہے۔ بیورو کے اشاعتی منصوبہ میں اردو انسائیکلوپیڈیا، ذولسانی اور اردو - اردو لغات بھی شامل ہیں۔

ہمارے قارئین کا خیال ہے کہ بیورو کی کتابوں کا معیار اعلا پائے کا ہوتا ہے اور وہ ان کی ضرورتوں کو کامیابی کے ساتھ پورا کر رہی ہیں۔ قارئین کی سہولتوں کا مزید خیال کرتے ہوئے کتابوں کی قیمت بہت کم رکھی جاتی ہے تاکہ کتاب زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچے اور وہ اس بیش بہا علمی خزانہ سے زیادہ سے زیادہ مستفید اور مستفیض ہو سکیں۔

یہ کتاب بھی بیورو کے اشاعتی پروگرام کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے کہ آپ کے علمی ادبی ذوق کے تسکین کا باعث بنے گی اور آپ کی ضرورت کو پورا کرے گی۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم
ڈائریکٹر ترقی اردو بیورو

فہرست مضامین

مقدمہ

ڈاکٹر شیاما چرن دوبے نے زیر نظر کتاب کے معلوماتی اور فکر انگیز دیباچہ میں کہا ہے :

"آج کل ہم کو ملک کے مختلف حصوں کی دیہی کمیونٹی کے ایسے مسلسل مطالعات کی ضرورت ہے جو تمدن کے مختلف نمونوں اور ان کی تنظیم کے آئینہ دار ہوں" ؛ ڈاکٹر دوبے نے نہ صرف ان مطالعات کی ضرورت اور اہمیت ہی کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ ہم ان کوششوں سے کیا حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کی یہ تصنیف ایک ٹھوس مطالعہ ہے۔ جو بلاشبہ دنیا کے مختلف حصوں میں ہونے والے کمیونٹی کے مطالعہ کے ان معیاری کاموں میں اپنی جگہ حاصل کرے گی جن کا انھوں نے اپنی فہرست کتب میں حوالہ دیا ہے۔

مختلف حیثیتوں سے یہ کتاب قابل قدر اور لائق تحسین ہے۔ اور موجودہ دور کے ہندستانی دیہی زندگی کے تحقیقاتی کاموں کے لیے ایک محرک ہے۔ سب سے پہلے یہ ایک مکمل تصنیف ہے، ان معنوں میں نہیں کہ یہ موضع شامیر پیٹھ سے متعلق ہر قسم کی معلومات مکمل طور پر فراہم کرتی ہے بلکہ ان معنوں میں کہ اس کمیونٹی کے تمام اہم ثقافتی زاویوں کو پیش کرتی ہے۔ اگرچہ مصنف نے بڑی محنت سے واقعات کو عام اور مربوط طریقہ سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس کے باوجود اس کتاب کے پڑھنے سے گاؤں کے تاریخی، جغرافیائی، اور سیاسی پس منظر نیز سماجی، معاشی اور رسماتی ڈھانچہ کا خاکہ ذہن نشین ہو سکتا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا محسوس کرتا ہے کہ اس کو شامیر پیٹھ کے بارے میں پورا علم ہو گیا ہے۔ اور اس کے پس منظر، لوگ اور مسائل سے پوری طرح واقف ہو گیا ہے۔ اگر ہر چیز کی پوری تفصیل نہ بھی ہو تو بھی ہر چیز کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور موجود ہے۔ ہندوستانی دیہی زندگی سے متعلق سماجی علم کی تصانیف میں یہ ایک اہم پیش رفت ہے۔

ایسے مطالعے عام طور سے موضوعاتی، مخصوص اور مختصر ہوتے ہیں۔ تفصیلی اور مختلف زاویہ ہائے نظر سے ہندوستانی کمیونٹی کی جو تصویر کشی کی گئی ہے وہ بہت کم ہیں۔ جرٹرڈ ایمرسن (Gertrude Emerson) کی کتاب "خاموش ہندوستان" (VOICELESS INDIA اور ولیم وائزر (WILLIAM WISER) کی کتاب "کچی دیواروں کے پیچھے" (BEHIND MUD WALLS) کے علاوہ اس قبیل کی صرف چند دوسری ابتدائی کوششیں ہیں۔

ہندوستانی دیہاتوں سے متعلق زیادہ تفصیلی معلوماتی مضامین نہ لکھے جانے کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک نمایاں سبب جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ہے کہ ہندوستانی دیہی زندگی کا مطالعہ گوناگوں پیچیدگیوں کا مرکب ہے جس سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے۔ گاؤں ایک اکائی ہے لیکن اس کی بالغ آبادی کا نصف حصہ یعنی عورتیں دوسری کمیونٹی سے آتی ہیں، جن سے گاؤں شادی کے پیچیدہ بندھنوں میں بندھا ہوتا ہے۔ ہر فرد ایک ذات سے تعلق رکھتا ہے جس کا اس پر بہت کافی اثر رہتا ہے۔ اس ذات کے بااثر افراد کا کنٹرول گاؤں کی حدود تک محدود نہیں ہوتا۔ بیشمار ذاتوں میں سے ہر ایک ذات اپنی ایک ذیلی ثقافت رکھتی ہے۔ جس کی اپنی مخصوص روایات، اصول، رسومات، غذائی عادتیں، اور مراتب ہوتے ہیں اور یہ ذات اپنی خصوصیات میں عام طور سے گاؤں کی حدود سے پرے بھی علاقائی یا قومی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ہندوستانی ثقافت اور فلسفہ قدیم اور مالا مال ہیں۔ ان قدیم روایات سے جو موجودہ ہندوستانی گاؤں کی قدیم بنیادیں ہیں، انصاف کرنا آسان نہیں جو موجودہ ہندوستانی دیہی زندگی کے جدید مقامی اقدار کو تاریخی محرکات کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں موضع میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کی موجودگی سے ڈاکٹر دوبے کا کام آسان نہیں تھا۔ نتیجتاً کم از کم مذہبی نقطہ نظر سے ان کے پیش نظر دو بڑی روایات تھیں جن کو دیہی مشغولیات میں ایک دوسرے سے مربوط کرنا تھا اور جن کی روشنی میں ان کی تشریح کرنی تھی۔ یہ ضروری تھا کہ بیرونی اثرات و روابط کو پیش نظر رکھتے ہوئے بھی گاؤں پر توجہ مرکوز کی جائے۔ ہندوستانی دیہی سماج کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش کرنے والے ہی ان مشکلات کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں، اور ڈاکٹر دوبے کی کوشش کو پوری طرح سراہ سکتے ہیں۔

مصنف نے بڑی حد تک اپنے مرکزی خیال سے ہٹے بغیر کافی معاملات پر بحث کی ہے تاہم اس سے قطع نظر اس تصنیف سے نئے خطوط کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اس کی ایک دلچسپ

بات یہ ہے کہ یہ محض تذکرہ سے ایک بالاتر تخلیق ہے۔ اس سے ہمیں فکر انگیز تصورات اور تجزیاتی وقت نظر حاصل ہوتی ہے۔ ہندوستانی دیہی ثقافت اور لوک ثقافت کا مطالعہ کرنے والے طالب علموں کے لیے ڈاکٹر دوبے کی mixed families (الحاقی خاندان) کی تعریف اور بحث سے (سلسلۂ نسب یا عام قریبی رشتہ داروں سے قطع نظر) بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔ نیز شادی بیاہ میں مراتب کے چھوٹے بڑے عناصر کی جن کی تشریح کر کے مصنف نے دیہات کے ذیلی گروہ اور ان ذیلی گروہوں میں افراد کے قدر مراتب کی پیچیدگیوں کو سلجھایا ہے اس سے مطالعہ کرنے والے کو بہت سہولت ہوگی۔ انہوں نے تقابلی لحاظ یا خاص طور سے بنیادی کوئی چیز پیش نہیں کی۔ لیکن معلومات کو حالات سے جس طرح مربوط کیا ہے وہ فکر انگیز ہے۔ اسی طرح مصنف نے ان نئے عوامل پر روشنی ڈالی ہے جو آج کی کمیونٹی میں اثر انداز ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ عوامل اور محرکات کی جو فہرست انہوں نے پیش کی ہے وہ کس حد تک جامع یا محدود ہے اس سے بہر حال ماضی قریب کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ نیز یہ ایک مفروضہ یا رہنما کی حیثیت میں مستقبل کے رجحانات کی نشاندہی کرتی ہے۔

ڈاکٹر دوبے کی کتاب ایک دوسری نسبت سے بھی بہت سے مطالعہ کرنے والوں کی دلچسپی کا سبب ہے۔ مصنف کو صرف ان اصولوں اور عناصر سے دلچسپی نہیں ہے جو تمدن کے تفصیلی زاویوں کو اجاگر کرتے ہیں۔ بلکہ وہ ٹھوس اعلیٰ مرتبہ، مکمل تصورات جو تمدن میں خصوصیات اور یکجہتی پیدا کرتے ہیں ان کی بھی تلاش میں ہے۔ یہ تلاش خاص طور پر آخری صفحات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جہاں، دنیا میں فرد کی موزوں جگہ . . . با امن موزونیت اور ان قوانین کو اپنانا جو دنیا کو کنٹرول کرتے ہیں، اور یہ رجحان 'ہر چیز منطقی طور سے بنی ہوئی'، جیسے خیالات کو گروہ کے خیالات اور بنیادی محرکات میں نمایاں اہمیت دی گئی ہے۔ اتحاد اور یکسانیت پیدا کرنے والے اصول کے اقسام اور تعداد معلوم کرنے میں دلچسپی جو کسی ثقافت کی پہچان کا سبب ہوں آج کل عام ہے۔ ہندوستانی ثقافت میں لازمی قوتوں کی نسبت ڈاکٹر دوبے کے نظریات اور عصری واقعات میں ان کی اثر انگیزی قابل توجہ ہے۔

وسیع معلومات کو ایک کتابی شکل میں پیش کرنے میں اکثر بہت سی باتیں چھوٹ جاتی ہیں اور محض خلاصہ بچ رہتا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر ڈاکٹر دوبے نے خلاصہ اور عام تشریح میں اساسی مواد اور کیس (Case) مواد سے وقتاً فوقتاً استفادہ کیا ہے۔ اس طریقے سے ہم کو:

مستقلاً یاد دلایا جاتا ہے کہ اعداد و شمار بھی حقیقی لوگوں اور معتبر افراد کی خوشی اور غم اور فتح و شکست کی نشاندہی کرتے ہیں۔

یہ کتاب ایک اور خصوصیت بھی رکھتی ہے جو توجہ کی مستحق ہے۔ اس کتاب میں جو مواد استعمال کیا گیا ہے وہ گروہی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ حقیقت میں یہ پہلی مثال ہے کہ جماعت کے ذریعہ بھی کس طرح کام تکمیل پا سکتا ہے۔ اور بین علمی نقطۂ نظر پیش کیا جا سکتا ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے اٹھارہ سے زائد سابقین اسٹاف اور طلبا نے ڈاکٹر دوبے کی قیادت میں مواد جمع کیا۔ یونیورسٹی کے چھ شعبہ جات نے اس کوشش میں حصہ لیا۔ بہت سا مواد جو ماہرین طبعی علوم نے جمع کیا تھا اور ماہرانہ ہے۔ جو علیحدہ طبع ہوگا۔ لیکن اس فیلڈ طریقہ کی وجہ سے ڈاکٹر دوبے کے پاس اچھی قسم کے فنی مشورے اور ٹھوس مواد تھا جس کی بنا پر زراعت، صحت عامہ اور اغذیہ پر بحث کی گئی۔ یہ ایسے مضامین ہیں جن کو سماجی علوم کے ماہر بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ نتیجتہً یہ تصنیف سند کی اہمیت رکھتی ہے۔ جو اس اتحادی تحقیق کے بغیر ممکن نہ تھی۔ گروہی تحقیق مہنگی ہوتی ہے اور یہ ہمیشہ آسان نہیں ہے کہ مختلف اعلیٰ قابلیت والوں کو کسی ایک کام پر یکجا جمع کیا جائے۔ جن کے تصورات مشکل اور مختلف ہوتے ہیں۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو کسی نہ کسی سبب سے معترض بھی ہیں اور کہیں کہیں ان کا اعتراض بجا نظر آتا ہے تاہم ڈاکٹر دوبے کی کتاب نے ان شکوک کو بڑی حد تک دور کیا ہے اور اس راہ میں امید کی روشنی دکھائی ہے۔ وہ اور ان کے ساتھی قابل مبارکباد ہیں۔

کورنل یونیورسٹی
اتھاکا۔ نیو یارک

موریس ایڈورڈ اوپلر

تشکرات

یہ کتاب عثمانیہ یونیورسٹی کے سوشل سروس کنٹنشن پروجیکٹ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔
جس کی مصنف نے سن [illegible] میں قیادت کی۔ یونیورسٹی کے ارباب اقتدار شکریہ کے مستحق
ہیں جنھوں نے اس پروجیکٹ کے لیے فراخدلی سے سرمایہ فراہم کیا اور بہت ہی گرمجوشی کے ساتھ اس
پروجیکٹ کی مدد کی۔ مصنف نواب علی یاور جنگ بہادر۔ سابق وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی کا شکرگذار
ہے جنھوں نے فراخدلی کے ساتھ سماجی تحقیقات کی مدد کی۔

مسز کلجارام سنگھ، آر۔ پرکاش راؤ، پی۔ آر۔ مسرسالکر، پی۔ ایل۔ نرسمہا راؤ اور لی۔ کشنا ریڈی
نے کنٹنشن ٹیم میں تحقیقات کیں اور اس کتاب میں جو مواد فراہم کیا گیا ہے اس کے جمع کرنے اور
تنقیح کرنے میں میری مدد کی۔ ڈاکٹر حامد علی بیگ، مسٹر غوث محی الدین اور ڈاکٹر چندرا دیوی بطور خاص
اپنی علمی خدمات کی وجہ سے قابل ذکر ہیں جنھوں نے موضع میں ہماری ٹیم کو شہرت دی اور موضع کی صحت
درستی سے متعلق رپورٹ دی۔ ڈاکٹر یا چندرا راؤ نے اپنے اسٹاف کے ساتھ موضع کے مویشیوں کی
صحت کے بارے میں تحقیقات کیں۔ ڈاکٹر ہاشم امیر علی ڈین شعبہ زراعت نے ہمارے کام میں
خاصی دلچسپی لی اور اپنے اسٹاف کے ذریعہ موضع کی زراعت اور معیشت کی نسبت مفید مواد جمع
کیا۔ مس سکندر صدیقی نے دور حیات اور مسلمانوں کے مذہبی تہواروں کے بارے میں مواد
فراہم کرنے میں میری مدد کی۔ میں ان تمام ساتھیوں اور رفقاء کا شکر گذار ہوں۔

اس کتاب کے بہت سے ابواب [illegible] میں لندن میں لکھے گئے تھے جہاں میں بحیثیت
وزیٹنگ لکچرر لندن یونیورسٹی کے School of Oriental and African Studies نے
ہندوستان کے انسانیات پر لکچروں کے لیے مدعو کیا تھا۔ وہاں مجھے اس مواد پر پروفیسر کرسٹوف فیورر

ہیمنڈروف (Prof. Christoph von Fürer-Haimendorf) پروفیسر ایشیائی انسانیات لندن یونیورسٹی اور ان کی بیوی مسز الزبتھ فان فیورر ہیمنڈروف سے بحث کے استفادہ کا موقع ملا۔ میں ان کا مشکور ہوں کہ انہوں نے تنقیدی تجاویز دیے اور مہربانی سے پیش آئے۔ لندن اسکول آف اکنامکس اینڈ پولیٹیکل سائنس کے پروفیسر ریمنڈ فرتھ (Raymond Firth) کے سیمنار سے بھی مجھے بہت مدد ملی۔ میرے دوست اڈرین سی۔ مائر (Adrian C. Mayer) اور برٹن بینیڈکٹ (Burton Benedict) سے اس خصوص میں مباحثے رہے۔ مجھے وہ خوشگوار شامیں یاد کر کے بڑی خوشی ہوتی ہے جو میں نے لندن میں ان کے ساتھ گذاریں۔ مسز مائر اور مسز بینیڈکٹ کی مہمان نوازی مجھے یاد رہے گی۔ مجھے اپنے دوست ریمنڈ (Raymond) اور برچیٹ ایلین کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے بڑے صبر کے ساتھ اس کتاب کا پہلا مسودہ پڑھا اور مفید تجاویز دیں۔ مس کیتھرائن براؤن نے مسودہ ٹائپ کیا۔

میں پروفیسر ایم۔ بھگونتم وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی کا مشکور ہوں جنہوں نے اس رپورٹ کی طباعت کی اجازت دی اور پروفیسر موریس ای۔ اپلر (Morris E. Opler) کا بھی ان کی ہمدردیوں اور ہمت افزائی کے لیے مشکور ہوں۔ میری بیوی نے اس تحقیقی پروجیکٹ کی منصوبہ بندی اور فیلڈ مواد کے تجزیہ اور اس کو اشاعت کے لیے تیار کرنے میں میری مدد کی۔

حیدرآباد　　　　　　　　　　　　ایس۔ سی۔ دوبے

تعارف

بہ حیثیت مجموعی ہندوستان ایک زرعی اور دیہی ملک ہے۔ اس کے باشندوں کی بڑی اکثریت دیہی علاقوں میں بستی ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق جس زمانہ میں ہندوستان غیر منقسم تھا، اس ملک میں سات لاکھ گاؤں تھے۔ تقسیم کے بعد گو یہ تعداد کم ہوگئی ہے۔ تاہم آبادی کا دیہی شہری تناسب کسی قدر کمی زیادتی کے ساتھ ہنوز وہی ہے۔ مختلف اندازوں کے مطابق ہندوستان کی ستر یا اسی فیصد آبادی گاؤں میں رہتی ہے۔

قدیم زمانہ سے گاؤں ہندوستان کی سماجی زندگی کی بنیادی اور اہم اکائی رہا ہے۔ ملک کے کلاسیکی ادب میں اس کے ذکر کو اہم مقام حاصل رہا ہے۔ مثلاً رگ وید (Rigveda) کے مطابق (جس کا شمار عام طور پر دوسرے ہزارہ سال قبل مسیح کے نصف آخر سے کیا جاتا ہے) سماج کا ارتقاء عروجی سمت میں مسلسل رہا ہے۔ جس کی ابتداء خاندان (گریہا یا کولہ Griha or Kula) سے ہوئی اور جو آہستہ آہستہ بڑھ کے گاؤں (گرام Grama) قبیلہ (وس Vis) عوام (جن Jana) اور ملک (Rashtra) تک پہنچ گیا۔ لفظ گرام سے جس کا استعمال اس وقت بھی ہندوستان میں زیادہ تر گاؤں کے لیے کیا جاتا ہے، مراد متعدد خاندانوں کا مجموعہ تھا جو ایک ہی جگہ سکونت رکھتے تھے۔ رگ وید (Rigveda) سے ہمیں یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں کا ایک سردار یعنی گرامینی (Gramini) ہوتا تھا۔ لیکن گاؤں کی اندرونی ساخت یا انتظامیہ یا اس کے بیرونی الحاق کی تفصیلات کا پتہ نہیں چلتا مابعد ویدک ادب، بالخصوص رزمیہ نظموں میں ہمیں اس زمانہ کے نظم و نسق کی کسی قدر تفصیلی جھلکیاں ملتی ہیں۔ مہابھارت (Mahabharata) (دوسری صدی قبل مسیح سے دوسری صدی عیسوی تک) میں ہمیں مختلف قسم کی بستیوں اور آبادیوں کے تذکرے ملتے ہیں مثلاً مویشی کھیت (Cattle farm)

(گھوش اور ہا (Ghosh ar Harsja) چھوٹے نیم مہذب کھیڑے (Palli) اپنی دیہی بستیوں کے حفاظتی قلعے (Durga) ان قلعوں کے اطراف گاؤں (Grama) قصبے (Kharvatam Patt) اور شہر (Nagar) مہابھارت (Mahabharat) میں ہمیں دیہی نظام اور گاؤں کے مابین تنظیم کا خاکہ بھی ملتا ہے۔ مہابھارت کے مطابق گاؤں نظم و نسق کی بنیادی اکائی تھا اور گرامینی (Gramini) اس کا سردار اور نمائندہ ہوتا تھا۔ اس چودھری کی ایک بڑی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ گاؤں اور اس کی حدود کی دس میل کے دائرہ میں حفاظت کرے۔ نظم و نسق دیہاتی گروہوں کی بنیاد پر ہوتا تھا جس میں ہر گروہ کا ایک مسلمہ چودھری ہوتا تھا۔ اس طرح دس گاؤں کا ایک گروہ دس گرامینی (Das Gramini) کے تحت ہوتا تھا اور یہ ہی دیہی تنظیم کی پہلی اکائی تھی۔ ایسے دو گروہ یعنی بیس گاؤں (Vim Satipa) وِم ستیپ کے تحت ہوتے تھے۔ ایک سو دیہات کے گروہ کا سردار ست گرامینی (Sat Gramini) یا گرام ستادھیکشا (Gram Satadhayaksha) کہلاتا تھا۔ آخر میں ایک ہزار دیہات کا ایک گروہ ادھی پتی (Adhipati) کے تحت ہوتا تھا۔ بعد کی متعدد تصانیف میں اس موضوع پر لکھا گیا ہے لیکن پھر بھی ہمیں قدیم ہندوستان کے دیہی اور دیہی نظام کے بارے میں خاطر خواہ معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ یہاں منو کی تحریرات کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا جس میں گاؤں کا ذکر موجود ہے۔ (دو سو قبل مسیح سے دوسری صدی عیسوی تک) اس مشہور ہندو قانون دان نے جس کے اصول ہندو سماج کو آج بھی راہ دکھاتے ہیں، بستیوں کی تین قسمیں کی ہیں:- گاؤں (Grama) قصبہ (Pura) اور شہر (Nagar)۔ اس کے مطابق گاؤں نظم و نسق کی بنیادی اکائی تھا جس کی اپنی تنظیم اور عہدہ دار ہوتے تھے۔ گرامینی (Gramini) گاؤں کا سردار ہوتا تھا۔ سماجی مذہبی زندگی کے مختلف شعبوں سے قطع نظر جس میں خاندان، قبیلے، ذات پات، اور دیہات سب برابر کے شریک تھے۔ دیہی اکائی کی اپنی علیحدہ ذمہ داریاں بھی ہوتی تھیں۔ مختصر یہ کہ عوامی مفاد کی چیزیں مثلاً کنویں، تالاب، حوض، نکاسیٔ آب، بند، گوشالہ، باغات، مزروعے وغیرہ کا انتظام اور اس کی دیکھ بھال گاؤں کے تحت تھی۔ تقریباً ایک ہزار گاؤں کا ایک ملک سمجھا جاتا تھا اور یہ سہاسر پیا (Sahasrana) کے تحت ہوتا تھا۔ اس گروہ کی متعدد تقسیمیں اور ذیلی تقسیمیں ہوتی تھیں ستیا (Satiem) کے تحت ایک سو گاؤں ہوتے تھے۔ بیس دیہات ایک ومسی (Vimsi) کے تحت۔ دس دیہات ایک داسی (Dasi) کے تحت اور آخر میں ایک گاؤں گرامینی کے تحت ہوتا تھا۔ زمانۂ دراز گذرنے کے باوجود ہندوستانی دیہات کی ساخت میں اب بھی وہ بیشتر خصوصیات پائی جاتی ہیں

جن کا ذکر منو (Manu) نے ذکر کیا ہے۔ آج بھی دیہات کا نیم خود مختارانہ کردار باقی ہے۔ بالعموم ہر گاؤں کا ایک مسلمہ سردار ہوتا ہے۔ جس کی ذمہ داریاں مقرر ہوتی ہیں۔ دس یا بیس گاؤں تک بھی اہم معاملات اور مفاد عامہ کے مسائل پر غور کرنے کے لیے یکجا ہوتے ہیں۔ تقریباً ایک ہزار گاؤں ثقافتی یا ذیلی ثقافتی حلقہ کہلاتے ہیں۔ اور اس حلقہ کی دیہی جماعتوں کی ایک مشترک ثقافتی خصوصیات، سماجی قدریں اور سماجی اشکال ہوتی ہیں۔ تاہم ہندوستانی دیہی سماج کو ہم غیر حرکی، غیر متغیر اور زمان ومکان سے آزاد نہیں کہہ سکتے ہیں۔ تاریخی اور ساجیاتی عوامل اور قوتوں کے بین عمل نے دیہی گروہوں کی ساخت، اس کی تہذیب اور اس کی تنظیم پر بہت سے گہرے اور اہم اثرات ڈالے ہیں۔

(2)

آج کل 'ہندوستانی گاؤں' یا 'ہندوستانی کسان' کی اصطلاحات کا استعمال عام ہے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ ہندوستان کے سارے علاقوں کے بیشمار مسائل یکساں ہیں لیکن اس قسم کے ذکروں سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ دیہات سماجی اور ثقافتی اکائی کی حیثیت سے ہندوستان کے ذیلی براعظم میں بنیادی طور پر ایک ہی طرح کی تنظیم اور ایک ہی قسم کے اقدار رکھتے ہیں۔ لیکن ایسا سمجھنا پیچیدہ سماجی موقف کو بہت زیادہ آسان بنا کر پیش کرنے کے مترادف ہوگا کیونکہ ان کی سماجی ساخت اور مسائل کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ صاف اور واضح طریقہ پر ان کی درجہ بندی کی جائے اس طرح کی درجہ بندی کے لیے مختلف معیارات پیش نظر رکھے جا سکتے ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:-

(1) وسعت، آبادی اور رقبہ
(2) نسلی ساخت۔ ذات پات
(3) زمین کی ملکیت کا طریقہ
(4) اقتدار کا ڈھانچہ اور اس کی درجہ بندی
(5) علیحدگی کے مدارج
(6) مقامی روایات

بلحاظ آبادی، وسعت اور اپنے حدود کے تعین کی غرض سے ہندوستان کے ہر ہر تہذیبی خطہ میں دیہاتی اکائیوں کے اپنے جدا جدا نام ہیں۔ شمال اور وسط ہند میں جہاں ہندی بولی جاتی ہے عام طور سے کھیڑو (چھوٹا پورہ) Hamlet، گاؤں (چھوٹی بستی) Small Village اور قصبہ

Large Village (بڑی بستی) میں فرق کیا جاتا ہے۔ نیز تلنگانہ میں جو حیدرآباد اسٹیٹ کا وہ حصہ ہے جہاں تلگو بولی جاتی ہے اور جس میں شامیر پیٹھ (جس کا ذکر آگے آئے گا) شامل ہے۔ اسی طرح کا امتیاز گمپو (Gampo)، ماجرا (Majra) اور گراما (Grama) کے ناموں میں کیا جاتا ہے۔ پہلے نام سے مراد چند جھونپڑیوں کا مجموعہ ہے۔ دوسرے سے کسی قدر بڑا پورہ اور تیسرے سے خاص گاؤں۔ دیہی آبادیوں میں اس طرح کی جو تفریق ہے اس کا انحصار صرف ان کے پھیلاؤ اور آبادی پر ہی نہیں ہے اگرچہ کہ ان تینوں کا تعلق لوک سماج (Folk Society) سے ہے لیکن وہ اپنی اندرونی تنظیم، معاشی خودکفالت بیرونی دنیا سے باہمی مطابقت کے طریقوں نیز دیہی سماج میں آپسی اثر اور رفتار کے معاملات میں ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے مماثل سمجھنے کی ہر کوشش سے بعض حقائق سے چشم پوشی ہوگی۔ بڑے گاؤں کے باشندے اپنے کو دیہی سماج کا رہنما سمجھتے ہیں، چھوٹے گاؤں کے باشندوں کو کسی قدر کم تہذیب یافتہ اور جو لوگ کہیں باہر سے آتے ہیں ان کو گنوار سمجھتے ہیں۔ چھوٹے گاؤں کا آدمی بڑے دیہات کے باشندوں کو مشتبہ اور تنقیدی نظر سے دیکھتا ہے لیکن دل ہی دل میں وہ ان کی عزت اور توقیر بھی کرتا ہے مگر اس کو بھی اپنے سے چھوٹی بستیوں کے لوگ بے ڈھنگے اور گنوار نظر آتے ہیں چونکہ دیہات میں پیشہ کی تقسیم بڑی حد تک ذات پات کی بنا پر ہوتی ہے اور نہ صرف کاشتکاری کے کاموں کے لیے بلکہ مذہبی اور سماجی زندگی کے لیے بھی بہت سے پیشہ وروں کے کام کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے وہ بڑا گاؤں جس کی آبادی کے اندر تمام پیشہ ور ذاتیں ہوتی ہیں، زیادہ مکمل معاشی طور پر خود مکتفی اور بہتر سماجی مذہبی زندگی گذارتا ہے بہ نسبت اس چھوٹے دیہات کے جو ایک یا اس سے زیادہ پیشہ ور ذاتوں کی عدم موجودگی میں متبادل انتظام کے لیے دوسری بستیوں پر انحصار کرتا ہے۔ مختلف ذاتوں، بڑی آبادی، وسائل کی اندرونی پیچیدگی کی وجہ سے بڑے گاؤں کی تنظیم اکثر چھوٹے گاؤں سے مختلف ہوتی ہے۔ بعض دیہات اور کھیڑے حقیقت میں بڑے گاؤں کے توسیعی دیہات سمجھے جاتے ہیں اور اگرچہ کہ اپنے معاملات میں خودمختار ہوتے ہیں پھر بھی وہ پڑوسی بڑے دیہات کے اصول و نظریات سے متاثر ہوتے ہیں۔

کسی گاؤں کے کردار کا تعین وہاں کی نسلی اور لسانی ساخت نیز ذات پات کے ڈھانچہ سے ہوتا ہے۔ ایک قبیلہ والے گاؤں کی ساخت اس کی تہذیب اور مسائل اس گاؤں سے بالکل مختلف ہوں گے جہاں کی آبادی مخلوط اور متجانس ہو۔ ایک قبیلہ والے گاؤں میں اکثر اقتداری ساخت کے لحاظ سے ایک یگانگت ہوتی ہے کیونکہ یہاں غیر مذہبی، رسمی اور گاؤں کے تہذیبی

معاملات میں قبیلے کا اقتدار اعلیٰ ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف ایک ایسا گاؤں جس کی آبادی میں ایک طرف ملے جلے مختلف قبیلے ہوں اور دوسری جانب ہندو ذاتوں کے یا ایک ہی درجہ کی ذات کے دو ایسے متوازی گروہ ہوں جن کو محض مختلف زبان بولنے یا مختلف تہذیبی علاقوں میں رہنے کی وجہ سے علیحدہ سمجھا جاتا ہو یا ان میں فرق ہندو یا مسلمان ہونے پر ہوتی ایسی صورتوں میں اس گاؤں کی اندرونی تنظیم اور وفاقت دار کی مقامی حالت لازماً مختلف ہوگی۔ اگر اس کی آبادی کے مختلف عناصر مساوی طاقت رکھتے ہوں۔ بہ لحاظ تعداد اور بہ لحاظ معیشت ۔ تو عموماً اس کا انتظام وفاقی ہوگا۔ ایسے بندوبست میں ہر ثقافتی گروہ نیم خود اختیاری ہوگا اور ان تمام گروہوں سے بیا ہوا اقتدار بحیثیت مجموعی غیر معمولی قوت کا حامل ہوگا۔ ایسے علاقوں میں جہاں باہمی ذاتی رقابتیں اور کشیدگی شدید یا مسلسل ہیں ایسے گاؤں میں ذات پات کی ساخت پر باہمی گروہی مطابقت کا انحصار ہوگا۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ ایک زرعی ملک میں زمین کی قدر بے انتہا ہوتی ہے اور آبادی کا دباؤ نیز خانگی مالکانہ سماجی وقار کے لیے بھی اس کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ جہاں زمین کا مالک ایک ہی زمیندار ہو یا دو یا زیادہ زمیندار ہوں، جیسا کہ "مشترک گاؤں" میں ہوتا ہے۔ ایسے گاؤں کی تنظیم اس گاؤں سے بالکل مختلف ہوگی جہاں مالکانہ حقوق رکھنے والے بستے ہوں۔ زمین کی تقسیم کا عام تناسب دو یا اس سے زیادہ خاتون، چند خاندانوں یا ایک بڑے زمیندار اور باقی تمام معاشرہ میں گاؤں کی تنظیم اور اس کے مسائل پر زیادہ اثر انداز ہوگا۔

ہندوستان کا کوئی گاؤں پوری طرح خود اختیار یا آزاد نہیں ہے کیونکہ یہ ہمیشہ کسی نہ کسی وسیع تر سماجی نظام کی اکائی ہوتا ہے اور ایک منظم سیاسی معاشرہ کا جزو۔ کوئی فرد صرف گاؤں کی کمیونٹی کا ہی ممبر نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق کسی ذات، مذہب یا قبیلہ سے بھی ہوتا ہے جس کی حدود کافی وسیع ہوتی ہے اور جو کئی دیہاتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ اکائیاں خود اپنی تنظیم، اقتدار اور مراعات رکھتے ہیں۔ سیاسی طور پر تمام دیہات انڈین یونین اور اس کی کسی ایک ریاست کی مقننہ، عاملہ اور عدلیہ کے زیر اقتدار ہوتے ہیں۔ انتظامی سہولت کی غرض سے ریاستوں کو ضلعوں میں اور ضلعوں کو تحصیل اور تعلقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ روز مرہ کے نظم و نسق کے دوران دیہات کا تعلق اس ذیلی تقسیم اور ضلعوں کے حاکموں اور عہدہ داروں سے ہوتا ہے۔ اگرچہ ریاستی اور مرکزی قوانین ان پر لاگو ہوتے ہیں۔ اس طرح دیہات صرف اپنے مقامی معاملات میں آزاد اور خود مختار رہتے ہیں۔ لیکن یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اقتدار کس کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو کیا

کوئی چھوٹا ریاستی جاگیردار ہوتا ہے جو عاملانہ اور عدالتی اختیار بھی رکھتا ہے؟ کیا کوئی حکومت کا مسلمہ زمیندار ہوتا ہے جس نے بیجا طور پر بزور نظم و نسق کا اختیار حاصل کر لیا ہے؟ یا گاؤں کی ایسی کوئی پنچایت (دیہی مجلس) جو مقامی رواج کی آوردہ ہوتی ہے؟ جاگیردارانہ نظام کو جمہوریہ ہند برخواست کر چکی ہے لیکن ملک کے کچھ حصوں میں چھوٹی جاگیرداریاں اب بھی پائی جاتی ہیں اور گاؤں کے زمیندارانہ نظام کو ختم کرنے کے لیے صرف چند ہی علاقوں میں موثر اقدام کیا گیا ہے۔ دوسری جانب دیہی سلف گورنمنٹ (Self Government) (خود حکومتی) طریقے کے احیا کے لیے کچھ ریاستوں نے دیہی مجالس قائم کی ہیں جن کو قانونی اختیارات دیئے گئے ہیں اور جن کے اراکین کا تقرر حکومت کی جانب سے ہوتا ہے۔ ہندوستانی گاؤں میں اجتماعی اقتدار کی صورت گری خاص نوعیت کی حامل ہوتی ہے جن کے ذریعہ ہندوستانی دیہاتوں کی مختلف تصویریں ملتی ہیں۔

بڑے تنظیمی یا صنعتی مراکز سے قرب یا دوری گاؤں کی تنظیم اور دنیا سے متعلق اس کے نظریات پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اسی طرح جدید ذرائع حمل و نقل کی دستیابی، رسل و رسائل کی آسانیاں کسی گاؤں کے موقف اور اس کے تانے بانے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان کی درجہ بندی کے لیے ان باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

مختصر یہ کہ دیہی تانے بانے کا انحصار بعض سماجی اور علاقائی روایات پر ہوتا ہے۔ لباس، بات چیت، اطوار نیز دیہات کی ہیئتی تشکیل اور مکانات کا طرز تعمیر اس کے خاص تہذیبی نمونوں سے مطابقت رکھتے ہیں گو یا مختلف علاقوں میں دیہات کی تنظیم میں ہم ایک حد تک تنوع کی توقع رکھتے ہیں۔ لیکن ان علاقائی اختلافات کے باوجود دیہات میں باہم ہم آہنگی ہوتی ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنی طرز کی انفرادیت کا حامل ہوتا ہے۔ کچھ دیہات کو امن پسند اور کچھ کو وقت پسند سمجھا جاتا ہے۔ کچھ اپنی نیاضی اور راست بازی کے لیے مشہور ہوتے ہیں۔ اور کچھ کج خلقی کے لیے بدنام۔ کچھ ایمانداری اور کھرے پن کے لیے مشہور ہیں تو کچھ پر ان کی آرام طلبی کے باعث نکتہ چینی کی جاتی ہے۔ کچھ گاؤں متعدد سماجی سے دلچسپی رکھنے کے لیے مشہور ہیں تو دوسرے اپنی شان اور ظاہری نمائش کے اظہار پر فریفتہ ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے ایسے بھی دیہات ہیں جن کو اپنی نیکنامی کا بیجا احساس ہوتا ہے۔ میل ملاپ یا اس کا فقدان بھی چند دیہات کی خصوصیات میں ہے۔ ان خصوصیات اور اوصاف کی جڑیں شدید مقامی روایات میں پائی جا سکتی ہے۔ یا ایسے عناصر کے ملاپ میں جو کسی خاص وقت میں رائج رہے ہوں۔ یہی چیزیں دیہات کو ایک امتیازی کردار عطا کرتی ہیں۔

اس لیے ایسے دیہات کے سماجی طریقوں، طرزِ اور محرکات کا مطالعہ بڑی سماجیاتی اور نفسیاتی اہمیت کا حامل ہوگا۔

مذکورہ بالا خصوصیات کے پیشِ نظر کسی دیہات کو دیہی ہندوستان کا نمونہ نمائندہ سمجھنا دشوار ہے۔ درحقیقت میں تو یہ کہوں گا کہ دیسا گاؤں اپنے ثقافتی علاقہ کا بھی بمشکل ہی نمونہ سمجھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا یہ مسئلہ سماجی انسانیات داں اور ماہرین سماجیات کے لیے بہت پیچیدہ ہے اور آج اس کی ضرورت ہے کہ ملک کے مختلف حصّوں کے دیہی سماج کی تنظیم کے مختلف النوع نمونوں اور تہذیب کا مسلسل مطالعہ کیا جائے۔ جب تک ایسا نہ کیا جائے گا دیہی ہندوستان میں دیہی سماجی نظام کی تصویر دھندلی اور نامکمل نظر آئے گی۔

قدیم نسلیاتی مطالعوں اور ان ابتدائی تحقیقات کی مدد سے جو حال میں شائع ہوئی ہیں۔ ہندوستانی دیہات کی ساخت اور تنظیم کا خاکہ اب نسبتاً زیادہ واضح نظر آرہا ہے۔ اہم اختلافات سے قطع نظر ان میں ساخت کے لحاظ سے بہت جسامت پائی جاتی ہے۔ شمالی وسطی اور جنوبی ہندوستان نیز ملک کے مشرقی اور مغربی حصّے میں حسبِ ذیل خصوصیات بیشتر دیہاتوں میں نظر آتی ہیں۔

(۱) علاقائی، سماجی، معاشی اور رسوماتی اکائی کے لحاظ سے گاؤں ایک علیحدہ اور نمایاں وجود رکھتا ہے۔ ایسے مقام کے باشندے اپنی جماعتی وحدانیت کا احساس رکھتے ہیں۔ اور دوسرے بھی اسے مانتے ہیں۔ ان میں اپنی بستی سے ایک طرح کا جذباتی لگاؤ پایا جانا غیر معمولی نہیں۔ بہت سے معاملات میں گاؤں کا متحدہ خیال ہوتا ہے۔

(۲) ان بستیوں کی آبادی ملی جلی ہوتی ہے جس میں مختلف ذات کے ہندو قبیلے اور دوسرے مذاہب کے گروہ شامل ہوتے ہیں۔ جہاں تک ہندو آبادی کا تعلق ہے ان کے مختلف گروہ سماجی، معاشی اور رسوماتی حیثیت سے جماعت کی تنظیمی تشکیل میں ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں۔ کوئی ذات علیحدہ طور پر خود مکتفی نہیں ہوتی کیونکہ اس کو بہت سے ایسی دیگر پیشہ ور ذاتوں کی خدمات کی ضرورت ہوتی ہے جو خاص خاص پیشوں اور ہنروں کے اجارہ دار ہوتے ہیں۔ محنت کی امداد باہمی کا یہ سلسلہ طریقہ بین ذاتی تعلقات پر مبنی ہے۔ اور اسے رواجاً تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ صرف معاشی جدوجہد تک محدود نہیں ہوتا۔ بلکہ تقریبات اور عبادات میں بھی عام ہے۔ دیہی ہندوستان کی سماجی ساخت کی اقتدار کی تنظیم ذات پات کی وجہ سے کچھ ایسی ہے کہ اس میں قبائلی اور غیر ہندو طبقے

(مثلاً مسلمان اور عیسائی) کی حیثیت بھی دوسری ذاتوں کے مماثل ہوتی ہے۔ ہندوستان کے بہت سے حصوں نے اپنی سماجی اور مذہبی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے ذات پات کی بعض خصوصیات مثلاً پیشہ ورانہ مہارت کو اختیار کر لیا ہے۔ ہندوستان کے چند دیہی علاقوں میں مسلمان بھی پیشہ ور ذاتوں کی طرح کئی قسم کے کام کرتے ہیں مثلاً آتشبازی بنانا، کپڑا بُننا، تانگہ، یکہ اور کرایہ کی گاڑیاں چلانا، ترکاریاں بیچنا یا گانا بجانا وغیرہ

(۳) مقامی گروہ کے لوگ باہمی رشتوں میں مشترکہ ذمہ داریوں کے بندھن میں بندھے ہوتے ہیں دیہی کاروبار کے اکثر شعبوں میں بین شخصی اور بین گروہی تعلقات کا انحصار عام رواج اور سماجی اخلاق پر ہوتا ہے۔ کیونکہ کمیونٹی کے اقدار اور اس کے مسلمہ رواج کی خلاف ورزیوں کا تصفیہ گاؤں کے بڑے لوگوں یا گاؤں کی مجلس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ گاؤں کی مجلس گاؤں کی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے سماجی طور پر بائیکاٹ کرنے کا پورا اختیار رکھتی ہے اور اس ذریعہ سے وہ اپنے فیصلوں کو موثر طور سے نافذ کر سکتی ہے۔

(3)

جدید کمیونٹی مطالعوں سے سماجی انسانیات اور سماجیات کے تحقیقی میدان میں نمایاں پیش رفت کا پتہ چلتا ہے۔ جو تصورات اور تکنیک اس سے پہلے قدیم اور دور افتادہ قبائلی سماجوں کی تحقیق کے لیے استعمال کی جاتی تھیں اب انھیں کسان کمیونٹی نیز ان پڑھ اور پڑھے لکھے سماجوں کے مطالعہ کے لیے بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان طریقوں کو زیادہ پیچیدہ اور صنعتی کمیونٹی کے مطالعہ میں بھی پیش نظر رکھا جا رہا ہے۔ روز بروز بڑھتے ہوئے ماہرین سماجی علوم اور فیلڈ ورکر کے رجحانات میں یہ تبدیلی تصوراتی ڈھانچہ اور طریقہ تحقیق کی ترقی میں اہم تبدیلیوں کا سبب بن رہی ہے۔ سماجی علوم کے طریقہ تحقیق اور فیلڈ ریسرچ کی تکنیک کو اس نئی پیش رفت سے بہت فائدہ پہنچا ہے۔ دوسرے محققین کے علاوہ رابرٹ رڈ فیلڈ (Robert Redfield) جان گلن سول ٹکس (Tax) اور رالف بیلس (Ralph Beals) کی تحقیقات میں اس سمت میں ترقی کا پتہ چلتا ہے۔ جو نظریہ اور طریقہ تحقیق دونوں میدانوں میں نظر آتی ہے۔ رابرٹ رڈ فیلڈ (Robert Redfield) کی تحقیق ٹے پٹ زلان ایک میکسیکو گاؤں (Tepotzlan a Mexican Village) سے لیکر آسکر لوئی (Oscar Lewis) کی تحقیق Tepotzlan Restudied. Life in a Mexican Village تک سماجیاتی و انسانیاتی تحقیق کے اس نئے رجحان کا پتہ ملتا ہے۔ اول الذکر

کتاب سے تحقیقی میدان میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا جو کافی امید افزا نظر آتا تھا۔ اور بعد کی تحقیق سے ان طریقوں کی پختگی کا پتہ چلتا ہے۔ اب وسطی امریکہ کے بارے میں بہت سی دلچسپ اور مفید تحقیقات ملتی ہیں۔ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی اس قسم کے اہم تحقیقاتی کام کیے گئے ہیں۔ مشرقی دنیا کے بڑے کسان سماجوں کے مطالعہ کے سلسلے میں برطانیہ عظمیٰ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے محققین کی جانب سے کافی ہمت افزائی اور مدد ملی ہے۔ مالینوسکی (Malinowski) اور ریڈ کلف براؤن (Radcliffe Brown) نے فیئی (Fei) اور ایمبری (Embree) کی تحقیقات پر جو مقدمے لکھے ہیں، ان سے برطانوی سماجی انسانیات دانوں کی کمیونٹی مطالعوں میں دلچسپی کا ثبوت ملتا ہے۔ مارٹن سی یانگ (Martin C. Yang) اور فرانسس ایل کے ہسو (Francis L.K. Hsu) کی تحقیقات کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں مفید حمایت حاصل ہوئی۔ مشرق بعید کی ان تحقیقات میں سے بعض کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کو مغربی سائنس دانوں کی بجائے وہیں پیدا شدہ اور مقامی لوگوں نے جن سماجوں کا تعلق ہی سماجی ماحول اور پس منظر سے تھا ان کے بارے میں وہ تحقیق کر رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کے تجزیات کے معیار میں کہیں کہیں کافی فرق نظر آتا ہے۔ چنانچہ بعض تحقیقات تاریخی تجزیہ پر منحصر ہیں تو بعض گہرے سماجیاتی اور معاشی مطالعہ کا پتہ دیتی ہیں، لیکن بہرحال انسانیاتی میدان میں یہ پیش رفت کسی معمولی اہمیت کی حامل نہیں کیونکہ اس سے ان کے اپنے معاشرہ کی سماجیاتی اور انسانیاتی مطالعوں کے تعلق سے بڑھتے ہوئے شعور اور بیداری کا پتہ چلتا ہے۔ ایسے مطالعوں کا دائرہ کافی وسیع ہے اور اس میں بہت سے مغربی معاشروں کی تحقیقات بھی شامل ہیں۔ ڈبلیو۔ آئی تھامس (W. I. Thomas) اور فلورین زنانیکی (Florian Znaniecki) کی کتاب (The Polish Peasant in Europe & America) کونراڈ آرنس برگ (Conrad Arens Burg) کی کتاب (The Irish Countryman) اور ایلون ڈی ریس (Alwyn D. Rees) کی کتاب (Life in a Welsh Countryside) اگرچہ مختلف طریقہ ہائے تحقیق کا نتیجہ ہیں جن کے تجزیاتی معیار الگ الگ ہیں، پھر بھی تقابلی مطالعہ کے لیے ان سے مفید مواد ملتا ہے۔ یہاں پر لنڈس (Lynds) اور وارنر (Warner) مکتب خیال کی اہم اور فکر انگیز تحقیقات کا تذکرہ بھی ضروری ہے جنہوں نے پیچیدہ سماجوں کے تجزیے کیے ہیں۔ آر۔ ایس۔ اور ایچ۔ ایم۔ لنڈ (R.S. and H. M. Lynd) نے اپنی تحقیقات (Middle Town) اور اس کے بعد (Middle Town in Transition) کو اس تحقیقاتی میدان میں بجا طور سے اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ ڈبلیو۔ ایل۔

ڈبلیو ایل وارنر (W. L. Warner) اور پال ایس لنٹ (Paul S. Lunt) کی تحقیقات میں (The Social Life of a Modern Community) اور The Status System of a Modern Community. اور ڈبلیو۔ ایل۔ وارنر (W. L. Warner) اور لیو سرول (Leo Srole) کی کتاب (The Social System of American Ethnic groups) بھی اس سلسلہ کی اعلیٰ معیاری کتابیں ہیں۔ ان تحقیقاتی کاموں سے دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی کمیونٹی مطالعوں کو ترغیب ملی ہے خصوصاً ایسے ممالک میں جنھیں کم ترقی یافتہ کہا جاتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ ٹیکنالوجی کے اعتبار سے ترقی یافتہ اور صنعتی ممالک میں بھی یہ کتابیں باعث تحریک ہوئی ہیں۔ آجکل دنیا کے مختلف حصوں میں اچھا خاصا فیلڈ ریسرچ ہو رہا ہے۔ مثال کے طور پر وسطی امریکہ میں (Puerto Rico) میں جولین سٹیوارڈ (Julian Steward) کے زیر نگرانی برطانیہ عظمیٰ ایڈنبرا یونیورسٹی کے کینتھ ایل لٹل (Kenneth L. Little) کی زیر نگرانی اور ہندوستان میں کارنل (Cornell) گروہ کے تحت موریس ای اوپلر (Morris E. Opler) کے زیر نگرانی نیز کچھ ہندوستانی جامعات کے ذریعہ اہم تحقیقاتی کام کیے ہوئے ہیں یا ہو رہے ہیں۔

موجودہ سماجوں (کمیونٹی) نیز ان پڑھ اور ٹیکنالوجی کے اعتبار سے غیر ترقی یافتہ معاشروں کے مطالعہ میں جن کی بنیادیں زمانہ قدیم کی تہذیبوں میں ملتی ہیں بہت سے عملی اور طریق تحقیق کے مسائل سے سابقہ پڑتا ہے۔ دورِ جدید کے سماج اپنی آبادی اور علاقائی وسعت کے اعتبار سے بہت بڑے ہیں بمقابل ان قدیم سماجوں کے جن کا انسانیات دانوں نے اب تک مطالعہ کیا ہے جس کی وجہ سے ماہرین انسانیات اور ان کے ساتھیوں کو موجودہ سماج سے راست ربط پیدا کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی ہے اور وہ صرف سماج کے ایک حصہ اور محدود علاقہ تک ہی ربط قائم کر سکتے ہیں جس کی وجہ سے محقق کے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ سماج کے صرف چند حصوں تک محدود رہے۔ اور اس کے انتخاب میں بہت سی دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ کیونکہ نمائندہ جز کا انتخاب کرنا آسان نہیں ہوتا۔ یہاں ایک موثر اور جامع نمونہ جاتی ٹیکنک کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ صورت حال اور پیچیدہ ہو جاتی ہے کیونکہ موجودہ سماج کے عام ڈھانچہ میں بہت سی متعدد ذیلی ثقافتیں بھی ملتی ہیں۔ چند مادی اقدار سے قطع نظر ایسی ذیلی قدریں بھی پائی جاتی ہیں جو بہت مختلف ہوتی ہیں۔ کمیونٹی میں چند مسلمہ قدریں ضرور ہوتی ہیں۔ لیکن برتاؤ کے نمونوں کے دائرہ میں فرق اور تغیر بھی پایا جاتا ہے۔ اس لئے تحقیق کے لیے نمونہ کے انتخاب کے وقت ان عوامل کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ آخر میں سماج کے دیہی اور شہری دونوں پس منظر کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ اور اس ضمن میں ان اہم آپسی تعلقات اور عمل کو پیش نظر رکھا

بھی ضروری ہے جو اس سماج کے مختلف اجزا کے مابین پائے جاتے ہیں۔ تحقیق کے دوران اور اس کے نتائج کے پیش کرنے میں بھی بہت سے پیچیدہ مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا امکان رہتا ہے کہ ادبی اور تاریخی شہادتوں کی وجہ سے کچھ یک رُخی اور متعینہ مشابہات قائم ہو گئے ہوں جن کو اگر محقق صحیح تسلیم کرے تو اس کی وجہ سے تحقیق کے پورے نتائج کا متاثر ہونا ضروری ہوگا۔ ایسے سماج کی تحقیق میں جس کے بارے میں کچھ نامعلوم ہو یا بہت کم معلوم ہو مکمل طور سے غیر جانبدار ذہن رکھنا نسبتاً آسان ہے لیکن تاریخی اعتبار سے مشہور سماجوں کے بارے میں غیر شعوری تعصبات کو ترک کرنا آسان نہیں۔ خواہ یہ تعصبات سماج کے حق میں ہوں یا ان کے خلاف کیونکہ یہ عام طور سے فکری عادت بن جاتے ہیں۔

ایسے سماجوں کے سیاسی اور سماجی بین عمل میں جذبات اور رجحانات کا رد عمل ناقابل نظر انداز ہو جاتا ہے کیونکہ محقق اور موضوع مکمل طور سے بے تعلق نہیں ہو سکتے۔ ان معاملات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ ایسے اَن پڑھ اور غیر ترقی یافتہ سماجوں میں بھی جہاں یہ صورت حال نہیں پائی جاتی لوگ اس قسم کے تحقیقی کام یا اس کے وسیع مضمرات سے پوری طور سے ناآشنا نہیں ہوتے چنانچہ قوم پرستی کے جذبات، ذات پات یا طبقاتی شعور، مقامی حب الوطنی اور خارجی دنیا کے لوگوں کے ممکنہ رد عمل اور رجحانات کا صاف اثر تحقیق کے دوران ان لوگوں کے جوابات میں نظر آتا ہے۔ زندگی کے بعض پہلوؤں کے متعلق یہ لوگ باہر سے آکر تحقیق کرنے والوں کو جواب دینے میں ہچکچاتے ہیں، اور اس قسم کی مداخلت کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر کوئی فیلڈ ورکر اسی ثقافت میں پیدا ہوا ہو تو ممکن ہے کہ وہ ایسے حقائق اور رجحانات کو نظر انداز کر جائے یا غیر شعوری طور پر اپنی کمیونٹی کی بعض باتوں کی حمایت میں جواز پیش کرنے کی کوشش کرے۔ اسی لیے مناسب سائنسی تربیت کے ذریعہ ان دشواریوں کو بڑی حد تک کم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن سب سے بہتر اور مثالی طریقہ تو یہی ہوگا کہ کسی ایسے محقق سے کام لیا جائے جس کا تعلق دوسرے تمدنی پس منظر سے ہو۔ کیونکہ ایسی صورت میں اطمینان بخش نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ بات اپنی معکوس صورت میں بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے یعنی اگر کوئی باہری شخص کسی سماج کی زندگی اور اس کی ثقافت سے کم واقفیت رکھتا ہے تو اس کا امکان رہتا ہے کہ وہ اس سماج کے انداز فکر، ان کے رجحانات اور ان کے اقدار پر پوری طرح حاوی نہ ہو سکے۔ اور اس لیے نہ انھیں پوری طرح سمجھ سکے اور نہ پیش کر سکے۔ ایسی صورت میں اسی تمدن کے تربیت یافتہ لوگوں کے تعاون کی تحقیق میں بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ نکات بہت اہم ہیں اور سماجوں کی تحقیق کی منصوبہ بندی میں انھیں آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

جہاں تک کہ ان کمیونٹی تحقیقات کی افادیت کا تعلق ہے اس کے بہت سے فائدے ہیں۔
اس میں اجنبی اور مشکلات سے بھرپور علاقوں میں تحقیق کا مسئلہ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بہت زیادہ دلی
اور دلکش نہ ہوں لیکن بہرحال ان میں نقل و حرکت کی کافی آزادی ہوتی ہے۔ اور موجودہ تمدن کی زیادہ تر
سہولتوں سے استفادہ حاصل کرنے کے مواقع بھی کافی حاصل ہوتے ہیں۔ اگر تحقیقات کا ماحول
دشواریوں سے بھرپور ہو تو ایسی صورت میں صرف مہم پسند سماجی سائنس داں ہی دور افتادہ جزائر
یا قبائلی سماج تک جانا پسند کرے گا۔ لیکن سماجی تحقیقات میں محققین کی بڑی تعداد دیکھی گئی ہے کیونکہ یہاں
حالات کار اتنے دشوار نہیں ہوتے جس کی وجہ سے مل جل کر کام کرنے میں نیز بین علمی تعاون میں آسانی
ہوتی ہے۔ مفتش آسانی کے ساتھ تاریخی اسناد، ادبی شہادتوں اور حکومتی اور انتظامی مواد کو
استعمال کر سکتا ہے۔ اس صورت میں لسانی دشواری پر بھی قابو پانا مشکل نہیں۔ کیونکہ اگر مفتش زیر
تحقیق باشندوں کی زبان سے ناآشنا بھی ہو تو وہ اسی سماج کے دو لسانی افراد کی مدد سے جس میں
سے ایک سے وہ خود واقف ہے اپنا کام نکال سکتا ہے۔ اور سب سے آخر میں یہ سہولت ہوتی
ہے کہ اگر لوگوں کو تحقیق کے مقاصد سمجھا دیے جائیں اور ہوشیاری، اصرار اور ہمدردی کے ذریعے
ان کا اعتماد حاصل کر لیا جائے تو لوگ خود آگے بڑھ کر اپنا ذہنی تعاون پیش کریں گے۔

ان فائدوں کے باوجود اور پہچان کی ہوئی چند دشواریاں موجود رہیں گی۔ لیکن گلن (Gillin)
کے الفاظ میں فن تحقیق کے نقطۂ نظر سے ان مسائل کے حل میں کوئی عقدۂ لاینحل نہیں ہوتا۔ اس
نے تین لوازمات کا تذکرہ کیا ہے: (۱) کافی اور قابل لحاظ مقدار میں مالیہ کی فراہمی۔ (۲) کافی تعداد
میں اچھے تربیت یافتہ ماہرین انسانیات کی موجودگی۔ (۳) دوسرے سماجی اور نفسیاتی ماہرین کا
تعاون جو ایک جامع اور مربوط تحقیقی پلان کے تحت کام کریں۔[1] لیکن صرف اگر سماجی ڈھانچے اور
تنظیم کا مطالعہ مقصود ہو تو دوسرے علوم کے ماہرین کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگرچہ اگر ان کا تعاون
حاصل ہو تو بلاشبہ ماہرین انسانیات کو بڑی مدد مل سکتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر نفسیات اور شخصیت
سے تعلق رکھنے والے مسائل کا گہرا مطالعہ مقصود ہو تو اس قسم کا بین علمی تعاون تقریباً ناگزیر ہوگا۔ سماجی

---

(1) John Gillin · Methodological Problems in the Anthropological
Study of Modern Culture. American Anthropologist [illegible]
[illegible] Vol. 51 [illegible] PP 392 – 399

شماریات، علم زراعت اور معاشیات کے ماہرین مختلف طریقوں سے اس قسم کی تحقیق کی منصوبہ بندی اور عمل آوری میں مدد کر سکتے ہیں۔

ذیلی ثقافتوں کے موزوں نمونوں کے مطالعہ نیز سماج کی قدروں اور برتاؤ کے نمونوں میں تغیر کے حدود کے خاطر خواہ مطالعہ کے لیے تربیت یافتہ مفتشوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تجویز پہلے ہی کی جا چکی ہے کہ ایسی تحقیق میں مختلف ثقافتی پس منظر نیز اسی کمیونٹی سے تعلق رکھنے والے کارکنوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے کیونکہ ان کی مدد سے مفروضی نتائج اخذ کرنے اور اس کی تشریح کرنے میں بہت سہولت ہوتی ہے۔

ہندوستان میں جہاں زندگی کے طریقوں اور افکار میں بہت تیز رفتار سے تبدیلیاں ہو رہی ہیں ایسی کمیونٹی تحقیقات کی بڑی تعداد میں ضرورت ہے۔ جن کا تعلق ملک کے مختلف قبائلی دیہی اور شہری علاقوں سے ہو۔ آئندہ نسلوں کی ہم پر یہ ذمہ داری ہے کہ ہم ان کے لیے موجودہ زندگی اور ثقافتوں کا مکمل مواد محفوظ کر لیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے تاریخی اور ثقافتی دلچسپی کے لیے ایسے مطالعے کیے جانے چاہئیں۔ لیکن خود ہمارے زمانہ میں اس کی اہمیت اور زیادہ ہے کیونکہ ملک اہم ٹیکنالوجی کے تغیرات سے گزر رہا ہے اور ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان تغیرات کے انسانی مضمرات کا جائزہ لیں اور اس سے نتائج نکالیں۔ ہمیں یہ لاجواب موقع حاصل ہے کہ ہم موجودہ سماج کا ایک قبل معالجی (Pre Clinical) مطالعہ کریں اور اس کے بعد اس پر واقع ہونے والے ٹیکنالوجی کے اثرات کا بعد میں جائزہ لیں۔ سماجی عالم اپنی تحقیق کی مکمل رپورٹ کے ذریعہ سماجی منصوبہ بندی میں گرانقدر مدد کر سکتا ہے اور جیسے جیسے اس تحقیقی مواد میں اضافہ ہوگا نظریاتی حیثیت سے دوسرے گہرے مسائل کا تجزیہ ممکن ہوگا۔ فی الحال کمیونٹی ریسرچ میں بنیادی وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ جہاں تک ممکن ہو ہر تمدنی خطہ میں ایک یا زائد گاؤں کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ کسی نمائندہ چھوٹے قصبہ اور ان ذاتی تعلقات کے ڈھانچہ میں دو یا تین ذاتوں کے مطالعہ کی ضرورت ہے بعد ازاں مخصوص مسائل کی مزید تحقیق کی جا سکتی ہے جیسے خاندان اور رشتے قیادت اور اقتدار کا استعمال سماجی درجہ بندی، سماجی تبدیلی اور شخصیت کی تحقیق وغیرہ۔ ابتدائی تحقیقات سے زیادہ سے زیادہ امکانی مفروضات قائم کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن مستقل نظریاتی تحقیق کے لیے ہمیں موجودہ فیلڈ ریسرچ کی ٹیکنک کی مدد سے مزید مواد جمع ہونے تک انتظار کرنا پڑے گا۔

یہ کتاب حیدرآباد سٹیٹ کے ایک موضع شامیر پیٹھ کا سرسری مطالعہ ہے۔ اور عثمانیہ یونیورسٹی کے سوشل سروس ایکسٹنشن پروجیکٹ کی کوشش کا نتیجہ ہے جس کا کیونٹی پلان شعبہ سماجیات اور انسانیات کا تیار کردہ ہے۔ ماہرین تعلیم اور قومی لیڈروں کے اس مطالعہ کی بنا پر کہ یونیورسٹی کے طلبا اور مدرسین کو ملک کی حقیقی دیہاتی زندگی سے ربط قائم رکھنا چاہیئے، سوشل سروس ایکسٹنشن پروجیکٹ کا قیام عمل میں آیا۔ شامیر پیٹھ کا انتخاب اس لیے کیا گیا کہ یہ موضع، شہر حیدرآباد سے زیادہ دور نہیں ہے اور نہ اتنا قریب ہے کہ اس کو حیدرآباد کا نواحی علاقہ کہا جاسکے۔ علاقائی مواضعات میں بلحاظ آبادی و وسعت نہ زیادہ بڑا ہے نہ زیادہ چھوٹا۔ حیدرآباد کے تلنگانہ علاقہ میں ذات پات کے اعتبار سے بھی اس کو ایک نمائندہ کہا جاسکتا ہے۔ یونیورسٹی کے چھ شعبوں، آرٹس، زراعت، علم حیوانات اور جانوروں کی پرورش، طب، انجینیرنگ اور تعلیم میں سے ہر شعبہ کا ایک نمائندہ اور دو یا زیادہ پوسٹ گرائجویٹ یا سینئر طلبا شریک کیے گئے تھے۔ ان شعبوں کے ہر اکائی کی یہ ذمہ داری تھی کہ اپنے مخصوص حلقہ کار میں اپنی فنی صلاحیتوں کے مطابق سماجی خدمات انجام دیں۔ منظور شدہ اسکیمات مثلاً طبی امداد، زراعت کے جدید طریقوں اور تحفظ حیوانات نیز تعلیم بالغان، تہذیبی پروگرام، دیہی صفائی اور مکانات میں روشنی اور ہوا کی بہتر سہولتوں کے لیے رقمی گنجائش فراہم کی گئی تھی۔ شعبہ آرٹس کی طرف سے انسانیات کے پوسٹ گرائجویٹ طلبا اور تربیت یافتہ ریسرچ معاون بھیجے گئے تھے۔ اور اس شعبہ کی یہ بنیادی ذمہ داری تھی کہ وہ سماجی اور معاشی اعتبار سے گاؤں کا مطالعہ کریں۔ دوسری اکائیوں کے مطالعہ کا دائرہ ان کے شعبہ کے اعتبار سے تھا۔ اور جیسے جیسے ان کو تحقیق کے کام دیئے جاتے تھے وہ اس میں مدد دیتے تھے۔ میرے ذمہ تحقیق اور سماجی خدمت کے پروگرام دونوں ہی کی نگرانی تھی۔ اگرچہ ہر شعبہ بڑی حد تک اپنے فلاحی میدانوں میں مختار تھا لیکن دوران تحقیق ہر مرحلہ پر میرا اس سارے پروگرام کی منصوبہ بندی، ہدایت اور عمل آوری سے تعلق تھا۔ تمام مذکورہ جاتی ٹیموں نے اس گاؤں میں دو گرمائی چھٹیوں میں جن کا جملہ عرصہ بیس ہفتوں کا تھا، کام کیا۔ اور انسانیات کی ٹیم اس گاؤں سے پورے ایک سال تک ربط میں رہی۔ مختلف مراحل پر اس کی وسیع ٹیم میں تین خواتین شریک رہیں۔ جن میں ایک ڈاکٹر، ایک سماجیات داں جن کا تعلق مسلم کمیونٹی سے تھا تاکہ وہ پردہ نشین مسلم خواتین میں کام کرسکیں اور ایک لڑکی خاتون جو نفسیات اور انسانیات میں تربیت یافتہ تھیں اور جن کی حیثیت اس ٹیم میں مہمان کی تھی۔

انسانیات کی یونٹ میں پانچ اراکین تھے۔ جن میں سے ہر ایک کو انسانیات میں پوسٹ گرائجویٹ تربیت

حاصل تھی۔ ان میں سے چار مقامی زبان سے واقف تھے اور انھوں نے کئی برس حیدر آباد کے تلنگانہ علاقے کے دیہاتوں میں گزارے تھے۔ ان میں سے تین اراکین اس سے قبل فیلڈ ورک کے عملی میدان میں تربیت حاصل کر چکے تھے۔ چونکہ یہ سب پیدائشی طور پر ہندو تھے اس لیے ہمیں ایک خاتون لکچرر کی خدمات حاصل کرنی پڑیں جنھیں سماجیات میں تربیت حاصل تھی۔ تاکہ وہ مسلمان خواتین میں کام کر سکیں۔

ابتدا میں گاؤں والوں کا ردعمل سرد مہری پر منحصر تھا۔ کچھ دنوں تک ہم کو مشنری یا تبلیغی لوگ سمجھا جاتا رہا۔ اور بعد میں ہمیں حکومت کے ایجنٹ سمجھا گیا جن کا مقصد ان کی نظر میں گاؤں میں کمیونسٹ مخالف پروپیگنڈہ کرنا تھا۔ بعض اعلیٰ ذات کے ہندوؤں نے سمجھا کہ ہمارا مقصد نچلی ذات کے اچھوتوں کو ان کے خلاف بغاوت کے لیے اکسانا ہے۔ لیکن ہمارے وسائل خصوصاً ہمارے شامیانے، برتن، بالٹیاں اور بسوں کا ان پر کافی اثر پڑا۔ اعلیٰ عہدہ داروں کے تعاون کی وجہ سے گاؤں کے لوگوں کی نظروں میں ہمارے لیے ایک مقام پیدا ہوا۔ اور ان میں بہت سے ایسے لوگ جو شہر کو گئے اور وہاں اپنے تعلیم یافتہ رشتہ داروں سے ہمارے بارے میں دریافت کیا تو واپس آنے کے بعد ہمارے مقاصد سے وہ کافی مطمئن ہو گئے۔

لیکن ان سب سے بڑھ کر طبی یونٹ کا شاندار کام تھا جس نے کمیونٹی سے حقیقی ربط پیدا کیا۔ نیز زراعتی شعبہ کے ہمدردانہ فلاحی کاموں، علاج حیوانات اور شعبہ تعلیم کی خدمات کی وجہ سے لوگوں سے قریبی تعلقات قائم کرنے میں مدد ملی۔ ہماری موجودگی سے انھیں کافی فائدہ ہوا۔ پہلے دو مہینوں میں طبی یونٹ نے (390) لوگوں کا علاج کیا۔ زراعت اور علاج حیوانات کے شعبوں کی طرف سے بہت سے مفید مظاہرے کیے گئے۔ جنھوں نے ترکاریوں کے بیج، ثمر آور پودے اور جدید کیمیائی کھاد بھی تقسیم کیں۔ تعلیم بالغان کے مرکز نے بہت سے دیہاتیوں کی توجہ پائی۔ لائبریری اور ثقافتی پروگرام مقبول ہوئے۔ انجینئرنگ کے شعبہ نے گاؤں میں غلاظت کے لیے گڑھے کھودے۔ گاؤں کے کنوؤں کو بہتر بنایا اور کئی شیشے کے بغیر دھوئیں کے چولھے تعمیر کیے۔ ان تمام کاموں کی وجہ سے لوگوں کے رویہ میں قابل لحاظ تبدیلی ہوئی۔ ابتدا میں جو لوگ انسانیاتی تحقیق کر رہے تھے ان کو ناپسند کیا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ ان کو متجسس لیکن باہر سے آئے ہوئے دوست سمجھا جانے لگا۔ چند دنوں میں یہ حالت اور بہتر ہو گئی۔ ہم نے کبھی سیاست اور مذہب پر گفتگو نہیں کی۔ اور نہ ہی پروپیگنڈہ یا اصلاح کی کوشش کی گئی۔ نیز شہری زندگی کی برتری یا دیہی طریقوں کی تضحیک۔ ہم نے اپنے رویہ میں نہ آنے دی۔ نتیجۃً ابتدائی بے تعلقی گرمجوشی اور دوستی میں تبدیل ہو گئی اور اس مرحلہ پر ہم نے اپنی انسانیاتی تحقیق میں تیزی پیدا کی۔ سب سے پہلے کمیونٹی کی ایک عمومی سماجیاتی مردم شماری کی گئی اور اس کے بعد مخصوص

مسائل کی تحقیق شروع ہوئی۔ تفصیلی تحقیق کے مقصد کے لیے 120 خاندانوں کا نمونہ چنا گیا جو تمام ذاتوں، معیارِ آمدنی، تعلیم اور شہری تعلقات پر مشتمل تھا۔ 11 مکمل سوانح حیات کے علاوہ 50 لوگوں کی داستانی اور مخصوص موضوعات پر مشتمل زندگی کی تفصیلات کے بارے میں مواد جمع کیا گیا۔ یہ تحقیقات متعدد بے تکلف انٹرویو کے ذریعہ کی گئیں جن پر صرف تحریری مسائل میں کنٹرول کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ شرکیاتی مشاہدہ کے طریقہ کو بھی دوسرے عام انسانیاتی طریقوں کے ساتھ استعمال کیا گیا۔ سوانح عمریوں سے میں شخصی تعلقات اور رجحانات کا بیشتر مواد حاصل کیا گیا جس میں سے اس کتاب میں بیشتر حصے کے ترجمے بیان کرنے والوں کے اصلی الفاظ کے ذریعہ پیش کیے گئے ہیں۔ گاؤں کے سارے موجودہ ریکارڈ کا بغور مطالعہ کیا گیا اور جہاں تک ممکن ہو سکا اس میں احتیاط برتی گئی کہ مواد صحیح ہو۔ دوسرے شعبوں کی تحقیقی رپورٹ مثلاً 1200 لوگوں کا طبی معائنہ، غذا اور غذائیت کا سروے، گاؤں کی زراعت اور اس کے مسائل کا سروے، جانوروں کی دیکھ بھال اور اُن کی صحت کا سروے وغیرہ کا مطالعہ اس رپورٹ کی تیاری کے وقت استفادے کیا گیا۔ اور انھیں موزوں موقع پر استعمال کیا گیا لیکن توقع ہے کہ ان میں سے زیادہ تر علیحدہ طور سے پیشہ ورانہ جرائد میں شائع کی جائیں گی۔

اس کتاب میں میرا مقصد ایک ہندوستانی گاؤں کی زندگی کے چند پہلوؤں کی ذہنی اور واضح تصویر پیش کرنا ہے۔ چونکہ یہ امید ہے کہ اس کتاب کو سماجی انسانیات والے، سماجیات والے اور دوسرے لوگ پڑھیں گے اس لیے میں نے کوشش کی ہے کہ اس کا اندازِ بیان کافی عام فہم رہے۔ چونکہ ہمارے پراجیکٹ کو ہندوستانی صحافت میں کافی تشہیر حاصل ہو چکی تھی اس لیے ہم اس گاؤں کے نام کو کسی فرضی نام کے تحت چھپا نہ سکے۔ اس کی وجہ سے اس کی پیشکش میں بہت سے مسائل درپیش ہوئے۔ گاؤں کے لوگ اس پر کافی فخر کرتے ہیں اور حساس ہیں۔ اور ان میں سے بہت سے یہ پسند نہیں کریں گے کہ مذکورہ واقعات کے ذریعہ انھیں پہچانا جا سکے۔ اگرچہ ان واقعات کا تذکرہ فرضی ناموں یا حروفِ تہجی کے تحت کیا گیا ہے۔ اس لیے بہت سے حقیقی واقعات جنھیں میں بیان کرنا چاہتا تھا، خارج کر دیے گئے ہیں۔ نیز ضروری قانونی الجھنوں سے بچنے کے لیے میں نے دو ایک باتوں کو بالواسطہ طور سے پیش کیا ہے لیکن بعض حقائق کا پیش کرنا ضروری تھا اور یہ کام میں نے خلوص اور نیک نیتی سے کیا ہے اور امید کرتا ہوں کہ گاؤں کے لوگ مجھے سا[illegible] سمجھیں گے۔ اگرچہ یہ کتاب اعداد و شمار کی تحقیقی بنیادوں پر نہیں ہے پھر بھی تحقیق کے دوران اعداد و شمار کا کافی خیال رکھا گیا ہے۔ اس کتاب کے کئی مقامات پر جس سے ممتاز نمونوں اور مخصوص [illegible] پیش نظر رکھا ہے۔ اگرچہ ان سے اعداد و شمار [illegible] بنیادوں کے [illegible] پیش نہیں کیا گیا ہے۔

میرا یقین ہے کہ نظریاتی مباحث کو اس کتاب کے مقابلے میں اور زیادہ اور وسیع پیمانہ کی تحقیقات پر ہونا چاہیئے۔ اسی سلسلے میں میں نے ایسا بہت سا مواد محفوظ کر رکھا ہے جس کی مدد سے نظریاتی تشریحات کی جا سکتی ہیں، جو بعد میں دوسری وسیع تر اور تقابلی تحقیقات کے لیے کارآمد ہوں گی۔ ذات پات، رشتہ داری نسبتی تنظیم، سماجی درجہ بندی، تجارت اور اقتدار کا استعمال وغیرہ کے مسائل پر زیادہ مکمل طور پر آئندہ دوسرے فیلڈورک کی بنیادوں پر روشنی ڈالنی ممکن ہوگی اور اس قسم کے کام امید ہے کہ حیدرآباد کے دوسرے دیہی معاشروں میں کیے جائیں گے۔

باب اوّل

پس منظر

(1) محلِ وقوع

ہندوستان میں سطح مرتفع دکن پر شہر حیدرآباد اور سکندرآباد سے (۱۵) میل کے فاصلہ پر شاہ میرپیٹھ نامی ایک گاؤں واقع ہے۔ تہذیبی اعتبار سے یہ علاقہ تلنگانہ میں واقع ہے جو آندھرا پردیش کی وسیع ثقافت کا ایک حصہ ہے۔ تلنگانہ زرخیز کھیتوں اور بے آب و گیاہ چٹانوں کا ملک ہے جہاں متاور تالاب اور جھیلیں ہیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ اس خطہ میں بیس ہزار سے زیادہ تالاب اور جھیلیں ہیں جو بیالیس ہزار مربع میل سے زیادہ رقبہ گھیرے ہوئے ہیں۔ شاہ میرپیٹھ ان میں سے ایک تالاب کے کنارے اس راستہ پر واقع ہے جو حیدرآباد کے صدر مقام کو کریم نگر سے ملاتا ہے۔ کریم نگر اپنے ضلع کا مستقر بھی ہے۔

اس گاؤں کے خوبصورت مناظر سطح مرتفع دکن کی خصوصیات کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس کی مٹی کہیں کالی اور کہیں لال ہے۔ جو دھان، جوار، ارنڈ اور دوسرے قسم کے روغنی تخم، دالیں اور تمباکو اگانے کے لئے موزوں ہے۔ چٹانوں کا ایک لامتناہی سلسلہ، جس کی ساخت کنکریلی اور سنگلاخ ہے، پورے علاقہ میں پھیلا ہوا ہے۔ اونچے اونچے کھجور کے درخت شاہنشاہی شان کے ساتھ نیلگوں آسمان کے زیرِ سایہ کھڑے ہوئے ہیں۔ سدا بہار جھاڑیاں چٹانوں کو گھیرے ہوئے ہیں اور املی کے درخت آبادی کے قریب ادھر اُدھر بکھرے نظر آتے ہیں۔ شاہ میرپیٹھ کے نواح میں بارش کا سالانہ اوسط تقریباً (۲۵) انچ ہے۔ ہندوستانی معیار کے مطابق یہاں کا موسم معتدل ہے اور موسم گرما یا سرما دونوں میں شدت نہیں پائی جاتی۔ موسم گرما میں دن کسی قدر گرم ہوتے ہیں اور اکثر درجہ حرارت (۱۱۰)

تک پہنچ جاتا ہے مگر شامیں اور راتیں اکثر ٹھنڈی اور خوشگوار ہوتی ہیں۔ کبھی سرد راتوں میں درجۂ حرارت (۴۵°) تک گر جاتا ہے۔ شاہ میر پیٹھ کے نواحی علاقہ میں جنگل بہت کم ہیں تاہم گاؤں والے قریبی جھاڑیوں اور درختوں سے کچھ نہ کچھ ایندھن اور قابل فروخت معمولی اشیا حاصل کر لیتے ہیں۔ اس قسم کے علاقہ میں شکار کی کم ہی توقع کی جا سکتی ہے۔ چند ہ یا بیس میل کی دوری پر شیر کبھی کبھی دکھائی دیتے ہیں مگر تیندوے بھٹکی ہوئی بکریوں، بچھڑوں اور کتوں کی تاک میں اکثر گاؤں تک آجاتے ہیں۔ جنگلی سوروں کی بہتات ہے جو پیداوار کو کافی نقصان پہنچاتے ہیں۔ اطراف کے رقبہ میں چیتل، ہرن اکثر دکھائی دیتے ہیں۔ خرگوش جو جھاڑیوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں کبھی سدھائے ہوئے کتوں سے شکار کیے جاتے ہیں۔ گاؤں کے قریب بڑے تالاب میں جنگلی بطخیں موسم میں آجاتی ہیں۔ دیگر پرندوں میں شکار کے لیے ہریل اور تیتر شاہ میر پیٹھ کے قریب پائے جاتے ہیں۔

یہ بات تو بتائی جا چکی ہے کہ حیدرآباد اور سکندرآباد سے جو بلحاظ آبادی اور رقبہ ہندوستان کے شہروں میں چوتھے درجے پر ہے، شاہ میر پیٹھ صرف ۲۵ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ بلارم کے کنٹونمنٹ سے صرف 15 میل اور حکیم پیٹھ کے فوجی ہوائی اڈہ سے بارہ میل دور ہے۔ حیدرآباد سے کریم نگر کو جو بسیں چلتی ہیں وہ شاہ میر پیٹھ سے گزرتی ہیں۔ اور تقریباً بارہ بسیں دونوں جانب سے اس راستہ پر روزانہ گزرتی ہیں۔ لیکن اس سے یہ فرض کر لینا صحیح نہ ہوگا کہ شاہ میر پیٹھ حیدرآباد کے نواح میں شامل ہے۔ اگرچہ کہ ریاستی صدر مقام سے اس کا مستقل اور باضابطہ ربط رہتا ہے تاہم شاہ میر پیٹھ ایک الگ تھلگ گاؤں ہے جس کی اپنی تنظیم ہے۔

وسعت اور تنوع کی وجہ سے ہندوستان کا کوئی گاؤں پورے ملک کی دیہاتی زندگی کی خصوصیات کی نمائندگی نہیں کر سکتا۔ لیکن پھر بھی شاہ میر پیٹھ ان بہت سی خصوصیات کا حامل ہے جو وسط ہند اور جنوبی ہند کے دیہاتوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ سماجی، معاشی اور رسوماتی اعتبار سے ایک حد تک مکمل اکائی ہے۔ وسیع تر دیہی کمیونٹی کے اعتبار سے بھی یہ ایک حد تک خود اختیار ہے۔ اس گاؤں میں زیادہ تر وہ پیشہ ور ذاتیں شامل ہیں جو اس گاؤں کی ساخت کا جزو ہیں۔ گاؤں کی ایک نیم عدالتی کونسل ہے جس میں ہر مقامی ذات کے بزرگ اور دیگر با اثر لوگ ہوتے ہیں یہ کونسل ان سماجی اور مذہبی مقدمات کا فیصلہ کرتی ہے جو معاشرہ کے روایاتی اقدار سے تعلق رکھتے ہیں۔ گاؤں سماجی تنظیم کی اکائی کی حیثیت سے مختلف قسم کے متعدد اہم فرائض انجام دیتا ہے جو سماجی کنٹرول کا اہم ذریعہ ہوتے ہیں۔

(2) باشندے

سنہ1951ء کی مردم شماری کے مطابق شاہ میر پیٹھ کی پوری آبادی جس میں بابو گوڑہ اور نُپر پلی کی نواحی بستیاں بھی شامل ہیں' (2499) تھی اور جملہ (508) مکانات پر مشتمل تھی۔ مذہب کی بنیاد پر آبادی کی تقسیم حسب ذیل تھی :

(1) ہندو (الف) اعلیٰ ذات	1939
(ب) اچھوت یا درج فہرست ذاتیں	680
(2) مسلمان	340

شاہ میر پیٹھ کی عام زبان تلگو ہے جو تلنگانہ اور آندھرا پردیش کی خاص زبان ہے۔ اسے مشرق کی اطالوی زبان سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ اپنی نغمگی اور شیریں بیانی کے لیے معروف ہے۔ اس کا کلاسیکی اور جدید ادب بھی کافی وسیع ہے۔ تاہم تلگو بول چال کے اس طرز کی جو شاہ میر پیٹھ اور عام طور پر اس کے اطراف میں بولی جاتی ہے۔ آندھرا کے زیادہ مہذب اشخاص اس لیے مذمت کرتے ہیں کہ اس میں کرختگی ہے اور اس کا لہجہ دیہاتی ہے۔ سنہ1951ء کی مردم شماری میں اس موضع کے (2008) اشخاص تلگو بولنے والے تھے جب کہ (340) اشخاص کی زبان اردو تھی جو سنہ1948ء تک حیدرآباد کے نظم و نسق کی سرکاری زبان رہی۔ ان اعداد سے مغالطہ کا امکان پیدا ہو سکتا ہے کیوں کہ یہ صرف مادری زبان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ حقیقتاً گاؤں کے اکثر لوگ دونوں زبانیں جانتے ہیں اور وہ بھی جن کی مادری زبان تلگو ہے وہ کم از کم ٹوٹی پھوٹی اردو ضرور جانتے ہیں۔ نیز (340) اردو زبان بولنے والوں میں سے بھی تقریباً نصف کام چلانے کی حد تک تلگو سے واقفیت رکھتے ہیں۔ عمومی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ صرف مادری زبان سے واقفیت عورتوں کی حد تک محدود ہے اگرچہ ہندو اور مسلم دونوں میں سے کئی عورتیں دونوں زبانیں جانتی ہیں۔

اس طرح مذہب اور زبان کی بنا پر گاؤں کی آبادی کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ تہذیبی طور پر بھی ہندو مسلمان ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔

شاہ میر پیٹھ کے ہندوؤں کی تین بڑے حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے :-

(1) کاشتکار۔

(2) پیشہ ور فرقے ، جو آبائی حرفت اور پیشوں پر مشتمل ہیں۔ انہیں اعلیٰ ذات اور باعزت

سمجھا جاتا ہے۔

(۳) پست طبقات : جو نیچ کام اور ادنیٰ پیشوں پر زندگی بسر کرتے ہیں۔

پہلے گروہ میں ہم حسب ذیل ذاتوں کو شامل کر سکتے ہیں : ریڈی، مناری اور ان کی ذیلی تقسیمیں۔ ان گروں کو اکثر کاپو یا ندا عت پیشہ ذاتوں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ یہ لوگ اپنی گزر بسر کا بیشتر حصہ زمین جوت کر حاصل کرتے ہیں اگرچہ ان گروہوں کے افراد تجارت، سوداگری اور شہری پیشہ میں بھی ہوتے ہیں۔

دوسرے گروہ میں حسب ذیل ذاتیں شامل کر سکتے ہیں : برہمن (پروہت) کومٹی (تاجر) کمہاری (کمہار) اور گولا (چرواہے)۔ حرفی فرقہ کے پنچ برہما گروہ میں حسب ذیل پانچ شعبے ہیں داولا (بڑھئی)۔ کمماری (لوہار)۔ اسولا (سنار)۔ کاسی (انگشتیاں بنانے والے) اور کنچاری (سنگتراش) یہ اپنے آپ کو دوسروں سے علحدہ اور ممتاز سمجھتے ہیں۔ سالی (جلاہے)۔ گونڈھا (تاڑی نکالنے والے)۔ سکالی (دھوبی) اور منگالی (حجام) بھی اپنے موروثی پیشے رکھتے ہیں۔ اگرچہ ذات پات کی درجہ بندی میں ان فرقوں کے مقابلہ میں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ان کی حیثیت کسی قدر کم مانی گئی ہے تاہم یہ دوسرے طبقہ میں شامل کئے جا سکتے ہیں۔ پہلے علحدہ حیثیت رکھنے والے آدی باسی وڈر (پتھر پھوڑنے والے) اور ارکلہ (شکار کرنے اور ٹوکری بنانے والے) اب تہذیب میں بڑی حد تک ضم ہو چکے ہیں اور ان کی حیثیت کسی حد تک بدل چکی ہے اگرچہ کہ وہ اچھوت نہیں ہیں لیکن اعلیٰ ذاتوں میں ان کا مقام کمتر مانا ہے۔

شاہ میر پیٹھ میں صرف دو اچھوت یا پست ذاتیں مالا اور مدیگا ہیں۔ ان دونوں میں سے مالا اپنے کو مدیگا سے برتر سمجھتے ہیں جن کے چھونے سے وہ نجس ہو جاتے ہیں۔ بہرحال یہ چیز تو واضح ہو جانی چاہئے کہ دستور ہند نے چھوت چھات کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اچھوت ذاتیں عام کنوؤں سے پانی کھینچ سکتی ہیں اور اعلیٰ ذات کے ساتھ مفاد عامہ کی چیزوں سے بلا امتیاز استفادہ کر سکتی ہیں۔ ان کے لڑکے اب کھلے بندوں گاؤں کے مدرسہ میں شرکت کر سکتے ہیں لیکن سماجی قدامت پسندی مشکل ہی سے ختم ہوتی ہے۔ قانون سازی راتوں رات ان کے پیچیدہ اور گہرے خیالات اور برتاؤ نہیں بدل سکتی جو قدیم زمانہ سے ذاتوں کے پامال شدہ سماجی نظام کی دین ہیں۔ ذات میں ابھی تک "دروں بیاہی" کا رواج باقی ہے اور روایتی طریقے نیچ ذات کے لوگوں کے ساتھ مل جل کے کھانے کے مانع ہوتے ہیں۔ اس طرح کم از کم ان دستوروں میں اچھوت اقوام کو اپنے چھوٹے سے دائرہ میں ہنوز محدود

دیتا ہے ۔ شہر میں اعلیٰ ذات والے ان اقوام میں سے کسی شخص کی چھوت کا اب اس قدر خیال نہیں کرتے لیکن دیہات میں اب بھی ایک اچھوت اعلیٰ ذات والوں کے اتنا زیادہ قریب نہیں جا سکتا کہ لفظاً جسمانی مس سے آخر الذکر نجس ہو جائے ۔ کچھ ترقی پسند اچھوت اس پابندی کے خلاف ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنی حد بندیوں کو سمجھتے ہوئے ان قدروں کو مانتے ہیں اور روایتی اقدار اور برتاؤ سے مطابقت برقرار رکھتے ہیں ۔

تلنگانہ اور آندھرا پردیش کے لوگ اس دراوڑی بولنے والے خاندان سے ہیں جس نے جنوب میں تمدن کو بڑی ترقی دی اور جنہوں نے مادی طور پر ہندوستانی تمدن کے ارتقاء میں حصہ لیا ۔ نسلی طور سے وہ بہت سے عناصر کی نمائندگی کرتے ہیں ۔ جسمانی اعتبار سے بھی شاہ میر پیٹھ کے لوگوں میں مختلف قسموں کا پتہ چلتا ہے ۔ شاہ میر پیٹھ کے اکثر مسلمان باشندے مقامی نومسلموں کی اولاد ہیں ۔ اسلئے جسمانی خصوصیات میں وہ مقامی ہندو باشندوں سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہیں ۔ لیکن وہ چند پردیسی جن کی گنتی ماضی قریب میں ہوئی ہے ان کے نازک خد و خال اور صاف رنگ سے نمایاں فرق ظاہر ہوتا ہے ۔

لباس اور زیور کے معاملے میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں کافی فرق پایا جاتا ہے ۔ مسلمان مرد اور لڑکے سفید یا چلے کپڑے کا ڈھیلا زیر جامہ پہنتے ہیں جسے پاجامہ کہتے ہیں ۔ اس کے ساتھ کرتا یا قمیض ۔ گھر کے باہر یہ لوگ وہ روایتی لانب جامہ پہنتے ہیں جس میں گردن تک بٹن ہوتے ہیں ۔ اس کو شیروانی کہتے ہیں ۔ وہ عموماً لال ترکی ٹوپی یا بھیڑ کے پوست کی بنی ہوئی کالی ٹوپی پہنتے ہیں ۔ مسلمان لڑکیاں چست پاجامے اور ڈھیلی لانبی کرتیاں پہنتی ہیں جو گھٹنوں تک لانبی ہوتی ہیں ۔ نیز یہ ایک قسم کا سفید یا رنگین کپڑا پہنتی ہیں جو کندھوں سے ہوتا ہوا پیٹھ پر سے گزرتا ہے ۔ اسے دوپٹہ یا اوڑھنی کہتے ہیں ۔ تقاریب کے موقعوں پر یہ کپڑے نہایت رنگ برنگے ہوتے ہیں ۔ شادی شدہ مسلمان عورتیں عام طور پر انگیا یا چولی اور ساڑی پہنتی ہیں ۔ آخر الذکر ایک چوڑا کپڑا ہوتا ہے تقریباً پانچ یا چھ گز لمبا جو کمر کے اطراف گھیرے کے لیے اس طرح باندھا جاتا ہے کہ اس کا نچلا حصہ ٹخنے تک لانبا ہوتا ہے ۔ یہ کچھ اس طرح باندھا جاتا ہے کہ اس کپڑے کا ایک کونہ سینہ پر سے ہوتا ہوا ایک کندھے سے گزر کر گردن کے پیچھے سے دوسرے کندھے پر پہنچ جاتا ہے ۔ شادی شدہ مسلمان عورتیں اپنے مذہب کی پابندیوں کے مطابق پردہ کرتی ہیں یعنی بجز قریبی رشتہ داروں کے وہ دوسروں کے سامنے آنے سے اپنے آپ کو چھپاتی ہیں ۔ جب بھی وہ اپنے مکان کے باہر نکلتی ہیں تو وہ اس گھونگھٹ کو جسے

بوقفہ کہتے ہیں' پہنتی ہیں۔ یہ ایک ایسا جامہ ہے جو سر پر سے ہوتا ہوا زمین تک آجاتا ہے۔ بچوں کی پوشش کا طریقہ بالکل جداگانہ ہے۔ مختلف خاندانوں کی مالی حیثیت کے مدِنظر اس میں تبدیلی ہوتی ہے۔ غریب تر طبقہ والوں کے کم سن بچے ننگے رہتے ہیں البتہ کبھی کبھی ایک آدھ چیتھڑا ان کی کمر سے باندھ دیا جاتا ہے۔ اور کمسنی میں وہ ان ہی چیتھڑوں میں چلتے پھرتے ہیں۔ لڑکے جامہ' قمیض یا دھوتی پہنتے ہیں۔ لڑکیاں سایا (لہنگا) اور چولی پہنتی ہیں۔ غریب طبقہ کے یہ کپڑے زیادہ تر میلے کچیلے ہوتے ہیں کیوں کہ خریدنے کے کچھ ہی دن بعد ان کا نیا پن پھیکا پڑ جاتا ہے۔ اور اگرچہ یہ کپڑے دھوئے جاتے ہیں لیکن صابن یا سوڈا استعمال نہ کرنے سے وہ دھبہ دار اور میلے نظر آتے ہیں۔ ایسے خاندانوں میں جن کی مالی حالت بہتر ہے اور ان لوگوں میں جو کسی قدر تعلیم یافتہ ہیں یا وہ جو شہری دوستوں اور رشتہ داروں کے زیر اثر ہیں' ان کے لڑکوں کا لباس اپنی نوعیت اور صفائی میں خاصا بہتر ہوتا ہے۔ لڑکے نئے کاٹ کی قمیض اور دھوتی پہنتے ہیں اور کبھی کبھی پاجامہ بھی۔ لڑکیاں انگیا اور چولیاں پہنتی ہیں یا شہر کے بازار میں تیار شدہ یا اپنے درزیوں سے بنائے ہوئے فراک۔ مرد جامہ یا قمیض اور دھوتی پہنتے ہیں۔ با اثر اور اچھی حالت والے لوگ گھر کے باہر جانے کے وقت کوٹ پہنتے ہیں خصوصاً جب کہ شہر جانا ہوتا ہے۔ عورتیں ساڑی اور باڈی (چولی) پہنتی ہیں جن پہ کشیدہ کاری ہوتی ہے عورتیں گہرا لال' پیلا اور ہرا رنگ زیادہ پسند کرتی ہیں۔ گاؤں کی بھیڑیں چرانے والوں کا لباس کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی بکریوں اور بھیڑوں کے گلے لے کر چرانے کے لیے باہر نکلتے ہیں تو وہ ہمیشہ دیسی بنت کا کالا کمبل اپنے کندھوں پر ڈال لیتے ہیں خواہ موسم کتنا ہی گرم کیوں نہ ہو۔

تلنگانہ کے لوگ' بالخصوص عورتیں' زیورات کی بہت دلدادہ ہوتی ہیں۔ ان کی عام قسمیں دھات کی بنی ہوتی ہیں جن میں کان کے ٹاپس' کان کی بالیاں' ناک کی کیل' نتھ' ہاتھ پاؤں کی انگوٹھیاں' طوق' بازوبند اور مختلف قسم کے ہلکے بھاری ہار اور کمر میں پہننے والے پٹے شامل ہیں۔ خوش حال لوگوں میں ناک اور کان کے زیورات نیز گلے کے ہار عام طور پر سونے کے ہوتے ہیں۔ اور دیگر عورتوں کے زیورات چاندی کے۔ بہر حال بہت کم لوگ سونے جیسی قیمتی دھات کے زیورات کی استطاعت رکھتے ہیں۔ اور زیادہ تر چاندی کی چیزیں لیتے ہیں۔ ان کے باقی زیورات سستی دھات اور ملمع کے ہوتے ہیں۔ دھاتوں کے زیورات کے علاوہ تمام ہندو عورتیں' بجز بیواؤں کے' اپنی کلائیوں پر بہت سی شیشے کی چوڑیاں پہنتی ہیں۔ مسلمان عورتوں میں زیورات کی پسند

اپنے پڑوسی ہندوؤں سے مختلف ہوتی ہے۔ اور ان کے زیورات اکثر شہری دوکانوں سے آتے ہیں اور دیہی سنار کے ڈیزائن کے مطابق نہیں ہوتے۔

(3) گاؤں

شاہ میر پیٹھ بہت قدیم گاؤں نہیں ہے۔ اس گاؤں کی صحیح بنیاد کے متعلق تاریخی مواد موجود نہیں ہے لیکن پرانے لوگ اس کی گزشتہ تاریخ کے متعلق وہ معلومات رکھتے ہیں جو ان تک ان کے اجداد سے پہنچی ہیں۔ شاہ میر پیٹھ کے گاؤں کی موجودہ معروف گری اس بڑے اور خوبصورت تالاب سے ہے جو گاؤں کے شمال کی جانب تین فرلانگ پر تعمیر کیا گیا ہے اس تالاب کی تعمیر سے پہلے اس مقام پر ایک چھوٹی سی بستی تھی جو چند گھرانوں پر مشتمل تھی اور شاہ پور کے نام سے مشہور تھی۔ تقریباً تین سو پچاس سال بیشتر ابراہیم قلی قطب شاہ نے جو اس وقت حیدرآباد کا حکمراں تھا اپنی یادگار کے طور پر ایک بڑے تالاب کی تعمیر کا حکم دیا۔ اسے امید تھی کہ یہ تالاب اس کے نام سے پکارا جائے گا۔ یہ تالاب شہر حیدرآباد کو سکندرآباد سے ملاتا ہے۔ بہرحال کہانی کے مطابق لوگوں نے اسے حسین خاں انجینیر کے نام سے معنون کر دیا۔ اور اسے حسین ساگر کا نام دیا۔ اس لیے بادشاہ نے شاہ میر پیٹھ کے مقام پر ایک دوسرا تالاب بنانے کا فیصلہ کیا لیکن شاہ میر پیٹھ کے اس تالاب سے اسے پھر مایوسی کا سامنا ہوا۔ اس تالاب کے مکمل ہونے پر یہ مشہور ہے کہ بادشاہ اس مقام پر آیا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا تالاب ہے۔ لوگوں نے لاعلمی میں جواب دیا "یہ شاہ میر کا تالاب ہے" قطب شاہی حکمراں کے اس کارنامہ کا عدم اعتراف اس کو پسند نہیں آیا اس لیے اس نے ۲۵ میل کے فاصلہ پر ایک علیحدہ جگہ تیسرا تالاب تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اور یہی وہ تالاب ہے جو ابراہیم پٹن ساگر کے نام سے اس کی یادگار ہے۔ اس دوسرے تالاب نے جو شاہ پور کے نام کی بستی کے قریب تعمیر ہوا تھا اس چھوٹی سی آبادی کی قسمت بدل دی۔ جن لوگوں نے اس کی تعمیر میں کام کیا تھا اس کی بستی کے قریب میں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ چونکہ تالاب سے آبپاشی کی آسانی تھی اس لیے اور بھی بسنے والے اس طرف کھنچ آئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ یہ گاؤں کافی وسیع ہو گیا۔ چونکہ یہ شاہ میر کے تالاب سے وابستہ تھا اس لیے اس بستی کو شاہ میر پیٹھ کا نام دیا گیا جو مابعد کی تحریف میں شاہ میر پیٹھ بن گیا۔

۱۹۲۷ء میں ہز اگزالٹیڈ ہائینس نظام حیدرآباد نے (جو ۱۹۴۸ء تک حیدرآباد کے ریاستی فرمانروا رہے) اس گاؤں کو دوسرے مواضع کے ساتھ اپنے امراء میں سے فخرالملک خان خاناں مرحوم

کو بطور جاگیر (عطیہ جاگیر) دیا۔ ان کی وفات کے بعد یہ جاگیر ان کے لڑکے نواب نظام یار جنگ کے ورثہ میں آئی جنہیں نواب احسان الملک خان خانان بھی کہا جاتا تھا۔ کمال یار جنگ شاہ میر پیٹھ کے جاگیرداروں میں آخری تھے۔ انہوں نے تالاب سے ملحق موسم گرما کے لیے ایک خوبصورت مکان تعمیر کروالیا جو اب کھنڈر ہو چکا ہے۔ لیکن انہوں نے گاؤں میں دفاتر کے لیے کئی ایک عمارتیں بھی بنوائیں جن میں ڈاکخانہ، مدرسہ، پولس چوکی اور غلہ کے گودام ہیں۔ کمال یار جنگ کے انتقال کے بعد یہ جائداد کورٹ آف وارڈز کے تحت آگئی۔ اس دوران میں حیدرآباد میں بہت سی تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ ۱۹۴۸ء کے پولس ایکشن کے بعد حیدرآباد جمہوریہ ہند میں ضم ہوگیا۔ جمہوری طریقہ سلطنت کے افتتاح کے ساتھ ہی نظام کو دستوری حکمراں بنادیا گیا اور ریاست کے اندر جاگیردارانہ نظام کا طریقہ منسوخ ہوگیا۔ اس کے نتیجہ میں شاہ میر پیٹھ ضلع کے عام انتظام کے تحت آگیا۔

شاہ میر پیٹھ شمال میں حیدرآباد اور کریم نگر جانے والی سڑک سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ہے ایک کچا راستہ اس گاؤں کو بڑی سڑک سے اس جگہ ملاتا ہے جہاں سے گاؤں کے کچھ مکانات صاف نظر آتے ہیں۔ سڑک اور گاؤں کے درمیان زمین کا ایک وسیع اور کافی مسطح ٹکڑا ہے جس کے بیچ میں ایک درخت ہے اور مسلمان اسی کے اطراف اپنے مردوں کی تدفین کرتے ہیں۔ شاہ راہ سے ملنے والی جگہ پر جہاں سے گاؤں جانے کا موڑ ہے، بس کے مسافرین کے لیے بطور انتظار گاہ ایک چھوٹا بس اسٹاپ پتھر اور چونے کا بنایا گیا ہے۔ نیچے کی طرف تھوڑے فاصلہ پر شمال کی جانب محکمہ تعمیرات[1] کا ڈاک بنگلہ ہے۔ یہ حکومت کے دورہ کرنے والے افسروں کے لیے ہے۔ جسے کبھی کبھی مسافرین بھی ایک معمولی رقم ادا کرکے استعمال کرسکتے ہیں۔ شمال کی جانب آگے بڑھ کر تقریباً ڈھائی فرلانگ کے فاصلہ پر تالاب ہے جو بنجر چٹانوں اور درختوں کے جھنڈ میں ایک خوشنما منظر پیش کرتا ہے۔ سڑک اور تالاب کے درمیان گرمائی مکان کا وہ کھنڈر ہے جسے تالاب کے بند پر اس گاؤں کے آخری جاگیردار نے تعمیر کرلیا تھا۔ اپنے زمانہ میں اس جاگیردار نے اس مکان میں بجلی پیدا کرنے کی مشین، نل اور جدید ترین حفظان صحت کی اشیا نصب کرائی تھیں لیکن نواب کی وفات کے بعد ان کی طرف توجہ نہیں ہوئی اور اب یہ نہایت ویران حسرتناک لیکن رومانی ماحول پیش کرتے ہیں۔

---

(1) Public Works Department Inspection Bunglow

یہ گاؤں کسی خاص منصوبہ کے تحت تعمیر نہیں ہوا۔ بیچ میں چوڑا اصل راستہ ہے جو تقریباً ایک فرلانگ کی دوری پر بڑی سڑک کے متوازی جاتا ہے۔ جب ہم اس راستہ پر شمال کی جانب نیچے کی طرف چلتے ہیں تو ہمارے داہنی جانب چونہ اور پتھر کی متعدد عمارتیں ملتی ہیں جن میں سرکاری دفاتر ہیں اور اس کے بائیں جانب کئی چھوٹے چائے خانے اور پان کی دوکانیں ہیں۔ اس کے علاوہ داہنی جانب رہائش کے مکانات بھی ہیں جس میں تھانہ انچارج پولس کا سب انسپکٹر رہتا ہے۔ اور یہیں غلہ کا سرکاری گودام، پولس کانسٹبلوں کے کوارٹر، گاؤں کا دواخانہ، مدرسہ اور پوسٹ آفس بھی ہیں۔ اس راستہ کے داہنی اور بائیں گلیاں نکلتی ہیں۔ ان گلیوں کے ہر دو جانب اعلیٰ یا مسلم فرقہ کی رہائش کے مکانات بنے ہوئے ہیں دیشمکھ یا گاؤں کے سربراہ کا مکان سب سے پہلا ہے۔ اور یہ کچے راستہ پر داہنی جانب اس مقام پر واقع ہے جہاں شاہ راہ ملتی ہے۔ اس مکان کی چار دیواری بہت اونچی ہے جو دہیں سے حاصل شدہ پتھروں سے بنی ہے۔ اور رہائش کے مکان کے بجائے یہ ایک چھوٹا سا قلعہ معلوم ہوتا ہے۔ گاؤں کے مرکزی حصہ میں جو شاہ راہ کے ہر دو جانب پھیلا ہوا ہے کسی فرقہ کے باقاعدہ اور واضح طور پر ایسے مکانات نہیں جس میں صرف کسی ایک ہی ذات کے لوگ رہتے ہوں۔ کچھ ذاتوں میں بلاشبہ اس قسم کا رجحان پایا جاتا ہے۔ مثلاً سکالی (دھوبی)، وڈر (پتھر توڑنے والے)، گولا (بھیڑیں چرانے والے) اور کماری (رسّی کا برتن بنانے والے)، ایک قطار میں بالکل ملے ہوئے مکانات بناتے ہیں لیکن ان کے قریب ہی ذرا فاصلہ پر دوسری ذاتوں کے مکانات ہیں۔ کسی لحاظ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خاص اعلیٰ ذات کے افراد کسی علیحدہ بستی میں رہتے ہیں اور نہ کوئی ایک ذات صاف طور پر کسی مخصوص رقبہ پر بلا شرکت غیرے قابض ہے۔ بہت سی صورتوں میں لوگ اپنی ذات کے بلاک یا قطار سے باہر رہتے ہیں۔ اعلیٰ ذات والوں کے مکانات اس قدر قریب بنے ہوئے ہیں کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکان بنانے کے لیے جگہ کی پسند میں ذات کا امتیاز مادی طور پر ان کے پیش نظر نہیں رہا۔ ایک ہندو ایک مسلم کے بالکل قریب پڑوس میں رہ سکتا ہے اور اکثر لوگ جو بالکل مختلف ذاتوں کے ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ابتداء میں کسی معینہ مقام پر بستی کی مختلف ذاتوں کے لوگوں نے اپنے لیے مکانوں کی مختلف قطاروں کا انتخاب کر لیا ہو اور بعد کے آنے والوں کو اپنی ذات والوں کی قطار میں مکان بنانے کی جگہ ملی یا نہیں اور ٹکڑا تلاش کرنا پڑا۔ بہر حال کچھ ایسی ذاتیں بھی ہیں جو علیحدہ بستیوں میں رہتی ہیں جسے واڑہ (Wada) کہا جاتا ہے۔ مشرقی جانب زمین کا ایک تنگ ٹکڑا اصل آبادی کو مالاواڑہ (Mala wada)

سے جو اچھوت مالا کی بستی ہے جدا کرتا ہے۔ مشرق کی طرف اور آگے بڑھ کر زمین کا ایک اور تنگ ٹکڑا ہے جو مدیگا کی بستی مالا کے مکانوں سے جدا کرتا ہے۔ ان دونوں گروہوں سے بالکل مختلف اصل گاؤں کے شمال مشرقی جانب ارکالاشکادیوں کی ایک چھوٹی بستی ہے جس کی گول چھوٹی جھونپڑیاں گاؤں کے دوسرے تمام مکانوں سے بالکل مختلف طرز پر ایستادہ نظر آتی ہیں۔

یہ بات تو پہلے ہی بتائی جا چکی ہے کہ اس گاؤں میں ایک مدرسہ، ایک دواخانہ، ایک ڈاکخانہ اور ایک پولس چوکی ہے۔ بزمانہ موجودہ مدرسہ ایک غیر موزوں مکان میں ہے وہ چھوٹے سے جو دالان میں پانچ جماعتیں ہوتی ہیں جس کے لیے صرف دو مدرسین ہیں۔ یہ اردو، تلگو پڑھاتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ پرائمری کے باقی مضامین بھی پڑھاتے ہیں۔ اب تمام ذاتوں کے بچے مدرسہ جاتے ہیں اور اچھوت طالب علموں کو داخلہ دینے کے خلاف قدیم سے جو تعصب تھا وہ اب دم توڑ رہا ہے۔ حالیہ برسوں میں کچھ مالا اور مدیگا کے لڑکوں نے مدرسہ میں داخلہ لیا مگر ان میں سے اکثر کی حاضری صرف برائے نام تھی۔ وہ مسلسل مدرسہ جانے سے ایسا جی چراتے کہ انہیں کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا اور بالآخر مدرسہ جانا بالکل بند کر دیا۔ مدرسہ میں تعلیمی سامان غیر تشفی بخش ہے۔ صرف کچھ ناقص فرنیچر، چند خاکے اور نقشے اور ایک تختہ سیاہ موجود ہے۔ ماسٹر صاحب چھڑی اب بھی استعمال کرتے ہیں اور غالباً دیگر وجوہ کے غالباً اس چیز سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ چھوٹی جماعتوں کے لڑکوں اور ان کے والدین میں مدرسہ سے دلچسپی کا فقدان ہے۔

دواخانہ ایک چھوٹے حجرہ اور اس کے سائبان میں ہے اور عمارت کا باقی حصہ طبی عہدہ دار کی رہائش کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ چھوٹا سا دواخانہ وہاں کے جاگیرداروں میں سے ایک نے قائم کیا تھا۔ اس کے لیے طبی عہدہ دار یکے بعد دیگرے آتے رہے جن کے پاس اس پیشہ کے لیے کوئی سند نہ تھی۔ موجودہ شخص بھی باقاعدہ طور سے سند یافتہ نہیں ہے کیوں کہ طب کا اس کے پاس اجازت نامہ بھی نہیں ہے۔ اس کو 45 روپے ماہانہ ملتے ہیں۔ اور محکمہ طب حکومت حیدرآباد سے تھوڑی سی دوائیں فراہم کی جاتی ہیں شہروں سے تعلقات قائم ہو جانے کے باعث گاؤں والوں کا انجکشن کی طرف رجحان بہت بڑھ گیا ہے۔ کیوں کہ ان کو توقع ہے کہ اس کا اثر جادو کی طرح ہوتا ہے اور یہ تیزی کے ساتھ ان کی ساری بیماریوں کو یقینی طور پر دور کرے گا۔ طبی عہدہ دار اگرچہ انجکشن دینے کا مجاز نہیں، تاہم اپنی مختصر سی خانگی پریکٹس میں یہ بھی کر لیتا ہے۔ لوگ دواخانے کو عام قسم کی تکالیف کے علاج کے لیے ہی جاتے ہیں۔ مثلاً خارش، کھانسی اور ملیریا۔ چونکہ مناسب

طبی آلات نہیں ہیں اور نہ یہاں کا طبی معالج سند یافتہ ہے اس لیے شاہ میر پیٹھ کے دواخانہ پر
مریضوں کا بہت کم رجوعہ ہوتا ہے۔ اس دواخانہ کے علاوہ گاؤں کے کئی ایک بڑے بوڑھے ہیں
جو ہندوستانی دیسی طریقہ کی ادویہ جڑی بوٹیوں سے تیار کر کے دیتے ہیں۔ جادو اور عملیات بھی لوگوں
کے تمام طبقوں میں بڑی حد تک دخل رکھتے ہیں۔ لوگ اکثر کہتے ہیں کہ جہاں جڑی بوٹیاں اور
دوائیاں اثر نہیں کرتیں وہاں جھاڑ منتر دعا اور سحر سے ناکامی نہیں ہوتی۔ واقعتاً کچھ اقسام کے امراض
اور مشکلات کے لیے غیبی مدد ہی کو صحیح طرح کا علاج سمجھا جاتا ہے۔ مگر اس بات کا اظہار بھی ضروری
ہے کہ شہروں سے بڑھتے ہوئے تعلقات اور تعلیمی اثرات سے لوگوں کی نظروں میں جدید ادویہ کی قدر
کافی بڑھ چکی ہے اگرچہ کچھ لوگ اب بھی طاعون اور ہیضہ کا ٹیکہ لینے سے ڈرتے ہیں کیونکہ ان سے
درد اور بخار ہوتا ہے لیکن اب حقیقی طور پر ٹیکہ لینے سے اختلاف باقی نہیں رہا۔ گاؤں کے کچھ لوگ ان
سند یافتہ ڈاکٹروں سے استفادہ کرتے ہیں جو سکندرآباد اور حیدرآباد میں طبابت کرتے ہیں اور چند
مشکل اور دائمی امراض کے طویل علاج کے لیے باقاعدہ آلات رکھنے والے اسپتالوں کو بھی جاتے ہیں۔
تاہم آبادی کے بڑے حصہ کے لیے معمولی شکایتوں کا علاج صرف سستی جڑی بوٹیوں اور دیسی نسخوں سے
ہوتا ہے جو وہیں مل جاتے ہیں۔

شاہ میر پیٹھ اور اس کے بہت سے ملحقہ مواضع کے لیے مقامی ڈاکخانہ کا کام گاؤں کا ایک
اسکول ماسٹر انجام دیتا ہے۔ دیہاتوں میں ڈاک کی تقسیم کا طریقہ نہایت ناقص ہے گاؤں کے لیے جو
ڈاکیہ ہوتا ہے وہ اکثر اپنی باری پوری کرنے کے لیے ایک مہینہ یا اس سے زیادہ مدت بعد گاؤں کا
چکر لگاتا ہے۔ جو لوگ ڈاکخانہ کو خط لینے کے لیے آتے ہیں ان کو عام طور پر خطوط دست بدست
دیے جاتے ہیں یا خطوط تقسیم کرنے کے لیے اسی گاؤں کے ان لوگوں کے سپرد کر دیے جاتے ہیں جو اتفاقاً
ڈاکخانہ کو آ جاتے ہیں۔

شاہ میر پیٹھ میں پولس کا تھانہ ایک سب انسپکٹر کے تحت ہے۔ اس تھانہ میں دو ہیڈ
کانسٹبل اور بارہ کانسٹبل ہیں۔ یہ جمعیت ان مواضعات میں نظم و ضبط قائم رکھنے کی ذمہ دار ہے جو
اس کے دائرہ اختیار میں ہیں۔ پولس والے مشتبہ لوگوں پر نظر رکھتے ہیں۔ گاؤں کی پاسبانی کا باقاعدہ
انتظام کرتے ہیں اور متعلقہ عہدہ داروں کے توسط سے دیہی ترقی کی معلومات رکھتے ہیں۔ ان کے
سرکاری کاغذات میں پیدائش اور اموات کا اندراج ہوتا ہے جس کی اطلاع گاؤں کے باشندوں پر
دینا لازمی ہے۔

چونکہ تالاب گاؤں سے ایک میل سے زیادہ فاصلہ پر ہے اس لیے لوگ گھریلو ضروریات کے لیے کنویں کا پانی استعمال کرتے ہیں۔ کنوؤں کے معاملہ میں شاہ میر پیٹھ بدقسمت رہا ہے گاؤں کی حدود میں کل ۳۰ کنویں ہیں لیکن صرف تین میں سے اچھا اور پینے کے قابل پانی نکلتا ہے۔ باقی تمام کا پانی کھارا اور بدمزہ ہے۔ اس لیے زیادہ تر لوگ میٹھا پانی پینے اور کھانا پکانے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور کپڑے اور گھریلو برتن کھارے پانی میں دھوئے جاتے ہیں۔ مالا اور مدیگا کے بیرونی ٹھکانے اس لحاظ سے زیادہ خوش قسمت ہیں کیونکہ ان کے کنویں ان کی متعلقہ بستیوں سے تقریباً نصف میل پر واقع ہیں جن سے میٹھا پانی نکلتا ہے۔ گرمی کے مہینوں میں اس گاؤں میں اکثر پینے کے پانی کی بڑی قلت ہو جاتی ہے۔ اور ایسے وقت پر عورتوں کی بہت بڑی تعداد اس کنویں پر جس میں پینے کا پانی ہوتا ہے' جمع ہو جاتی ہے اور پنے بے شمار پیتل اور مٹی کے برتنوں کو بھرنے کے انتظار میں کھڑی رہتی ہے۔ یہ وقت جو مجبوراً انتظار کا ہوتا ہے گپ بازی' اِدھر اُدھر کی خبروں اور اکثر تازہ ترین افواہوں میں صرف ہوتا ہے۔

گاؤں کی صفائی یعنی مدیگا کی ذمہ داری ہے جن کا آبائی پیشہ راستے اور گلیوں کو صاف کرنا ہے۔ اس خدمت کے بدلے میں حکومت ان کو بغیر لگان کی تھوڑی سی زمین زراعت کے لیے دیتی ہے۔ اس کے علاوہ ہر مکان کی عورتیں گلی کے اس حصہ کو جو بالکل ان ہی کے مکان کے سامنے ہوتا ہے۔ ہر روز صبح کو جھاڑتی ہیں۔ اس پر پانی چھڑکتی ہیں یا ایسا پانی چھڑکتی ہیں جس میں گوبر ملا ہوتا ہے۔ اور دروازہ کے متصل حصہ زمین کو باجرہ یا چاول کے آٹے سے مختلف نقوش کے ذریعہ سنوارتی ہیں۔ مگر اس کے باوجود گلیاں ہمیشہ صاف نہیں رہتیں۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ یعنی مدیگا گاؤں کو پابندی سے صاف نہیں کرتے اور عورتیں گھر کا کام ختم کر لینے کے بعد اکثر کچرا عام راستہ پر پھینک دیتی ہیں۔ تیسرے یہ کہ بہت کم لوگوں کے گھروں میں بیت الخلاء ہیں اور جن کے پاس ہیں وہ بھی اپنے بچوں کو راستے کے ایک جانب پاخانہ کراتے ہیں۔ ابکالا ذات کے پلے ہوئے سور اور کتوں کی بڑی تعداد بھنگی کا کام اچھی طرح انجام دیتے ہیں اور گاؤں کو صاف رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔

(4) مکانات

شاہ میر پیٹھ کے مکانات کو تین بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) بھونتی (Bhuwanti) (۲) پکھرتو (Prakutee) (۳) گھرکی (Gwhe) ؎

(۱) بھونتی (Bhuwanti) : یہ بڑا مکان ہوتا جسکی دیواریں پتھر کی اور چھت کھپریل کی ہوتی ہے۔ یہ عام طور سے کمپونڈ سے گھرا ہوتا ہے۔ اس میں بالعموم پانچ چھ کمرے ہوتے ہیں۔ ایک خاتون آئی آئی ایس کے مکان کا حسب ذیل بیان جو اپنے جوار میں کافی با اثر اور اچھی بڑی جائداد رکھتی ہے، اس قسم کے مکان کا خاکہ سمجھنے کے لیے کافی ہوگا۔ جب چار دیواری کے گیٹ سے داخل ہوتے ہیں تو ایک کشادہ صحن ملتا ہے۔ اس صحن کے ایک جانب مویشیوں کا سائبان ہے جس کا ایک حصہ سامان رکھنے کے لیے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ جس میں گوبر کی اپلیاں ہوتی ہیں۔ دروازہ کے بالمقابل دوسرے صحن کے متوازی مکان کی پوری لمبائی کا ایک دالان ہے اس دالان کے ایک سرے پر ایک چھوٹا سا کمرا ہے جس میں زراعت میں استعمال ہونے والے آلات رکھے جاتے ہیں۔ گھر کا صدر دروازہ ایک اندرونی صحن تک لے جاتا ہے۔ بیچ میں پتھر کی سل سے بنا ہوا ایک گڑھا ہے جسے چوک کہتے ہیں۔ اسے خالی اور صاف کیا جا سکتا ہے اور یہیں چھوٹی چھوٹی چوکیوں پر بیٹھی ہوئی گھر کی عورتیں نہاتی ہیں۔ اندرونی صحن تین جانب کمروں سے گھرا ہوتا ہے۔ ایک طرف دو ملحقہ کمرے ہیں۔ پہلا کھانے کا اور دوسرا پکانے کا۔ اس کے بالمقابل اندرونی صحن کی پوری لمبائی میں ایک لمبا کمرہ ہے۔ ساتھ ہی مکان کے صدر دروازہ کے بالمقابل اندرونی صحن کے مقابل اس کمرہ کا دروازہ ہے جس میں غلہ اور گھریلو قسم کی چیزیں رکھی جاتی ہیں۔ آخری سرے پر ایک مختصر سا کمرہ ہے جہاں خاندانی دیوتا اور دیویوں کے بت رکھے جاتے ہیں۔

اگرچہ اس قسم کے رہائشی مکان کے اندر کہیں کہیں کچھ تھوڑی بہت تبدیلیاں بھی دیکھی گئی ہیں لیکن ان کی تعمیر کا اصول عام طور پر ہر جگہ ایک ہی ہے۔ دیواریں مقامی پتھروں سے بنائی جاتی ہیں جو سستے داموں مل جاتا ہے۔ دروازہ اور چوکھٹ مقامی بڑھئی بناتا ہے جس کا باہری حصہ ساختی نمونوں کی نقاشی سے آراستہ ہوتا ہے اور کہیں کہیں اس پر انسانی یا حیوانی شکلیں بھی ہوتی ہیں۔ دیواروں پر مٹی کی استرکاری ہوتی ہے۔ تقریباً تمام کمروں کا فرش مٹی کا ہوتا ہے اور چھتیں ہمیشہ کھپریل کی۔ بھونتی قسم کا مکان بالعموم کاشتکاروں کا نیز ایسے بضاعت والوں کا ہوتا ہے جو پیشہ ور ذاتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگرچہ کاشتکار اور تاجر پیشہ مسلمانوں کے مکانات نیز ان ہندوؤں کے جو شہر سے تعلق رکھتے ہیں، عام لحاظ سے بھونتی طرز جیسے ہوتے ہیں لیکن ان میں کچھ ایسی جدتیں نظر آتی ہیں جو ظاہراً شہری اثرات کا نتیجہ ہیں۔ ایسے مکانوں کی دیواروں پر چونہ گلی ہوتی ہے اور ان کا فرش

پتھر کا ہوتا ہے اور بہت سے لوگوں کے ہاں بالخصوص مسلمانوں میں پیچھے کے حصہ میں بیت الخلاء کا گڑھا ہوتا ہے۔ دیوار کے بیرون کی زیبائش بکثرت ایسے نمونوں پر مشتمل ہوتی ہے جو شہر سے نقل کیے جاتے ہیں۔

اس قسم کے مکان میں فرنیچر بہت مختصر ہوتا ہے۔ کچھ مکانات میں چند سخت چوبی کرسیاں ہوتی ہیں، بھدی بنچ اور تپائیاں یا شاید تہہ ہونے والی کرسیاں جس میں بیٹھنے کے لیے کینوس ہوتی ہے۔ فرنیچر میں ان کی پسندیدہ چیز لکڑی کا تخت ہوتا ہے جو ایک بڑا لکڑی کا مستطیل نما چار پائے رکھنے والا چبوترہ جیسا ہوتا ہے۔ یہ تقریباً دو فٹ اونچا ہوتا ہے اور اس پر چار سے آٹھ اشخاص تک بیٹھ سکتے ہیں۔ فرنیچر کی دوسری چیز جو گاؤں میں عام طور پہ پائی جاتی ہے وہ پلنگ ہے جس پر چھوٹا سا بستر و بچھا دیا جاتا ہے۔ متمول لوگ بڑا پلنگ رکھتے ہیں جس پر نقش بھی ہوتے ہیں اور جسے پلنگ کہتے ہیں۔ لیکن غریب لوگ چھوٹے فریم کی چارپائی یا کھاٹ استعمال کرتے ہیں جو پٹ سن کی رسی سے بنی جاتی ہے۔

یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ اس قسم کے متوسط دیہی مکان کے دروازے اکثر نقوش سے آراستہ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بالعموم دیواریں انسانی یا حیوانی تصویروں سے سنواری جاتی ہیں۔ نیز پسندیدہ دیوتاؤں کے ارزاں قسم کے چھاپے یا خاندان کے افراد کے فوٹو جو رستہ پر چلتے ہوئے شہری فوٹو گرافروں سے لیے جاتے ہیں، کچھ مکانوں کی دیواروں پر زینت کے لیے لگائے جاتے ہیں۔ کسی قدر تعلیم یافتہ لوگ اور سبکدوش ہوئے چھوٹے عہدہ دار کبھی کبھی دیواری گھڑیاں بھی رکھتے ہیں لیکن عام طور پر یہ بگڑی ہوئی ہوتی ہیں اور غالباً وقت بتانے کی بجائے زینت بڑھانے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔

گھریلو برتن عام طور پر مقامی کمہار کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں لیکن چمکتے ہوئے پیتل کے برتن جن میں پانی جمع کرنے کے بڑے گھڑے بھی شامل ہیں تمول کی نشانی سمجھے جاتے ہیں۔ کھانا پیتل، کانسہ یا المونیم کی رکابیوں میں دیا جاتا ہے۔ پانی دھات کے پیالوں یا پیتل کے لوٹوں میں پیا جاتا ہے۔ چند مکانوں میں چینی کی پیالیاں، طشتریاں اور شیشہ کی رکابیاں بھی نظر آتی ہیں۔

پنکو تلو (Pinkutlu) :- اس قسم کا مکان کسی قدر چھوٹا ہوتا ہے اور اتنا نمائشی نہیں ہوتا۔ اسے متوسط درجہ کے کاشتکار بناتے ہیں جن کی زراعت کم ہوتی ہے اور گاؤں کے معیار کے لحاظ سے نہ امیر ہیں نہ غریب۔ ان مکانوں میں ایک صحن بھی ہوتا ہے اور کبھی کچھ احاطہ بھی۔ نیز

ایک دالان اور دو یا تین کمرے جو مختلف ضرورتوں کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ دیواریں پتھر
کی فرش مٹی کا اور چھت کھپریل کی۔ جانوروں کا سائبان عام طور پر اپنے رہنے کے کمرے کے قریب
ہوتا ہے۔ اس مکان میں نہ بیت الخلاء ہوتا ہے نہ حمام۔

اس قسم کے مکان کے دروازوں پر بھی نقوش کی زیبائش ہوتی ہے اور دیواروں پر مختلف
رنگ کے چھاپے ہوتے ہیں۔ اس قسم کے مکانوں میں فرنیچر کا ہونا گویا تعیش ہے۔ البتہ سونے
کی ایک دو چارپائیاں، چند لکڑی کی چھوٹی تپائیاں اور ایک دو سیدھی کرسیوں کا ہونا ممکن ہے
شہر سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنے مکانوں کی دیواروں کو کیلنڈر اور رسائل کی تصویروں سے
سجاتے ہیں۔ اس طرح کے مکانوں میں بجز دھات کی رکابیوں کے جو کھانے کے لیے ہوتی ہیں اور سب
گھریلو برتن مٹی کے ہوتے ہیں حتیٰ کہ پانی بھی مٹی کے برتنوں میں جمع کیا جاتا ہے۔ تاہم یہ بات
وقار کی سمجھی جاتی ہے کہ کچھ برتن چینی کے ہوں جس کی گھر والیاں بہت شائق ہوتی ہیں۔

جھگی (وسیع) مضافات میں یہ سب سے زیادہ عام طور پر پائے جانے والے مکانات ہیں
اور شاہ پور چیمہ میں بلاشبہ بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ان جھونپڑیوں کی دیواریں یا تو گیلی مٹی
کی لپی ہوتی ہیں یا پتھر کی جن پر مٹی کی لیپ ہوتی ہے چھت ہمیشہ گھاس پھوس کی ہوتی ہے۔ یہ
جھونپڑی ایک چھوٹے سے احاطہ میں بنائی جاتی ہے اور عام طور پر اس میں ایک ہی کمرہ ہوتا ہے جس
کا ایک حصہ کھانا پکانے کے لیے علٰحدہ کر دیا جاتا ہے ان جھونپڑیوں میں فرنیچر شاذ ہی ہوتا ہے
اور گھر کی ضروریات کے برتن بھی مقامی کمہار ہی بناتا ہے چند دھات کے برتن جو گھر والے
رکھتے ہیں وہ ان کی ملکیت کا بیش بہا سرمایہ سمجھے جاتے ہیں۔

ان تینوں اقسام کے مکانات میں چند باتیں عام ہیں۔ ان سب میں کوئی نہ کوئی کھلی جگہ
ہوتی ہے خواہ آگے یا پیچھے اور یہ عام طور پر گھری ہوئی ہوتی ہے۔ یہاں عورتیں نہاتی ہیں اور ناگہانی
وقتوں میں مثلاً بیماری یا کوئی دوسری معذوری ہو تو اسی کو پاخانہ کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔
بارش کے زمانے میں اس جگہ ترکاریاں اگائی جاتی ہیں۔ خاص طور پر ٹماٹر آلو بیلیں۔ اور پورے سال
اسی جگہ گھر کے پالتو پرندے رکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح ان تمام مکانوں میں مویشیوں کا سائبان
اصل رہنے کے کمرے کے بالکل قریب ہوتا ہے گاؤں کے نصف سے کم مکانات میں بھی بیت الخلاء
بمشکل پایا جاتا ہے۔ زیادہ تر لوگ کھیتوں میں یا پتھروں کی آڑ میں حاجت رفع کرنے جاتے ہیں۔
کچھ فرق سے قطع نظر مکانوں کی دیواروں پر زیبائش کے نمونے بنائے جاتے ہیں ان میں عام طور

پر سلسلہ یکرنگی ہوتی ہے۔ تقریباً تمام مکانوں کے فرشوں پر ہر روز دو مرتبہ جھاڑو دی جاتی ہے۔ مٹی کا فرش معینہ وقتوں پر گوبر کے پانی سے لیپا جاتا ہے اور ہر سال دیواریں چونے کے پانی یا پٹنگن مٹی سے دھوئی جاتی ہیں۔ اناج اور غلہ بڑے بڑے برتنوں میں جمع کیا جاتا ہے جسے کمہار بناتے وقت جلا کے بالکل سرخ کر دیتا ہے۔ یا پھر یہ ارکلا کا بنایا ہوتا ہے جن کا ٹوکریاں بنانے کا طریقہ قدیمی ہے۔

شاہ میر پیٹھ کے تمام مکانات ان تینوں اقسام میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتے ہیں۔ البتہ ارکلا کی گنبدی قسم کی جھونپڑیاں اپنی علیحدہ نوعیت رکھتی ہیں۔ یہ چھوٹی گول جھونپڑیاں جو گھاس پات کی ٹہنیوں کے تختوں سے بنائی جاتی ہیں ان کا قطر تقریباً بیس فٹ ہوتا ہے اور اکثر اونچائی صرف چھ فٹ۔ اس کے اندر کوئی اوٹ نہیں ہوتی یہی سونے، کھانے پینے اور پکانے کے کمروں کا کام دیتی ہے۔ سور اور مرغیاں ایسی ہی لیکن چھوٹی گول جھونپڑیوں میں رکھی جاتی ہیں جو رہائش کی جھونپڑی کے بالکل قریب بنائی جاتی ہیں۔

وقتاً فوقتاً ایسے خانہ بدوش خاندان بھی ان گاؤں میں آتے رہتے ہیں جن کے پاس ہلکی قابلِ نقل و حمل جھونپڑیاں ہوتی ہیں۔ جو زیادہ تر بانس کی ٹہنیوں کی بنی ہوتی ہیں اور جنہیں لپیٹا جا سکتا ہے۔ تقریباً ہر سال اس زمرہ سے تعلق رکھنے والا کوئی نہ کوئی گروہ شاہ میر پیٹھ آتا ہے اور ایک ہفتہ یا اسی قدر ٹھہرنے کے بعد اپنی جھونپڑیاں کتے اور سوروں کے ساتھ کسی اور طرف چلا جاتا ہے۔

(5) شاہ میر پیٹھ کے نواح

شاہ میر پیٹھ کا حیدرآباد اور سکندرآباد سے قرب بتایا جا چکا ہے۔ چھوٹی سرکاری ملازمت رکھنے والے یا جن کا تعلق شہر سے ہے وہ مقررہ وقتوں پر شہر چلے جاتے ہیں۔ دوسرے بالخصوص نوجوان سکندرآباد یا حیدرآباد سنیما یا بازار دیکھنے کے لیے سائیکلوں پر پہنچ جاتے ہیں لیکن وسیع سماجی معنوں میں شاہ میر پیٹھ کا زیادہ قریبی تعلق نواحی گاؤں سے ہے۔ ان مواضع کے واقعات اور ترقیات میں شاہ میر پیٹھ کے لوگوں کو گہری دلچسپی ہے۔ بالو گوڑہ اور اُپرپلی کے گاؤں کا انتظام سرکاری کاغذات میں شاہ میر پیٹھ کے گاؤں کے حصہ کی حیثیت سے ہے اور ایک لحاظ سے یہاں کا حصہ ہیں۔ پھر بھی ایک محدود دائرہ میں انہیں کافی خود اختیاری حاصل ہے۔ ان مواضع کے بڑے لوگ تا حدِ امکان اس کی کوشش کرتے ہیں کہ گاؤں کے چھوٹے موٹے جھگڑوں کا فیصلہ شاہ میر پیٹھ کے گاؤں کے چودھری یا اس کی مجلس کے پاس لے جائے بغیر کر لیا جائے۔ وہ کہتے ہیں ہم ایک

چھوٹے گاؤں کے غریب رہنے والے ہیں۔ ہمارے ذرائع محدود ہیں لیکن شاہ میر پیٹھ کے لوگ خوشحال ہیں اور انہوں نے شہری طریقے اختیار کر لیے ہیں۔ اگر ہم اپنے معاملات ان کے پاس پیش کریں تو وہ ہم پر ایسا زبردست جرمانہ عائد کریں گے کہ ہماری کمر ہی ٹوٹ جائے گی" تاہم بہت سے ایسے معاملات ہوتے ہیں جس میں لڑنے والا ایک فریق بڑوں کے فیصلہ سے ناراض ہو کر اور اس لیے کہ اس کے پاس ضروری مالیاتی ذرائع ہیں یا اثرات کا سہارا ہے، وہ اپنا معاملہ شاہ میر پیٹھ کی دیہی مجلس کے پاس پیش کرتا ہے۔ ایسے تمام موقعوں پر زیر بحث گاؤں کے لوگوں میں سے دو یا تین صاحب اثر معزز حضرات شاہ میر پیٹھ کی دیہی پنچایت یا مجلس کی کارروائی میں شرکت کرنے کے لیے بلائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ان تمام تقریبات میں جن کی تنظیم عمل میں آتی ہے کہ شاہ میر پیٹھ کے لوگوں کی جانب سے بحیثیت مجموعی کی جاتی ہے جیسے کہ میلہ یا کوئی تہوار اور آس پاس کے گاؤں کو دعوت نامے بھیجے جاتے ہیں اور یہ امید کی جاتی ہے کہ ان کی نمائندگی گاؤں کے کم از کم کچھ بڑے بوڑھے کریں گے۔ جب گاؤں کے لوگ بحیثیت مجموعی سرکاری اغراض کے لیے تعلقہ یا ضلع کے ذیلی مستقر پر بلائے جاتے ہیں تو ان دو مواضع کے لوگ شاہ میر پیٹھ والوں کے ساتھ جاتے ہیں۔ کیونکہ سرکاری کاغذات کے مطابق یہ تینوں بستیاں ایک ہی گاؤں کی اکائی کے اجزا ہیں۔ لیکن شاہ میر پیٹھ اور ان دو مواضع کے درمیان جو راستہ کی دوری ہے وہ ان سماجی زندگی میں مشترک جدوجہد کے لیے موثر حد فاصل بن جاتی ہے۔ اور اس نقطۂ نظر سے یہ دونوں مواضعات اتنے ہی خود مختار ہیں جتنے اپنا آپ کام سنبھالنے والے دو چھوٹے گاؤں۔

شاہ میر پیٹھ کے اطراف کے رقبہ کی آبادی کافی گنجان ہے۔ ہر تین یا چھ میل پر کسی ایک گاؤں یا ایک چھوٹی بستی کا ملنا غیر معمولی بات نہیں۔ شاہ میر پیٹھ متعدد مواضع سے گھرا ہوا ہے جن میں کچھ بڑے ہیں اور باقی چھوٹے۔ ان میں سے اکثر کے ساتھ شاہ میر پیٹھ کو بحیثیت گاؤں بہت کم تعلق ہے۔ تاہم باشندے اطراف کے مواضع کے دوستوں اور عزیزوں سے برابر ربط قائم رکھتے ہیں۔ ان تقریبات میں جن کا تعلق زندگی کے بڑے مواقع سے ہے مثلاً پیدائش، شادی اور موت، شاہ میر پیٹھ کے لوگ اکثر پڑوسی مواضعات کو جاتے ہیں یا وہاں کے لوگ شاہ میر پیٹھ آتے ہیں۔ قطع نظر اس سے بہت چھوٹے مواضع کے رقبہ میں مختلف ذاتوں کی اپنی ذاتی مجلس ہوتی ہے جس میں صرف ذات ہی سے تعلق رکھنے والے معاملات پیش ہوتے ہیں۔

حیدرآباد کریم نگر کی سڑک پر تین میل شمال میں ایک اور گاؤں ہے جو شاہ میر پیٹھ اتنا ہی

بڑا ہے۔ اُسے علی آباد کہتے ہیں۔ اس کے ساکنین میں کچھ امیر اور با اثر ہندو مسلم زراعت پیشہ ہیں جو شاہ میر پٹھ والوں کے ساتھ شاہ میر پٹھ کے تالاب کے پانی میں سے آبپاشی کے لیے حصہ دار بنتے ہیں۔ یہ طریقہ کچھ اطمینان بخش نہیں ہے اور دونوں گاؤں ایک دوسرے کے خلاف بہت سی شکایتیں رکھتے ہیں ان دونوں میں سخت رقابت ہے اور ہر دوسرے تیسرے سال لوگوں میں کشیدگی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ نقص امن اور بلوہ کا خطرہ ہو جاتا ہے۔ شاہ میر پٹھ کے باشندے علی آباد کے لوگوں کی زیادہ پروا نہیں کرتے اور آخر الذکر دل سے ان کی اس نفرت کا جواب دیتے ہیں۔

مختلف مواضع کے لوگوں کو بحیثیت کُل ایک دوسرے سے ملنے کے بہت کم مواقع ملتے ہیں۔ کوئی ایسی عام تقریبات یا جلسے نہیں ہوتے جن میں مختلف مواضع کے لوگ شریک ہوں۔ ذات پات کی رسومات کے وقت نائی گاؤں والوں کو میل جول کا موقع ملتا ہے۔ لیکن اسی علاقہ کے قریب کے مواضع والوں کے لیے سب سے زیادہ عام ملنے کی جگہیں بازار اور میلے ہوتے ہیں۔

باب دوم

سماجی ڈھانچہ

ہندوستانی گاؤں کے سماجی ڈھانچہ کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان مختلف اجزاء کا جائزہ لیا جائے جن کی بنا پر ہر گاؤں کی تنظیم ہوتی ہے۔ سماج کا بنیادی اور ابتدائی جزو مشترک خاندان ہے۔ ہر خاندان کسی ذات کی شاخ سے تعلق رکھتا ہے جن کی شادیاں اپنے گروہ سے باہر ہوتی ہیں، اور ایسی بہت سی شاخیں مل کر ذات کا حصہ ہیں جن کی شادیاں اسی وسیع تر ذات میں ہوتی ہیں۔ صرف ایسی سماجی اکائی میں ذات سے اخراج یا تبدیل مذہب ہی کسی فرد کی حیثیت کو بدل سکتا ہے۔ اس کے برخلاف ہر خاندان ایک کمیونٹی سے تعلق رکھتا ہے جس کے ساتھ وہ بستی میں مل جل کر رہنے سہنے کا حق رکھتا ہے خواہ وہ گاؤں میں ہو یا ملحقہ کھیڑہ میں۔ سماجی اور مذہبی معاملات میں فرد پر تین طرح کا کنٹرول ہوتا ہے، اس کے خاندان کا گاؤں کا اور اس کی ذات کا۔ عام طور سے ذات کے دائرہ میں محدود اور خود مختار، داخلی ازدواجی گروہ ہی اپنے اراکین کی خطاؤں کو پکڑتے اور سزا دیتے ہیں اور اس کا تعلق پوری ذات سے نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے اہم مقدمات یا ایسے معاملات جن کا تعلق ایک سے زیادہ مواضعات سے ہے، اس کی سماعت اور اس کا فیصلہ ایک وسیع تر دیہی پنچایت سے کیا جا سکتا ہے جس میں تمام متعلقہ مواضع کے اراکین شامل ہوں۔ خاندان کا ڈھانچہ، اس کی تنظیم نیز تفریق مراتب کا معیار ایک علیحدہ باب میں وضاحت سے بیان کیے جائیں گے۔ یہاں ہم کمیونٹی کی ذات واری تقسیم کا جائزہ لیں گے اور گاؤں کی مقامی تنظیم کا تجزیہ کریں گے جس میں خاص طور سے اقتدار اور انصاف کے انتظامیہ پر توجہ دی جائے گی۔

(۱) دیہی کمیونٹی اور ذات پات

شالا میرٹھ کی آبادی میں ہندو مسلم دو نمایاں جماعتیں ہیں اگرچہ ایک طویل عرصے تک ساتھ۔

رہنے والی اور آپسی میل جول نے ایک دوسرے میں قریبی تعلقات پیدا کر دیئے ہیں اور ان کی تہذیبیں بعض شعبوں میں مل جل گئی ہیں تاہم ان دونوں جماعتوں نے اپنی سماجی اور مذہبی وحدت کو برقرار رکھا ہے۔ گاؤں کی آبادی میں مسلمان اقلیت میں ہیں لیکن سماجی اور مذہبی امور میں وہ بہت ہی متحد گروہ ہے۔ یہاں کے تمام مسلم کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں دولت یا ملکیت کا زیادہ تفاوت نہیں ہے۔ جس کے نتیجہ میں اس فرقہ میں طبقاتی فرق نہیں ہے۔ ان تمام معاملات میں جو اُن کی معاشرتی و مذہبی زندگی پر اثرانداز ہو سکتے ہیں، ان کا رویہ بالکل علیحدہ اور خود مکتفی گروہ جیسا ہے۔ اور وہ شاذ ہی اپنے ہندو پڑوسیوں سے کسی قسم کی مدد، تعاون یا مشورے کے طالب ہوتے ہیں۔ ہندو دیہی سماج (جو ہندوستان کا اکثریتی دیہی سماج ہے) کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہاں کی غیر ہندو جماعتیں بھی ہندو ذات پات کی درجہ بندی سے متاثر ہوئی ہیں۔ حتیٰ کہ غیر ہندو گروہوں کو کسی نہ کسی طرح ذات پات کے کٹر نظام کے سخت چوکھٹے میں اپنے کو بٹھانا پڑا اور اگرچہ کہ وہ ذات پات سے ہمیشہ باہر رہے اور کبھی ہندوؤں میں ان کا شمار نہیں ہوتا تاہم ان کو علم معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی حیثیت کے لحاظ سے اس دیہی کمیونٹی میں ذات پات کے مماثل کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ چونکہ حیدرآباد کا سابق فرمانروا ایک مسلم تھا اس لیے اس کے ہم مذہبوں کو ریاست کے معاملات میں مخصوص حیثیت حاصل تھی دیہی علاقوں میں ان کی سماجی حیثیت کم و بیش غیر زراعتی ذاتوں کے برابر رہی ہے اگرچہ مذہبی نقطۂ نظر سے ہندوؤں نے انہیں ہمیشہ کمتر گردانا ہے۔ پھر بھی ایک اعلیٰ ذات کا ہندو ایک مسلم کے ساتھ بیٹھ سکتا ہے اور جو کسی قدر کم قدامت پرست ہیں وہ بغیر نہائے کے لنڈ ہم کھانا نہیں چھو بھی سکتے ہیں۔

ہندو سماجی نظام جس کی بنیاد سماج کی ذات پات میں تقسیم پر قائم ہے ایک بہت ہی پیچیدہ سماجی ڈھانچہ پر مشتمل ہے۔ ورنا کا روایتی نظام جس میں ہندوستان کے سماجی ارتقاء کے دوران تبدیلیاں ہوئیں اس کے اعتبار سے ہندو سماج پانچ بڑے گروہوں میں منقسم ہے۔ ان میں کے پہلے تین یعنی برہمن (پجاری اور اہل علم)، چھتری (حکمراں اور سپاہی) اور ویش (تاجر پیشہ) ان سب کو دوئی جا (پیدائش ثانیہ والے) سمجھا جاتا ہے۔ ہندو رسوم کے بموجب صرف ان ہی کو اوپانایا رسم منانے کی اجازت ہے جو ان کی روحانی طور پر دوبارہ پیدا ہونے کی علامت ہے اور جو انہیں مقدس جنیو (تاگا) پہنے کا مستحق بناتی ہے۔ چوتھے گروہ میں بہت سی پیشہ ور ذاتیں ہیں جو شودر سمجھی جاتی ہیں اور جنہیں اچھوتوں میں شمار نہیں کیا جاتا۔ آخر میں ہم پانچویں بڑے گروہ میں تمام اچھوت ذاتوں کو شامل کر سکتے ہیں۔ اس تقسیم کو سارے ہندوستان کے ہندو تسلیم کرتے ہیں۔ مختلف گروہوں

کی یہ اضافی حیثیتیں جو تقدیم و تاخیر اور سماجی فوقیت یا کمتری میں یقین رکھتی ہیں اس کو ہر جگہ مانا جاتا ہے۔ ان بڑے گروہوں (ورنا) کے پیشے روایت کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں۔ ہر ایک گروہ میں کئی ایک ذیلی گروہ (جاتی یا ذات) ہوتے ہیں جن میں بھی مزید درجہ بندی کی جا سکتی ہے۔ بڑے اور ذیلی گروہوں میں باہمی تعلقات کی تنظیم روایتی اصولوں کے مطابق ہوتی ہے اور تمام بڑے قسم کے تعلقات مثلاً چھوت چھات، ان میں کھانا اور صحبت کرنا ان وسیع تر اصولوں کے تحت ہوتے ہیں۔

ورنا (Varna) نظام کے اس عام خاکہ میں جو ملک کے مختلف حصوں اور علاقوں میں پائے جاتے ہیں سماجی اعتبار سے بہت سی خود مختار ذاتیں ہیں جن کو پانچ بڑی قسموں میں سے کسی ایک میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ یہ خود سماجی و مذہبی زندگی کے دائرہ میں عملی طور سے علیحدہ ہوتے ہیں۔ یہ ذاتیں ملک کے دیگر حصوں میں اسی قسم کی حیثیت رکھنے والی ذاتوں کے ساتھ ایک ہی طرح کے نام اور تخاطب سے معروف ہیں لیکن وہ ساتھ مل کر نہیں کھاتے اور ان میں ایک دوسرے کے ساتھ شادیاں ممنوع ہیں۔ ان میں ہر ایک ذات مزید مختلف ذاتوں میں منقسم ہے جو داخلی ازدواج کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں اور دیگر تمام مسائل کے بارے میں عملاً خود مختار ہوتے ہیں۔

ہندو ذات داری تنظیم اور ان کی روایاتی اضافی درجہ بندی جاننے کے لئے اس کے تفصیلی جائزہ کی ضرورت ہے۔ ذات داری امتیاز کی برتری کے لحاظ سے شاہ میر پیٹھ کی مختلف ذاتوں کی ترتیب حسب ذیل کی جا سکتی ہے۔

پیدائش ثانیہ ذاتیں

برہمن (پجاری)

کومٹی

(تاجر)

(زراعت پیشہ اور مزدور وغیرہ)

کاپو — ریڈی	کمہاری	گولا
(زراعت پیشہ)	(کمہار)	(بھیڑ بکریاں چرانے والے)
	کاپو — تمارا سی	
	(زراعت پیشہ)	
سالی	گونڈلا	

(بافندے)　　(تاڑی تاسنے والے)
سکالی　　منگالی
(دھوبی)　　(حجام)
وڈر　　بچا۔ کنتلا
(پتھر توڑنے والے)　　ارکلا　　(ذات اور قبیل کی داستانوں کے گویے)
(شکاری اور چٹائی بنانے والے)

اچھوت ذاتیں

مالا　　مدیگا
(ایک اچھوت ذات)　　(ایک اچھوت ذات)

مندرجہ بالا خاکہ میں پنچ برہما کا گروہ شامل نہیں ہے۔ مذہبی نقطہ نظر سے وہ ہندو ہیں لیکن ذات واری درجہ بندی میں ان کی حیثیت واضح نہیں ہے۔ اس گروہ کی پانچ قسمیں ہیں :۔ والاد (بڑھئی)۔ کماری (لوہار)۔ اوسولا (سنار)۔ کاسی (لکڑی اور پتھر پر نقاشی کرنے والے) اور کنچاری (دھاتی گھنٹیاں بنانے والے)۔ ان میں سے صرف پہلی تین اقسام شاہ میر پیٹھ میں پائی جاتی ہیں۔ آپس میں کھانے پینے اور شادی بیاہ کے لحاظ سے یہ گروہ اپنی ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ مقامی ذات واری درجہ بندی کے اعتبار سے ان کا درجہ کاپو' کمری اور گولا گروہ سے کم ہے لیکن یہ کہنا دشوار ہے کہ یہ کومٹی گروہ سے درجہ میں کم ہیں یا برابر۔

ہندوؤں میں برہمن کا مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے۔ وہ وڈر' ارکلا' بچا۔ کنتلا' مالا اور مدیگا کے علاوہ باقی تمام فرقوں کی تقریبات میں کام کرتے ہیں۔ تاہم یہ ذاتیں بھی کاشت کرنے کے وقت اور شادی کی تقریبات کے انعقاد کے متعلق اچھی ساعت پوچھنے کے لئے (برہمنوں سے) مشورے لیتی ہیں اور جیوتش کے معاملے میں تو سب ان ہی سے رجوع کرتے ہیں۔ تمام ذاتیں بجز پنچ برہما گروہ کے' اس کے ہاتھ کا کھانا قبول کرتے ہیں لیکن اپنی صاف اور اعلیٰ پیدائش کے مدنظر وہ اپنی ذات والوں کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ کا کھانا قبول نہیں کرتے۔

کومٹی کا درجہ برہمنوں کے بعد ہے۔ وہ زیادہ تر بیوپاری اور قرضہ دینے والے مہاجن ہوتے ہیں اور عام طور پر غلہ کرانہ کی چھوٹی دوکانیں بھی رکھتے ہیں۔ برہمن اور پنچ برہما گروہ کے علاوہ تمام دوسری ذاتیں ان کے ہاتھ کا کھانا قبول کرتی ہیں لیکن یہ ان ذاتوں میں سے کسی کا کھانا قبول نہیں کرتے

جن کی سماجی حیثیت خود ان سے کم ہے۔ اس طرح وہ برہمنوں کے ہاتھ سے کھانا لے سکتے ہیں۔

کاپو (زراعتی) گروہ میں ریڈی، کمبوی اور گولا ہم مرتبہ ذاتیں ہیں اگرچہ ان میں سے ہر ایک شادی بیاہ اپنی ہی ذات میں کرتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر خوشی سے کھانا کھاتے ہیں اور ہم مرتبہ ہونے کے باعث ان میں سماجی مساوات ہوتی ہے۔ کاپو میں دوسری جماعت مثلاً ستارسی کی حیثیت کسی قدر کم ہے پہلے درجہ والے کاپو اور گولا ان کے ہاتھ کا کھانا کھاتے ہیں لیکن ان کے ہاتھ کا چھوا ہوا کھانا کمّاری لینے سے انکار کریں گے۔

دوسری سطح پر سالی اور گونڈلا ہیں جن کی حیثیت کم و بیش اسی طرح کی ہے مگر یہ دونوں داخلی ازدواجی گروہ ہیں اور ساتھ کھانا نہیں کھاتے۔ وہ اپنی ذات سے برتر مرتبہ کے ہاتھ کا کھانا قبول کرتے ہیں لیکن اپنے سے کم درجہ والوں سے نہیں۔ اسی طرح سکالی اور منگالی ذات والوں کی بھی یہی حیثیت ہے۔ مگر وہ آپس میں شادی بیاہ اور باہم کھانا پسند نہیں کرتے۔ لیکن اس کے باوجود سکالی اور منگالی کھانا سالی اور گونڈلا کے ساتھ کھائیں گے اور اسی طرح ان ذاتوں کے ساتھ جو ان سے اعلیٰ ہیں۔ وڈر اور بچا، کشلا سکالی اور منگالی کے ساتھ نہیں کھاتے۔ اور نہ اچھوت مالا اور مدیگا کے ساتھ لیکن وہ اپنے سے اعلیٰ تمام ذاتوں کے ہاتھ سے کھانا لے سکتے ہیں۔ ارکلا سبھی ذاتوں سے کھانا لیتے ہیں سوائے مالا اور مدیگا کے۔ سکالی اور منگالی کے لوگ ارکلا کا کھانا نہیں لیتے۔ ارکلا اور بچا کشلا وڈر سے کھانا لیں گے مگر وڈر ارکلا اور بچا کشلا سے کھانا نہیں لیں گے۔ آخر میں مالا اور مدیگا اپنے سے اعلیٰ تمام ذاتوں کے ہاتھ سے کھانا لیں گے لیکن مالا دونوں اچھوت ذاتوں میں سے اپنے کو برتر سمجھتے ہیں اس لئے مدیگا کے ہاتھ کا کھانا لینے سے انکار کرتے ہیں۔

پنچ برہما گروہ کی نوعیت نرالی ہے۔ ان کا گروہ جدا جدا اور خود مکتفی ہے۔ وہ کسی دوسری ذات کے ہاتھ سے کھانا نہیں لیتے اور نہ دوسرے ذات والے ان کے ہاتھ کا چھوا کھانا لیتے ہیں۔ یہ حالت شمالی ہند سے بالکل جداگانہ ہے جہاں بڑھئی، لوہار، دھات کی گھنٹیاں بنانے والے، سنار اور مورتیاں بنانے والی مختلف ’داخلی ازدواجی‘ ذاتیں ہیں اور جو علاقہ زیر بحث کے برخلاف دوسری ذاتوں میں نہ شادیاں کرتے ہیں اور نہ ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ ان کا سماجی مرتبہ نہ زیادہ اونچا ہے نہ زیادہ نیچا۔ ہر جگہ وہ پیدائش ثانیہ (دوجا) کے برہمن، چھتری اور ویش سے کمتر شمار کئے جاتے ہیں لیکن انہیں نجس نہیں سمجھا جاتا اور بلاشبہ ان کا مرتبہ اچھوتوں کے مقابلہ میں اعلیٰ ہے۔ علاقہ زیر مطالعہ میں اگرچہ پنچ برہما گروہ کو پاک سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اچھوت مالا بھی ان کے ہاتھ کا چھوا

ہوا کھانا لینے سے انکار کریں گے۔ اور یہ صرف حالیہ برسوں کی بات ہے کہ مدیگا نے ان کے ہاتھ کا دیا ہوا کھانا کھانا شروع کیا ہے۔ جب ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ وہ پنچ برہما کی ذات والوں کا چھوا ہوا کھانا لینے سے کیوں انکار کرتے ہیں تو انہیں اکثر یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کے چھوتے ہی کھانا نجس ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسے کیسے قبول کر سکتے ہیں۔ پنچ برہما ذاتیں پیدائش ثانیہ کے مقدس تاگے کا مالا پہنتی ہیں اور برہمن سے بھی کھانا لینا قبول نہیں کرتیں۔ یہ ممکن ہے کہ ان کی سماجی علیحدگی اس کردار کی آئینہ دار ہے جو زمانہ قدیم میں اس وقت ترقی کی طرف گامزن ہوا جب ہندوستان کے سماج میں آریائی اور غیر آریائی گروہوں میں امتزاج شروع ہوا۔ اور ہندو مذہب مستحکم ہو رہا تھا۔ اس زمانہ کے حرفہ کا گروہ جس کی تنظیم اعلیٰ تھی شاید اپنی سالمیت اور علیحدہ پسندی ایک زمانہ تک قائم رکھنے میں کامیاب رہا ہو لیکن بالآخر مطیع ہو گیا ہو۔ تاہم ان کی مخالفت سے جو کشیدگی پیدا ہوئی وہ باقی رہی اور اگرچہ انہیں ہندو سماج کے دائرہ میں جذب بھی کر لیا گیا لیکن انہیں مقابلۃً سماجی حیثیت رکھنے والے گروہ میں برابر کا درجہ نہیں دیا گیا۔ غالباً اسی وجہ سے انہوں نے اپنی قدیم علیحدگی پسندی کو برقرار رکھا۔

اوپر دئے ہوئے جدول میں وہ تمام ذاتیں جن کی ذات واری درجہ بندی دکھائی گئی ہے 'داخلی ازدواجی' ذاتیں ہیں۔ سماجی لحاظ سے ان کے درمیان مستقل قسم کا بُعد ہے۔ شخص ایک ذات میں پیدا ہوتا ہے اور سوائے سب سے نچلے درجے کے افراد کے رتبہ میں اعلیٰ یا ادنیٰ کسی سمت میں تبدیلی ممکن نہیں[1]۔ عام طور سے کہا جا سکتا ہے کہ اس مذہبی درجہ بندی میں وہ تمام ذاتیں جن کی سطحیں بلند ہیں ان کے ہاتھ سے کھانا تمام لوگ عام طور پر قبول نہیں کرتے بجز ایک دو کے جو اعلیٰ سطح والے لوگ بلا استثناء ادنیٰ سطح کے لوگوں کے ہاتھ کا کھانا قبول نہیں کرتے۔ ہر ذات کا ایک موروثی پیشہ ہے جو مذہب کا منظور کردہ ہے۔ اور اسے کوئی اس اجارہ داری میں خلل نہیں ڈالا جا سکتا۔ بجز زراعت کے پیشے کے جسے اختیار کر سکتے ہیں۔

---

(۱) جب ایک شخص ذات باہر کر دیا جاتا ہے تو وہ کسی کم حیثیت والی ذات میں شمار نہیں کیا جاتا اسے صرف فرد کی سماجی و مذہبی زندگی کے مفادات میں برابر کا حصہ لینے سے محروم رکھا جاتا ہے۔ حوالہ کے لیے دیکھیے ڈاوسن (Dowson) کی کتاب A Classical Dictionary of Hindu Mythology (London 1950—pp 56 to 59, 296 300 360 to 362.)

یہاں جنگم اور کاتیکی ذاتوں کا بھی ذکر کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا ایک ایک خاندان شاہ میر پیٹھ میں موجود ہے۔ جنگم نیم پجاری ذات والے ہیں جو رسمی طور پر بالے سے تعلق رکھتے ہیں اور انہی کی نسبت سے لنگم باندھتے ہیں جو شیو کی ایک نشانی ہے۔ اور یہ لوگ شادی کے موقعوں پر پجاری کی حیثیت سے کام انجام دیتے ہیں۔ پترا مکشا اماواسیا (1) (Pitra Moksha Amavasya) اور شیوراتری (Shivaratri) (2) کے دنوں میں وہ ہندوؤں کے گھروں کو جاتے ہیں۔ بالخصوص ان کاشتکاروں کے پاس جو شیو (3) میں عقیدہ رکھتے ہیں اور ان سے بھیک مانگتے ہیں۔ شاہ میر پیٹھ میں صرف ایک ہی جنگم ہے اور وہ بھی ایک بوڑھی عورت ہے اور گاؤں میں کوئی بالجانہ ہونے کے باعث وہ پڑوس کے گاؤں میں جاتی ہے اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے بھیک مانگ لاتی ہے۔

سماجی رتبہ کے لحاظ سے جنگم کو صحیح طور پر کومٹی سے کسی قدر بالاتر رکھا جا سکتا ہے۔ برہمن کے علاوہ دوسری ذاتیں بشمول شیوتی اور کومٹی ان کے ہاتھ کا کھانا کھاتی ہیں۔ کاتیکی جو ہندو قصاب ہیں بکریاں اور بھیڑ ذبح کرتے ہیں اور ان کا گوشت گاؤں والوں میں بیچتے ہیں وہ مرتبہ کے لحاظ سے کاتیکی۔ کاپو۔ کماری گولا گروہ کے برابر ہیں اور وہ ان سب کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ چونکہ تمام گوشت کھانے والی ہندو ذاتیں بشمول معزز ریڈی' کاتیکی کے ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت کھاتی ہیں۔ اس لئے اس کے گروہ کا مرتبہ اسی قدر اونچا ہے۔

اوپر جن ذاتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کی اور بھی ذیلی تقسیم 'داخلی ازدواجی' اعتبار سے کی جا سکتی

---

(1) Pitra Moksha Amavasya: ہندو مہینہ بھدرا پدا میں نئے چاند کی رات (اگست تا ستمبر) کو کہتے ہیں۔

(2) Shivaratri: وہ دن جس کے تعلق سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ شیو نے اس روز دنیا کا زہر پی لیا۔ اور اسے اپنے حلق میں روک کر بنی نوع انسان کو اس زہر کے نقصان سے بچا لیا۔

(3) Shaivite ہندوؤں کے بڑے خداؤں کی تثلیث میں برہما کی پوجا نہیں کی جاتی کیونکہ اس نے اپنی ہی لڑکی سے تعشق کا گناہ کیا۔ اس کے برخلاف وشنو اور شیو کی پوجا کی جاتی ہے۔ جو لوگ اول الذکر کی خاص طور پر پوجا کرتے ہیں [illegible] انہیں Vaishnava کہا جاتا ہے اور جو آخر الذکر کی پوجا کرتے ہیں انہیں Shiva یا Shaivite کہتے ہیں۔ حوالہ کے لیے دیکھئے ڈاؤسن کی کتاب (Dowson) A Classical Dictionary of Hindu Mythology (London 1950), PP 51-59, 296 300, 360-362.

ہے اور یہ تمام عملی ضروریات کی حد تک بذات خود آزاد ذاتیں ہیں۔ آندھرا پردیش کے برہمن کی تقسیم دو بڑے گروہوں میں کی جاتی ہے: ویدکی اور نیوگی۔ اور ان دونوں کی مزید ذیلی تقسیمیں بہت سی شاخوں میں کی جاتی ہیں جنہیں شاکھا کہتے ہیں۔ یہ شاکھا 'داخلی ازدواجی' ہوتے ہیں۔ شاہ میر پیٹھ میں برہمن کا صرف ایک خاندان ہے جو یجروید کی حسب کے ویدیکی آندھرا برہمن سے تعلق رکھتا ہے۔

کومٹی گروہ کی چھ تقسیمیں کی جا سکتی ہیں جن میں ہر ایک 'داخلی ازدواجی' ہے: یگینا (yegina)، یپا (yepa)، دودی (Doodi)، باندر (Bandar)، نیتی (Neti) اور پوگا (Poga)۔ ان میں سے یگینا (yegina) کومٹی شاہ میر پیٹھ میں بستے ہیں۔

ریڈی کی چار بڑی 'داخلی ازدواجی' تقسیمیں ہیں: موٹاٹی (Motati)، گوداٹی (Gadati)، گونی (Goni) اور پکناٹی (Paknati)۔ شاہ میر پیٹھ میں رہنے والے تمام ریڈی گونی (Goni) قسم کے ہیں۔

متارسی (Muttarasi) کی تین شاخیں ہیں: متارسی (Muttarasi)، ایڈیگا (Ediga) اور بیشا (Besta)۔ شاہ میر پیٹھ میں کوئی متارسی یا بیستا گروہ کا فرد نہیں ہے۔

کماری ذات بھی 'داخلی ازدواجی' چار قسمیں رکھتی ہے: وہ یہ ہیں: بالیجے (Balija)، باندر (Bandar)، چیٹیلو (Chettlu) (جو سیٹی (Setti) کے نام سے بھی معروف ہے) اور [illegible]۔ ان میں سے صرف چیٹیلو کماری شاہ میر پیٹھ میں رہتے ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بجز بالیجے کے کماری ذات کی تمام دوسری شاخیں ایک دوسرے کے ساتھ کھانا کھاتی ہیں مگر آپس میں شادیاں نہیں کرتیں۔ بالیجے گوشت کھانے اور شراب پینے سے پرہیز کرتے ہیں اور اسی بنا پر کماری ذات کی دوسری جماعتوں سے اپنے کو بالاتر سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھاتے۔

گولا کی سات 'داخلی ازدواجی' ذیلی قسمیں ہیں: ایرا (Erra)، پکناٹی (Paknati)، دو گیتا (Do-Gotla)، ناما سرلا (Nama-Sarla)، پوجا (Pooja)، مشتی (Musti) اور پڈاناٹی (Puddanati)۔ گولا کی ایک آٹھویں کمتر قسم کرما (Kurma) ہے جو کمبل بنتے ہیں۔ پوجا (Pooja) گولا بھیڑ بکریاں چرانے کا روایتی پیشہ اختیار نہیں کرتے اور نہ وہ گوشت کھاتے ہیں اور نہ شراب نوشی کرتے ہیں۔ پوجا گولا کے علاوہ جن کے ہاتھ سے تمام جماعتیں کھانا قبول کرتی ہیں نیز کرما کے علاوہ جن کے ہاتھ کا کوئی جماعت کھانا قبول نہیں کرتی، تمام دوسری جماعتیں آپس میں کھانا کھاتی ہیں لیکن آپس میں شادیاں نہیں کرتیں۔ شاہ میر پیٹھ میں گولا کی دو ہی شاخیں ہیں: ایرا اور پکناٹی۔

تلنگانہ کے سارے ذات والوں میں داخلی ازدواجی ذیلی تقسیمیں نہیں ہیں وہ اپنے کو پدماشالی کہتے ہیں تاکہ ان میں اور مالاسالی میں امتیاز رہے کیونکہ سماجی حیثیت سے مالاسالی اچھوت مالا کے قریب ہیں لیکن پھر بھی کپڑا بننے کا پیشہ کرتے ہیں۔

عقیدہ کی بنا پر گونڈلا کی دو بڑی تقسیمیں ہیں: ایک وبھوتی داردلو (Vibhuti darulu) جو شیولنگ کو مانتے ہیں اور تیرومانی داردلو (Tirumani darula) جو وشنو دی پر اعتقاد رکھتے ہیں پھر بھی یہ جماعتیں آپس میں شادیاں بھی کرتی ہیں اور باہم کھانا بھی کھاتی ہیں۔

سکالی کے تین داخلی ازدواجی گروہ ہیں، سکالی (Sakali) بونڈلی (Bondili) اور ترکا (Turaka)؛ لیکن ان میں ایک دوسرے کے یہاں شادیاں کرنا یا کھانا کھانا ممنوع ہے۔

منگالی کی صرف دو ہی قسمیں ہیں: میری ([illegible]) اور کونڈا (Konda)؛ ان گروہوں میں آپس میں ازدواج کی اجازت نہیں۔ اس کے خاندان جو شامیرپیٹھ میں ہیں ان کا تعلق سری جماعت سے ہے۔

وڈر کی دو اقسام ہیں، رائے وڈر (Rai Vaddar) پتھروں کا کام کرتے ہیں اور گمپا وڈر (Gampa Vaddar) مٹی کا۔ آپس میں وہ علیحدہ گروہ ہیں۔ ایک دوسرے میں شادی، اور ایک دوسرے کے ساتھ کھانا دونوں میں ممنوع ہے۔ شامیرپیٹھ میں ان دونوں کے چند مکانات پائے جاتے ہیں۔

اسی طرح ارکلا کی بھی دو قسمیں ہیں: کنچی (Kunche) اور ٹٹا گلا (Totta gulla) جن میں سے آخر الذکر کا وجود شامیرپیٹھ میں ہے۔

پچا کنٹلا (Pichha Kuntla) کی دو قسمیں ہیں: بُرّ (Burra) اور گنٹا (Ganta)؛ باہمی شادی اور باہمی ہم طعامی کے نقطہ نظر سے یہ بھی آپس میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں۔ شامیرپیٹھ کے واحد پچا کنٹلا (Pichha Kuntla) خاندان کا تعلق بُرّہ (Burra) گروہ سے ہے۔

روایتی طور پر آتا ہے، خیال ہے کہ ان کا فرقہ ساڑھے بارہ حصوں میں منقسم ہے لیکن شامیرپیٹھ کا کوئی مالا ان بارہ حصوں کا نام نہ بتا سکا اور نہ آدھے حصے کے وجود کا سبب بیان کر سکا۔ ان کا جو حصہ شامیرپیٹھ میں ہے وہ اپنے کو مالا [illegible] کہتا ہے۔

بالآخر تلنگانہ میں اچھوتوں کی سب سے بڑی تعداد مدیگا ہے اور اس کی بھی چھ بڑی تقسیمیں ہیں۔ ان کے نام مدیگا (Madiga)، نُلکا سندیا (Nulka Sandayya)، بینڈلا (Baindla)، سندو (Sindu)، ڈکّل (Dakkal) اور ماشٹی (Mashto) ہیں۔ ان میں سے شامیرپیٹھ میں صرف مدیگا بستے ہیں۔ مدیگا کیوٹی کی مختلف تقسیموں میں ہر ایک کے خصوصی فرائض ہیں جو اس

ذات کی سماجی اور تہذیبی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ نلکاسندیا کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ جامبونتا
(Jama Vanta) رِشی کی اولاد ہیں۔(۱) انہی کے متعلق یہ خیال ہے کہ پورے مدیگا ذات کے بانی یہی ہیں۔
بینڈلا (Baindla) مدیگا کے لوگوں کی شادی کرانے والے پجاری ہوتے ہیں۔ بسندوگرہ کے مرد
مدیگا کے لیے گویے ہیں۔ اور ان کا پیشہ یہ ہے کہ پرانی کہانیاں گا کر سنائیں اور لوک ڈرامے پیش کریں۔
ان کی عورتیں کمیونٹی کی عصمت فروش ہوتی ہیں۔ ماشٹولو کرتب دکھا کر اپنا گزارہ کرتے ہیں۔ مدیگا کے تمام شاخوں
میں ڈکّلی کا درجہ سب سے کم ہے۔ البتہ ان کا امتیاز یہ ہے کہ رسمی طور پر وہ کسی غیر مدیگا سے کھانا لینے
سے انکار کرتے ہیں۔ برہمن جو ذات واری درجہ بندی میں سب سے اوپر ہے سوائے اپنی ذات کے
ہر شخص کے ہاتھ سے کھانا لینے سے انکار کریگا جس کا سماجی مرتبہ خود اس سے کم ہو۔ اور ساتھ ہی ساتھ
سب سے ادنیٰ ذات کا فرد بشمول برہمن اونچی سطح کی تمام جماعتوں کے ہاتھ سے کھانا لینے سے انکار کرتا ہے۔

ہر افراد 'داخلی ازدواجی' قسم 'خارجی ازدواجی' گوترم میں منقسم ہے۔ اور پھر ان کی بھی ذیلی تقسیم
کئی ایک وشٹوں (خاندانوں) میں کی جاسکتی ہے۔ ان تقسیموں کا اہم مقصد ازدواجی بندھن کا انضباط ہے
کوئی شخص اپنے ہی گوترم میں شادی نہیں کرسکتا۔ اسے لازم ہے کہ کسی دوسرے گوترم میں جس کا بالکل
علیحدہ نام ہو شادی کرے۔ مختلف گوترم کے بہت سے مشترک والنشام ہوسکتے ہیں اور چونکہ ایک ہی
والنشام میں شادی کرنا ممنوع ہے۔ اس لئے ایک شخص کو نہ صرف اپنے گوترم سے باہر بلکہ مختلف والنشام
میں شادی کرنی چاہیئے۔ اگر اپنے والنشام کا کوئی شخص مرجائے تو دس دن تک اس کا سوگ منانا ہوگا۔
ان ذیلی تقسیمات کے لوگ کوئی اور خاص کام انجام نہیں دیتے۔ مختلف گوتروں اور والنشام کے ناموں
کا گنوانا دشوار کام ہے اور یہ ایک زحمت پذیر چالیس پچاس ناموں کی فہرست ہوگی جس کی یہاں ضرورت
نہیں۔

آگے دیئے ہوئے نقشہ میں وسیع تر ذات کی ذیلی 'داخلی ازدواجی' ذاتیں مثلاً گوترم اور
والنشام دکھائی جائیں گی۔ اس لحاظ سے ایک شخص کو جو (۱) کی اکائی میں پیدا ہوا ہو اسی اکائی میں شادی کرنی
چاہیئے۔ اسی طرح 2، 3 اور 4 کی اکائیوں کے لوگوں کو ازدواجی تعلقات اپنی اپنی متعلقہ اکائیوں تک
محدود رکھنے چاہئیں۔ لیکن ان میں ہر اکائی کی تقسیم بہت سے 'خارجی ازدواجی' گروہ میں کی گئی ہے۔ اس
لئے یہ لازم آتا ہے کہ اپنے گوترم سے باہر شادی کی جائے۔ اس کے آگے ایک گوترم کی ذیلی تقسیم بہت

---

(۱). جیمبا ان کا ایک نمایاں کردار ہے۔

سے وانشام میں ہوتی ہے بعض صورتوں میں مختلف گوترم میں وانشام اجزا سے کے ایک ہی طرح کے نام ہوتے ہیں اس لیے مزید احتیاط لازمی ہوتی ہے۔ کیونکہ نہ صرف ایک شخص کو اپنے گوترم کے باہر شادی کرنی چاہیے۔ بلکہ اسے یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ وہ کہیں اپنے ہی وانشام میں تو شادی نہیں کر رہا ہے چاہے اس کا تعلق دوسرے گوترم سے ہو۔ مثال کے طور پر ایک شخص ذیلی ذات (۱)، گوترم (الف) وانشام (ا) سے تعلق رکھتا ہے تو اسے ذیلی ذات (۱) میں ہی شادی کرلی چاہیے اور وہ اپنی شریک حیات کو گوترم ب۔ ج۔ د میں سے چن سکتا ہے۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس کی پسند وانشام کے زمرہ الف میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اپنی ذوج وانشام ب، ج یا کسی ایسے وانشام سے پسند کرے جس کا نام مختلف ہو۔

ذات

4	3	2	1
الف ب ج د	الف ب ج د	الف ب ج د	الف ب ج د
ابجد ابجد ابجد ابجد	ابجد ابجد ابجد ابجد	ابجد ابجد ابجد ابجد	ابجد ابجد ابجد ابجد

۱، 2، 3، 4 ذیلی ذات

الف ب ج د گوترم

ا ب ج د وانشام

ہر اعتبار سے گوترم 'خارجی ازدواجی' خیل کی طرح ہیں۔ ہر گوترم کا ایک خاص نام ہوتا ہے جو قدیم ہندوستان کے کسی رشی کے نام سے اخذ کیا جاتا ہے۔ یا اس کی نسبت ٹوٹم (Totemic) کی ہوتی ہے وانشام کی اصطلاح سنسکرت سے اخذ کی گئی ہے جس کے معنی سلسلہ نسب کے ہیں۔ سماجیاتی نقطہ نظر سے "پدرنسبی" سماج کے ذیل میں اگر ہم سلسلہ نسب کی اس طرح تعریف کریں کہ وہ دونوں جنسوں کے لوگوں کی ایک ایسی انجمن ہے جس کی اولاد ایک واحد مورث اعلیٰ سے پدری سلسلہ میں چلی ہو (۱) تو اس اعتبار سے وانشام کو نسبی سلسلہ سمجھا جاتا ہے۔ ہر وانشام کا ایک منفرد نام ہوتا ہے جو ذیلی گروہ کے عام مورث اعلیٰ سے اخذ یا منسوب کیا جاتا ہے۔ ایسے شخص کی موت پر جو کسی فرد کے

---

(۱) میئر فورٹس (Meyer Fortes) کی کتاب The Dynamics of Clanship among the Tallensi (London ...) P. 30

وانشام سے تعلق رکھتا ہو خواہ ان میں رشتہ داری یا اولاد دادی بند صن ذہا ہو، رسمی طور پر آخرالذکر پر اس کا کیا کرم کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ اپنے ہی وانشام سے تعلق رکھنے والی لڑکی بہن اور لڑکا بھائی ہے اور یہی سبب ہے کہ کسی قسم کے جنسی تعلقات بد زنا کاری سمجھے جاتے ہیں۔ اس طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ان اجزاء کے ذمہ بجز ان امور کے جن کا ذکر کیا گیا ہے اور کوئی فرائض نہیں ہوتے اور نہ ان کی کوئی علیحدہ تنظیم، اقتدار یا رسوم ہوتے ہیں۔

اگرچہ کہ عام نقطۂ نظر سے ہم شامیر پیٹھ کو تلنگانہ کے مواضعات کا ایک نمایندہ گاؤں قرار دے سکتے ہیں تاہم کچھ ملکو بسنے والی ذاتیں جو تلنگانہ کے دیہی حصوں میں اہمیت رکھتی ہیں، ان گاؤں میں نہیں پائی جاتیں۔ پھر بھی ان ذاتوں پر یہاں ایک سرسری نظر ڈالنا سود مند ہوگا۔ ویلما (Velma) ایک متمول زراعتی ذات ہے جو کم و بیش ریڈی کی ہم رتبہ ہے۔ کاپو گروہ کی ایک اور ذات کما ہے جو ریڈیوں کے ساتھ باہم کھانا کھاتے ہیں، لیکن کمتر اعلیٰ ذات کے برابر شمار کیے جاتے ہیں۔ بالجا (Balja) تجار شیوائی (Lingayats) ہیں جن کا رتبہ کومٹی سے کسی قدر بالاتر سمجھا جاتا ہے۔ گانڈلا (Gandla) تیل نکالنے کا کام کرتے ہیں جن کا رتبہ سالے (Sales) اور گونڈلا کے برابر ہے۔ یناوی (Yenadi) جو تلنگانہ کے کچھ حصوں میں گاؤں کی محافظت میں کام انجام دیتے ہیں، ارکلا (Erkala) کے برابر کا رتبہ رکھتے ہیں۔ لمباڑہ کی زندگی رنگین ہے اگرچہ تلنگانہ کے علاقہ میں یہ خارجی عنصر سمجھے جاتے ہیں۔ اپنی زبان، لباس اور زیورات میں وہ تلنگانہ کے باقی لوگوں سے مختلف ہیں۔ ان کی زبان اور ان کی جسمانی ساخت سے ان کی شمالی اصلیت کا پتہ چلتا ہے۔ لمباڑہ عورتوں کا لباس خوشنما ہوتا ہے۔ ان کے مختلف رنگوں والا جامہ (لہنگا) ان کی کسی ہوئی انگیا (چولی) اور اوپر کا پٹرا (اوڑھنی) سب پر سوئی گل بوٹوں کا کام ہوتا ہے۔ اور ان میں آئینوں کے ٹکڑے ٹکے ہوتے ہیں۔ اس کے زیورات وزنی اور نمائشی ہوتے ہیں اور دیہات کے گرد آلود راستوں پر ان کی جھنجھناہٹ کی آواز فضا میں افسانوی رنگ کی لہر پیدا کرتی ہیں۔ شامیر پیٹھ سے تقریباً چھ میل پر لمباڑوں کی ایک بستی ہے اور قریب کے راستوں پر وہ عام طور پر دکھائی دیتے ہیں۔

تین خانہ بدوش ذاتوں کے گروہوں کا ذکر بھی مناسب ہوگا یہ ہیں، بلسان تانم (Balsan Tanam)، شاردا، گالو (Sharada - galu) اور دساری (Dasari). بلسان تانم چھوٹی پست اور قابل حمل جھونپڑیوں میں رہتے ہیں اور گاؤں گاؤں پھرتے ہیں۔ چٹائیاں بنتے ہیں۔ گاتے اور مذہبی داستانیں گاتے ہیں اور گاؤں کے کاشتکاروں سے بھیک مانگتے ہیں۔ شاردا گالو پیشہ ور قصہ گو ہیں

ان کے پاس آبائی قصوں کا ایک بڑا گنجینہ ہے جسے سنا کے وہ روزی کماتے ہیں۔ اسی طرح دساری دیہاتی تماشے ہیں، بچہ نوک، ڈرامے، دکھا کے گاؤں والوں کا دل بہلاتے ہیں۔ ان تمام ذاتوں کے لوگ جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے شاہ میر پیٹھ میں کبھی کبھی آتے رہتے ہیں۔

(2) داخلی تنظیم، اقتدار اور عدالتی طریقہ کار

شاہ میر پیٹھ کی داخلی تنظیم میں دو مختلف اکائیاں صاف نظر آتی ہیں۔ گاؤں کی سماجی مذہبی تنظیم کے لیے علیحدہ علیحدہ عہدہ دار اور کارکن ہیں جو حکومتی انتظام سرکاری عہدہ داروں سے بالکل مختلف ہیں۔ حسب ذیل سے گاؤں کی داخلی سماجی مذہبی تنظیم کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

دیشمکھ (Deshmukh) — پنچایت (Panchayat)

(گاؤں کا سربراہ) — (گاؤں کی مجلس)

گناڈی (Ganadi)

(گاؤں کی تنظیم کرنے والے)

کلم پدا (Kulam Pedda)

(مختلف ذاتوں کے سربراہ)

پدامنشی (Peddamunshi)

یا

انٹی پدا (Inti Pedda)

(سربراہ خاندان)

دیشمکھ گاؤں کا موروثی سربراہ ہوتا ہے۔ وہ بستی کا سب سے زیادہ مالدار آدمی ہے اور بڑی زرعی جائداد کا مالک ہے۔ تین سو سال پہلے اس کے اجداد گاؤں کے چودھری بنے تھے اور اس وقت سے خاندان میں اس عہدہ کا تسلسل جاری ہے۔ اپنی دولت اور سرکاری حکام سے تعلقات کی بنا پر دیشمکھ گاؤں میں مرکزی شخصیت کا مالک ہے اور صاحب اثر ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے الفاظ اب قانون کا درجہ نہیں رکھتے تاہم گاؤں میں اس کا بڑا اثر ہوتا ہے اور گاؤں کی تمام تقریبات میں اس کو عزت کی جگہ دی جاتی ہے۔ گاؤں کے جھگڑے خواہ کیسے ہی اہم کیوں نہ ہوں اسی سے رجوع کیے جاتے ہیں۔ اس کے فیصلوں اور مرضی کو شاذ ہی نظر انداز کیا جاتا ہے۔ پھر بھی دیشمکھ خود اپنے اختیار و صوابدید سے بہت کم

فیصلے صادر کرتی ہے۔ وہ پنچایت کی جگہ لیتا ہے جسے مجموعی طور پر گاؤں کی مرکزی مجلس کہا جاسکتا ہے۔ بلاشبہ
دلیشکھ پنچایت کی کارروائی اور اس کے مباحث میں نمایاں حصہ لیتا ہے اور اسے اس نہج پر چلاتا ہے کہ
معاملات میں اس کا مقصد پورا ہو۔

پنچایت یا گاؤں کی مجلس میں گاؤں کی تمام اعلیٰ ذاتوں کے سربرآوردہ اشخاص ہوتے ہیں اور اس
کے ماسوا کئی دولت مند اور صاحب اثر اشخاص بھی شامل ہوتے ہیں۔ اس میں لازمی طور پر گاؤں کا سربراہ
اور گاؤں کی رسوم کے تین منتظمین شامل ہوتے ہیں۔ مئی ۱۹۵۴ء کی پنچایت ستائیس اشخاص پر مشتمل تھی۔
چار گاؤں کے عہدہ دار (ایک دلیشمکھ اور تین گناڈی) سترہ گاؤں کے اندر رہنے والی مختلف ذاتوں کے
سربرآوردہ افراد اور چھ دوسرے متمول اور بااثر اشخاص۔ مختلف کمیونٹی کے سترہ افراد میں سے آٹھ اراکین
گاؤں کی کونسل میں غیر کارکردہ ہیں۔ یہ صرف کسی تقریبی اور دیگر مجالس میں شرکت کرتے ہیں اور جب عام
معاملات کے لیے بیٹھک ہوتی ہے تو اس میں نہیں آتے۔ ان آٹھ غیر کارکرد اراکین میں سے دو اس لیے
شرکت نہیں کرتے کہ انھیں شکایت ہے کہ کچھ اراکین کی تنگ نظری کے باعث ان کے خیالات پر مناسب
توجہ نہیں دی جاتی۔ اس لئے مباحث میں ان کی شرکت بے سود ہوگی۔ دوسرے اس لئے شرکت نہیں
کرتے کہ وہ اپنے کاموں میں بے انتہا مشغول ہوتے ہیں اور مقامی سیاست میں الجھنا نہیں چاہتے۔
بہرحال ان چھ اشخاص کے نمائندے پنچایت کی کارروائیوں میں موجود رہتے ہیں۔ متمول اور صاحب اثر
اشخاص کے زمرہ میں سے چھ اراکین یہ ہیں: و پ ر (V. P. R.) ایک بڑا ریڈی کاشتکار، س ب ر
(S. B. R.) ایک متمول تاڑی نکالنے والا، ن ب (N. B.) ایک مدیگا کاشتکار، ک م (K. M.) ایک
مسلم وظیفہ یاب جو گاؤں کے ایک بااثر عہدہ دار کا بھائی ہے، ک ج (K. G.) ایک خوشحال گڈریا
اور ب ن (B. N.) ایک بڑا مالا کاشتکار۔

گاؤں کی پنچایت میں رسمی طور پر گاؤں کے اہم عہدہ دار، مختلف ذاتوں اور مذہبی گروہوں
کے سربرآوردہ اشخاص اور کچھ دوسرے بااثر لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ دیکھا گیا ہے کہ کسی نہ کسی وجہ سے
ذات کے بہت سے سربراہ اس کی سبھا میں شرکت نہیں کرتے۔ بہت سی صورتوں میں وہ اہم شخصیتی
خصوصیات نہیں رکھتے اور انھیں کوئی اعتراض نہیں ہوتا اگر دوسرے ان کی نمائندگی کریں۔ آہستہ آہستہ
باقوتی اور بااثر اشخاص ان غیر کارکرد اراکین کی جگہ ابتداءً عارضی طور پر پھر مستقلاً لے لیتے ہیں۔ کمیونٹی کے
چھوٹے بااثر گروہ کے افراد یا دوسرے شرپسند لوگ مصلحتاً پنچایت میں مدعو کیے جاتے ہیں کیونکہ
اس سے ان کی خودنمائی کی تشفی ہوتی ہے۔ ان کی اہمیت کا یہ اعتراف بعض صورتوں میں ان میں سماجی

ذمہ داری کا احساس پیدا کر دیتا ہے۔

پنچایت مختلف اہم امور انجام دیتی ہے۔ یہ چھوٹے جھگڑوں کا فیصلہ کرتی ہے جو عام طور سے فوجداری یا دیوانی عدالت میں نہیں بھیجے جاتے۔ نیز گاؤں والوں کی طرف سے جو بھی طور پر جن تقریبات کا انعقاد ہوتا ہے ان کا پروگرام پنچایت بناتی ہے۔ اگر چیچک، ہیضہ، طاعون کی اطلاع کسی قریبی گاؤں یا خود شامیر پیچھے سے ملتی ہے تو وہ ایک دن مقرر کرتی ہے جس روز تمام گاؤں کو اس مرض متعدی کی مصیبت سے بچنے کے لیے مذہبی عبادات کرنی پڑتی ہیں۔ یہاں چندہ کا تعین کرتی ہے جو اجتماعی کاموں کے لیے خاندانوں کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ ایسی کوئی ذمہ داری جو پورے گاؤں پر لاگو ہو، اس کی تحریک بھی اکثر پنچایت کی طرف سے ہوتی ہے۔ مثلاً ایک دیول یا شوالہ کی تعمیر پیش نظر ہو یا تالاب یا کنویں کی مرمت تو یہ معاملہ پنچایت میں پیش ہوگا۔ یہ سبھا اس کی تیاری کا خاکہ بنائے گی اور بالبعد اس کی تفصیلات کا تعین کرے گی۔ چندہ جو لیا جاتا ہے اس کی مقدار بھی وہی مقرر کرے گی۔ اور اسے ہر گھرانے سے وصول کرے گی۔ اگر رقمی امداد کے لیے حکومت سے رجوع کرنا ضروری ہو جائے تو پنچایت اس موضوع کا پورا جائزہ لے گی۔ اور تمام امکانات پر تنقیدی نظر ڈالے گی۔ ان مباحث کے بعد ہی اس کا فیصلہ ہوگا کہ صحیح طور پر قدم کس طرح اٹھایا جائے۔ اسی طرح اگر کسی سرکاری عہدہ دار کے خلاف شکایت کرنی ہو تو اس پر پہلے پنچایت میں بحث ہو گی۔

گاؤں کی کمیونٹی میں بہت سے گروہ اور فریق ہوتے ہیں اور مختلف چھوٹی چھوٹی جماعتیں اکثر اختلافی نظریات رکھتی ہیں۔ تاہم پنچایت کی سبھا میں عام طور سے بغیر چوں و چرا اقلیت اکثریت کو تسلیم کرتی ہے لیکن بعض اوقات پنچایت کے فیصلے کے خلاف مخالف گروہ کے افراد صف بندی کر سکتے ہیں۔ متعدد گروہ بندیوں کے باعث اور کچھ اقلیتی گروہوں کی جانب سے چند سرکش افراد کو خاموشی سے یہ شہ دینے کی وجہ سے کہ اس کے فیصلوں کو نظر انداز کیا جائے، پنچایت کا اقتدار کسی قدر کمزور پڑ گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پنچایت کی سماعت اور فیصلے کے بعد بھی بعض مقدمات بوجہ عدم تعمیل پڑے رہتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً ایسے مقدمات غور کرنے کے لیے پیش ہوتے ہیں مگر ان کا آخری فیصلہ دو یا تین سال سے پہلے کبھی نہیں ہونے پاتا۔ کبھی طویل مدت والے مقدمات مال یا پولیس کے عہدہ داروں کی مؤثر مداخلت سے منفصل ہوتے ہیں۔ لیکن ایسی صورتیں کم ہوتی ہیں۔ صرف ایسا شخص جو نسبتاً دولت مند ہو پنچایت کی عدول حکمی کر سکتا ہے کیونکہ طویل کارروائیوں میں وہ کسی چھوٹی جماعت کی ہمدردی اور حمایت اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ انھیں رشوت سے اپنا نہ بنا سکے۔ اکثر معمولی مقدمات میں پنچایت

کا فیصلہ پابند اور آخری ہوتا ہے۔

یہ بتلایا جا چکا ہے کہ پنچایت میں مختلف ذات واری گروہ کے تمام سربرآوردہ اشخاص اور مسلم جماعت کے افراد بھی شامل ہوسکتے ہیں۔ یہ سربرآوردہ اشخاص صرف اپنی ذات کی نمائندگی ہی نہیں کرتے بلکہ ان سے اس سے زیادہ کی امید کی جاتی ہے۔ حقیقتاً کسی ذات کا سربرآوردہ آدمی گاؤں میں بسنے والی اپنی ذات کی جانب سے گاؤں کی عام تنظیمی اکائی کے درمیان ایک طرح کی کڑی ہوتا ہے جو دوسری جانب پڑوس کی وسیع تر ذات واری تنظیم سے ملتی ہے۔ جب ایک ذات کی پنچایت اپنے پورے علاقہ کی سبھا قائم کرتی ہے تو اس میں بلاشبہ اپنی ذات کا سردار یا چودھری ہی ہوتا ہے جو اپنے گاؤں کی ذات واری گروہ کی جانب سے اس کے مباحث میں حصہ لیتا ہے۔ یہ عہدہ وراثتی ہے جو باپ سے بیٹے کو ملتا ہے لیکن اگر اپنے باپ کی موت کے وقت بیٹا سن بلوغ کو نہ پہنچا ہو اس لیے ذمہ داری قبول کرنے کے قابل نہ ہو تو مرنے والے کا کوئی بھائی نابالغ کی جانب سے صاحب اختیار ہوگا۔ بعض صورتوں میں سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد بھی لڑکا صرف نام کا سربراہ رہتا ہے اور حقیقتاً اس کا چچا سربراہی کا کام جاری رکھتا ہے۔ کسی سربراہ کے کام کے تعلق سے عام مسلمہ رائے یہ ہوتی ہے کہ "اسے اپنے لوگوں کو قابو میں رکھنا چاہیئے" اور "انھیں اس بات کی اجازت نہیں دینی چاہیئے کہ وہ روایتی طرز زندگی سے پھر جائیں"۔ "اگر میری جماعت کے لڑکوں کا برتاؤ درست نہ ہو تو پنچایت انھیں قابو میں نہ رکھ سکنے پر مجھے ملامت کرتی ہے۔ گاؤں کا سربراہ کہتا ہے کہ میں انھیں روک نہ سکوں تو مجھے کیا اختیار ہے؟" یہ بات ذات کے ایک سربراہ نے کہی تھی۔ اس کے مفوضہ کام کے تعلق سے اس پر عام اتفاق ہے کہ "ایک اچھے سربراہ کی نگرانی میں ذات کے لڑکے مسلمہ اقتدار کا حکم مانتے ہیں، بڑوں کی عزت کرتے ہیں، اور اس کی عملداری کے حدود میں گھریلو جھگڑوں کی خبریں کم سننے میں آتی ہیں"۔ یہ سب وہ اپنی شخصیت کے زور پر کرتا ہے کیونکہ اس کے اقتدار کی نوعیت صریح طور پر طے نہیں کی گئی ہے اس لیے سخت اور مستقل مزاج، تیز، نرم دل اور مدبر ہونا چاہیئے۔ اگر وہ صرف سختی کرے تو اسے لوگوں کی پرجوش حمایت حاصل نہ ہوسکے گی۔ اور اگر وہ بے حد رعایت کرے تو اس کی بات پر کوئی دھیان نہیں دے گا۔ یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ ذات کے بعض سربراہ پنچایت کے رکن صرف نام کے ہوتے ہیں اور ان کے بجائے سبھا میں ذات کی جانب سے دوسرے نمائندگی کرتے ہیں۔ ایک کے سوا یہاں کے باقی ذات کے سربراہ مندرجہ بالا اوصاف سے معرا ہیں۔ اور عام طور پر ان کی ذات کے لوگ ان کے خیالات کی زیادہ عزت نہیں کرتے۔ ذات کے کم از کم دو موروثی سرداروں کو ان کے اپنے

لوگ حقارت سے دیکھتے ہیں اور گاؤں والے ان کی تضحیک کرتے ہیں۔ ذات کے کامیاب سربراہ
میں ای ڈی ڈر (E.D.R.) کا پور (زراعتی) سرگروہ کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اس کی عمر تیس سال سے زیادہ ہے
لیکن سن رسیدہ لوگ بھی اس کی بات سنتے ہیں۔ اگر ایک لڑکا اپنے ماں باپ کا لحاظ نہیں کرتا یا کوئی میاں
بیوی کا ہمیشہ برسر عام لڑتے ہیں، اگر ذات کا کوئی شخص اپنی ذمہ داریوں کو پوری نہیں کرتا یا اور کسی طرح ذات
کی بے عزتی کا باعث بنتا ہے، اگر لڑکے قابو سے باہر ہو جائیں یا معمولی رعایتوں کے لیے لڑکیوں کے
سر ہونا آجائے تو ان تمام صورتوں میں وہ موثر طریقہ پر برسر موقعہ مداخلت کرتا ہے اور صلاح و مشورہ
دیتا ہے۔ اگر لوگ اس کی رائے پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں تو وہ ان کی تنبیہ کرتا ہے اور نابالغ یا
کم سن لڑکوں کی صورت میں وہ انھیں ہلکی جسمانی سزا بھی دے سکتا ہے۔ لڑکوں سے معاملات میں ای ڈر
(E.D.R.) کو کچھ ڈرامائی اوصاف حاصل ہیں جس کے باعث وہ اپنے لوگوں میں ہیرو بنا ہوا ہے۔ گاؤں
کے مشوروں میں اس کا بڑا اثر ہونے کے باعث اسے اپنی ذات کے لوگوں نیز دوسروں کی اطاعت
حاصل ہے۔ وی پ ر (V.P.R.) بھی جو ایک معنی میں ای ڈی ڈر (E.D.R.) کا رقیب ہے بڑی شخصیت
رکھتا ہے اگرچہ وہ ذات کا سربراہ نہیں مانا جاتا تاہم وہ اپنے حلقہ اثر میں کافی کنٹرول رکھتا ہے۔ اپنے اس
اثر کے باعث وہ بھی ان لوگوں میں سے ہے جن کو پنچایت کے مباحثہ میں حصہ لینے کی دعوت دی جاتی
ہے۔ تاہم یہ دونوں افراد ایک دوسرے سے ربط رکھتے ہیں ہوشیاری سے کام لیتے ہیں اور
ابھی تک ای ڈر (E.D.R.) کی حیثیت پر کوئی موثر نکتہ چینی نہیں کی گئی۔ ذات کے سربراہ کی حیثیت
اس کی مرضی کے مطابق ہوتی ہے البتہ متنی رقیب اس کے اقتدار کی چمک کو کم کر سکتے ہیں لیکن اگر
وہ نااہل ثابت ہو تو اس کی جگہ کوئی ایسا شخص آجائے گا جو اس سے زیادہ قابل، حوصلہ مند اور شدت
پسند ہو۔

خاندان کے ڈھانچہ اور اس کے امور میں صدر خاندان کے رول کا تجزیہ بعد کے باب میں
کیا جائے گا۔ یہاں یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ شاہ میر پیٹھ میں اور اس کے پڑوسی دیہاتوں میں خاندانی تنظیم ’پدر
نسبی‘ اور ’پدر مقامی‘ ہے۔ مشترک خاندان کو مثالی سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ رجحان اس طرف ہے کہ
شادی کے بعد لڑکے علیحدہ ہو جائیں اور بھائی تو باپ کی موت کے تھوڑے ہی دنوں بعد تقریباً
ہمیشہ کے لیے الگ ہو جاتے ہیں۔ سب سے بڑا لڑکا عام طور پر گھرانے کا سربراہ بنتا جاتا ہے اور
روایت کے مطابق اس سے مشفقانہ قیادت کی توقع ہوتی ہے۔ گھرانے میں اس سے کم عمر والے
اراکین کو اس کی عزت اور اس کی مرضی کا لحاظ کرنا چاہیے اور اس کے بدلے میں سربراہ کو چاہیے کہ

اپنے بھائیوں اور لڑکوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرے گویا وہ اسکی دو آنکھیں ہیں؛ خاندان کے کسی شخص سے اگر اہم سماجی مذہبی جرم صادر ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ پورے خاندان کو ذات باہر کر دیا جائے۔ اس کے پیش نظر صدر خاندان کو چاہیئے کہ اپنے گھرانے کے پورے اراکین کی حرکتوں پر نظر رکھے، نصیحت کرے۔ اور ضرورت کے لحاظ سے انھیں آگاہ اور متنبہ کرے۔ صدر خاندان اپنے گھرانے کے افراد کے بارے میں ذات اور گاؤں کی مجلس کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے اور یہ چیز اسے اس کا مجاز بناتی ہے کہ وہ گھریلو معاملات کو قابو میں رکھے۔ صدر خاندان ہونے کی صورت میں بھی بہت کچھ انحصار اس کے کردار اور شخصیت پر ہوتا ہے۔ ایک غیر ذمہ دار صدر جس کے ذمہ خاندان کے لوگوں کے واجبات ہوتے ہیں وہ انھیں پورا نہ کرے تو اس پاداش میں وہ ان کی فرماں برداری اور احترام کا حقدار نہیں رہ جاتا اور ایسی صورتوں میں گاؤں کے لوگوں کی ہمدردی خاندان کے ان دیگر افراد کی طرف ہو جاتی ہے جو اس کے خلاف ہوں۔ الگ ہو جانے کے بعد بھی مستحسن یہی ہے کہ بڑوں کے ساتھ ادب و عزت کے ساتھ پیش آیا جائے۔ خاندانی ملاپ کے موقعوں پر مثلاً زندگی کے بحران کے وقت یا جب کہ مُردوں کی روحوں کو پانی دینے کی سالانہ رسم ہو تو ان موقعوں پر خاندان کے بزرگ کو اوّلیت دی جاتی ہے۔ عام طور پر علیحدگی کے بعد بھی بیماری اور مشکل پیش آنے کی صورتوں میں اس کی مدد طلب کی جاتی ہے اور ان تمام معاملات میں جن میں ایک یا دوسرے کی افضلیت کا سوال ہو ترجیح ہمیشہ بزرگ ہی کو دی جاتی ہے۔ تاہم صدر خاندان کی حیثیت خاندانوں کی مناسبت سے بدلتی رہتی ہے جس کا بیان آگے آئے گا۔ دیہات کے سرکاری یا غیر سرکاری عہدہ داروں میں سب سے اوپر دیشمکھ ہوتا ہے جس کی اضافی حیثیت حسب ذیل کے جدول میں دی گئی ہے۔

دیشمکھ

سب انسپکٹر پولیس، ہیڈ کانسٹبل، ماسٹر، کانسٹبل

(بشمول خدمات مالی و پولیس پٹیل)

پٹواری

(1)	کساولکر	(Kawalkar)	(6)	یٹّی	(Yetti)
(2)	تلاری	(Talari)	(7)	وادلا	(Wadla)
(3)	مجکوری	(Majkori)	(8)	کمّاری	(Kammari)
(4)	نیرودی	(Neerudi)	(9)	کمّاری	(Kummari)
(5)	بیگاری	(Begari)	(10)	ساکلی	(Sakali)

(۱۱)	منگلی	(Mangali)	(۱۳)	ڈھپو	(Dappu)
(۱۲)	انبدا	(Avvuda)	(۱۴)	کمو	(Kavvavu)

— دیشمکھ گاؤں کا اصلی سربراہ ہوتا ہے۔ دو سو دس ایکڑ کی معافی لگان کی اراضی جس کا لگان ۴۲۰ روپے چھ آنے ہوتا ہے اس کے لیے منظور ہے۔ رسمی طور پر مال اور پولیس پٹیل کا عہدہ بھی اس کے پاس ہوتا ہے۔ پہلی حیثیت میں وہ سرکاری عہدہ داروں کو زمین کے محاصل وصول کرنے میں مدد دیتا ہے دوسری حیثیت میں وہ پولیس کو نظم و نسق قائم رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ پہلے دیشمکھ معافی لگان کی اراضی کو جو معاوضہ میں دو حیثیتوں میں کام کرنے والے سرکاری آدمیوں سے متعلق تھی کاشت کرتا تھا لیکن اس نے اپنے اقتدار اور فرائض منصبی کو ایجنٹ کے سپرد کر دیا جو اس کے بجائے کام کرتے تھے۔ اب اس معافی اراضی کے بجائے گاؤں سے محصل لگان کا کچھ فیصد ملتا ہے۔ اس طرح اسوقت دیشمکھ مال پٹیل اور پولیس پٹیل دونوں ہے۔ لیکن حقیقی طور پر یہ فرائض اس کے ایجنٹ انجام دیتے ہیں۔ گاؤں کے مال پٹیل کی حیثیت سے دیشمکھ ہر فصل کے بعد جو تدابیر اختیار کرتا ہے جس سے اراضی کی مالگذاری جلد وصول ہو جاتی اور ضلع کے خزانہ میں داخل کی جاتی ہے۔ اراضی کے حسابات کے کاغذات اور گاؤں کے محاصل کے معاملات میں پٹواری اس سے مدد لے سکتا ہے جس کے صلہ میں گاؤں کی پوری اراضی کے محاصل کا اسے سالانہ پانچ فیصد ملتا ہے۔ پولیس پٹیل کی حیثیت سے دیشمکھ کو سال میں جو مالگذاری جمع کی جاتی ہے اس کے پانچ فیصد کا مزید استحقاق ہوتا ہے۔ اس حیثیت میں اسے پولیس کو گاؤں میں کسی جرم کے ارتکاب کی باقاعدہ اطلاع دینی پڑتی ہے۔ نیز اسے بدکردار اشخاص اور مشکوک بیرونی لوگوں کی حرکات پر نظر رکھنی ہوتی ہے۔ وہ گاؤں میں پیدائش اور اموات کی رودداد بھی مرتب کرتا ہے۔ یہ اس کا فرض ہے کہ گاؤں میں جو مجرمانہ [illegible] ہوئی ہوں ان کی تفتیش میں پولیس کی ہر ممکنہ مدد کرے۔ دوسرے عہدہ دار مثلاً سب انسپکٹر پولیس، ہیڈ کانسٹبل، کانسٹبل اور مددگار صاحبان مقامی آبادی کے مستقل جزو نہیں ہیں اور اس لیے عام طور پر مقامی سیاست اور دوسرے معاملات میں شریک نہیں ہوتے۔ پولیس کے عہدہ دار کو عزت و اقتدار دونوں حاصل ہوتے ہیں اور عام طور پر لوگ ان سے بہت ڈرتے ہیں۔

پٹواری اس حقیقت کے باوجود کہ وہ مال اور زمین کے کاغذات مرتب کرنے والا ایک چھوٹا عہدہ دار ہے۔ گاؤں میں اس کی حیثیت مرکزی ہوتی ہے اور مقامی سیاست میں نہایت اہم حصہ لیتا ہے۔ چونکہ زمین کے کاغذات اس کی تحویل میں ہوتے ہیں وہ مالکین زمین کی منفعت یا نقصان

دولوں میں جوڑ توڑ کر سکتا ہے۔ اس لیے وہ اس سے اکثر مشورے اور رائے لیا کرتے ہیں۔ پٹواریوں کے متعلق عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ "انھیں معاوضہ ملے تو وہ کیا نہ کر گذریں گے۔ پیسہ دیجیے تو وہ اپنے باپ کو بھی حرامی ثابت کر دکھائیں گے"۔ مقادیر پیٹھ کا موجودہ پٹواری اپنی ذہنی حیثیت میں متوسط آدمی سے کچھ زیادہ تیز فہم ہے اور خود ایک متوسط اور مالدار کاشتکار ہے جس کے پاس اپنے بھائی کی شراکت میں تقریباً (247) ایکڑ زمین ہے اسے سرکار سے کوئی تنخواہ نہیں ملتی اور وہ کوئی لگان کی معافی والی اراضی رکھتا ہے۔ لیکن سرکار میں اس کے کام کے معاوضہ کے طور پر زمین کی پوری مالگذاری کا کچھ فیصد اس کے لیے مقرر کر دیا ہے۔

جیسا کہ اکثر وسطی اور جزیرہ نمائے ہند میں ہے ریاست حیدرآباد کے جملہ مواضع میں بھی گاؤں کے بہت سے ادنیٰ چاکر ہیں ان کا کام گاؤں کی اندرونی تنظیم میں دو طرح کا ہوتا ہے۔ گاؤں کی روزمرہ زندگی میں مقررہ فرائض کی انجام دہی اور وہ خاص فرائض جو گاؤں میں سرکاری عہدہ داروں کے دوروں کے انتظامات کے متعلق انجام دینے ہوتے ہیں۔ گاؤں کے ان ادنیٰ چاکروں کے درمیان تقسیم کار مختلف ذاتوں کے روایتی پیشوں پر ہوتی ہے۔ ان کے کام کی اجرت اکثر برائے نام ہوتی ہے۔ ان میں سے کچھ کو ماہانہ چھوٹی تنخواہیں ملتی ہیں۔ دوسروں کو کچھ کھیت لگان کی معافی کے دیئے جاتے ہیں اور کچھ اپنی کمائی گاؤں کے دوسرے کاشتکاروں سے فصل کے ذریعہ اپنا حق حاصل کر کے پوری کر لیتے ہیں۔

موجودہ کامگاروں یا گاؤں کے ادنیٰ چاکروں میں سے چھ مختلف قسم کی خدمتیں انجام دیتے ہیں۔ ان کو تین روپے ماہانہ تنخواہیں ملتی ہیں۔ باقی کو چھوٹے چھوٹے لگان کی معافی والے اراضی کے ٹکڑوں سے اس خدمت کے بدلے میں استفادہ کا موقعہ دیا گیا ہے جو وہ وقتی طور پر انجام دیتے ہیں۔ کوتوال گاؤں پر نگرانی رکھنے اور شب گشت لگانے کا ذمہ دار ہے۔ اسے پولیس اور پولیس پٹیل کو جرم کا پتہ لگانے اور جرم کے انسداد میں مدد کرنی پڑتی ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ جرم "امراض متعدی" پیدائش اور موت کے واقعات کی فوری اطلاعیں پولیس پٹیل کو بہم پہنچائے۔ عہدہ داروں کے ایماء پر وہ سرکاری ڈاک اور مالگذاری کی رقوم بھی لے جاتا ہے۔ عام طور پر اس کا یہ فرض ہے کہ دورہ کنندہ سرکاری عہدہ داروں کے کام میں ہاتھ بٹائے۔ ان کاموں میں تلاری اور جکوری اس کی مدد کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں ادنیٰ چاکر بھی اسی قسم کا کام انجام دیتے ہیں۔ دورہ کنندہ افسروں کے لیے تلاری کو پانی لانا پڑتا ہے۔ جکوری جملہ متعلقہ امور کی اطلاع پولیس اور دیشمکھ کو دیتا ہے۔ موجودہ

کا ادلکار ریڈی ذات سے تعلق رکھتا ہے اور تلاری قساری ذات کا ہے۔ دونوں مجکوری اچھوت مالا
ہیں۔ سرکاری مراسلت کا لے جانا، رقوم کا ادخال، نیز گاؤں کا گشت لگانے کا کام ان دونوں مجکوریوں کے
سپرد ہوتا ہے۔ اس وقت گاؤں میں تین نیرودی ہیں جن میں سے دو مالا ہیں اور ایک مدیگا۔ یہ ان کا فرض
ہے کہ تالاب کے بند کی نگرانی کریں اور بالخصوص سیلاب کے دروازوں کی حفاظت کریں اور کسی نقصان
یا مشتبہ خطرناک کوشش کی اطلاع دیں۔ وہ وقتاً فوقتاً تالاب کے پانی کی سطح کا بھی جائزہ لیتے ہیں اور گاؤں
کے اعلیٰ عہدہ داروں کو اطلاع دیتے ہیں۔ تینوں نیرودی کو اجتماعی طور پر سرکار کی جانب سے تری اراضی کے
سات ایکڑ معافی لنگان کے منظورہ ہیں۔ موجودہ بیگاری مالا ذات سے تعلق رکھتا ہے اور اس ادنیٰ خدمت
کے علاوہ گورکن کا پیشہ بھی کرتا ہے۔ اس کا خاص کام یہ ہے کہ گاؤں کی قیام گاہ (رسٹ ہاؤس) کی صفائی کرتا
رہے جہاں کبھی کبھی مسافر اور کم درجہ کے افسر آتے ہیں۔ سردی کی شام وہ یہاں آگ جلاتا ہے، اور عام
طور پر رات کو یہیں سوتا ہے۔ گاؤں میں جو کتے، بلیاں اور گدھے مرتے ہیں انھیں وہی پھینکتا ہے کیونکہ
مدیگا صرف مرے ہوئے مویشیوں کی حد تک توجہ کرتے ہیں اور دوسرے مرداروں سے کوئی مطلب نہیں
رکھتے۔ شاید پیشے کے بیتی، ساکالی اور مدیگا ذاتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ سکالی بیتی ادنیٰ قسم ہیں
اچھا کام کرتے ہیں مثلاً دورہ کنندہ سرکاری عہدہ داروں کے اسباب کی باربرداری۔ کیونکہ یہ حضرات
اچھوت مدیگا کا اپنے اسباب کو ہاتھ لگانا پسند نہیں کرتے۔ جبکہ مدیگا بیتی کو مختلف طرح کا نیچ کام کرنا
پڑتا ہے۔ گاؤں کا گشت لگانا، سرکاری عمارات کی نگرانی کرنی اور کبھی کبھار جھاڑنے اور گاؤں کو صاف
رکھنے کا کام ان کے ذمہ کیا جاتا ہے۔ نیز دورہ کنندہ سرکاری افسروں کے لیے انھیں ایندھن بھی لانا پڑتا ہے
بیتی کو کام کی کوئی تنخواہ نہیں ملتی اور دورہ کنندہ افسران جو کچھ انھیں برائے نام دیتے ہیں وہ ان کے کام
سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ گاؤں کے باقی دیگر ادنیٰ چاکر ذات وار کی پیشہ ور گروہ سے تعلق رکھتے ہیں
اور کچھ نیم سرکاری فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔ مثلاً دلدلا کے لیے ضروری ہے کہ تالاب کے سیلابی
دروازوں کی مرمت کرے۔ فرنیچر ٹھیک کرے اور سرکاری دفاتر کے دوسرے لکڑی کے کام کرے
گاؤں کے مرکزی حصہ کی دیکھ بھال کرے جہاں کہ جھنڈا نصب کیا جاتا ہے۔ نیز بلا معاوضہ یا برائے نام
معاوضہ کے عوض سرکاری عہدیداروں کے خیمے نصب کرنے کے لیے کھونٹیاں فراہم کرے۔ ضرورت
پڑنے پر کماری سرکاری عہدیداروں کے لیے لوہے کا کام بھی کرتے ہیں۔ سرکاری عہدہ داروں کے
دورہ کے موقعہ پر کماری کا کام ہے کہ مٹی کے برتن مہیا کرے۔ سکالی ان کے کھانا پکانے کے برتن اور
رکابیاں صاف کرتا ہے۔ ان کے کپڑے دھوتا ہے اور ان کا اسباب دوسرے کیمپ تک لے جاتا

ہے۔ منگال گاؤں کی قیام گاہ میں چراغ روشن کرتا ہے، دورہ کنندہ افسر کی داڑھی بناتا ہے اور جب ضرورت ہوتی ہے اس کے جسم کی مالش بھی کرتا ہے۔ مادیگا کا یہ فرض ہے کہ بوقت ضرورت ایسے کھوٹے سکوں کو پرکھے جن کے متعلق شبہ ہو کہ وہ جعلی ہیں۔ ایسے چوری کے زیورات کو وزن کرے اور ان کی قیمت کا اندازہ کرنے میں بھی پولیس کی مدد کرے۔ ڈپّو اور ڈکنو جو دونوں ہی مادیگا ذات کے ہیں عوامی تقریبات میں علی الترتیب ڈھول اور بانسری بجاتے ہیں۔ وہ ڈھول بجا کر عوام کے لیے اطلاعات بھی کرتے ہیں اور وٹی کی طرح انھیں بھی اکثر ادنیٰ کام کرنے پڑتے ہیں۔

(3) بین ذاتی اور بین دیہی تنظیم

گاؤں ایک علاقائی اکائی ہے جو سب سے چھوٹی لیکن سب سے اہم دیہی تنظیم کی اکائی ہے۔ لوگ جو مختلف ذاتوں سے تعلق رکھتے ہیں، اس اکائی میں کچھ عام قدار اور ذمہ داریوں کی بنا پر متحد ہوتے ہیں۔ لیکن ذات کی سماجی تنظیم کی اکائی گاؤں سے ہٹ کر ایک وسیع جغرافیائی حدود تک پھیلی ہوئی ہے۔ ورنا کا طریقہ یا بالفاظ دیگر ہندو جماعت کی پانچ حصوں میں تقسیم ایک کل ہند حقیقت ہے لیکن مختلف جغرافیائی یا لسانی خطوں میں یہی ورنا بےشمار ذاتوں میں منقسم ہیں جو بہ مقابل دوسرے خطوں کی ذاتوں کے آزاد اور واقعتاً مختلف ہیں۔ چنانچہ جنوبی ہند کے تامل، ملیالم اور تلگو بولنے والے علاقوں میں برہمنوں کے جدا جدا گروہ ہیں جن کی علیحدہ ذاتیں ہیں۔ ان میں مل جل کے کھانے پر بیٹھنے پر پابندیاں ہیں اور ایک دوسرے میں شادی کرنا ممنوع ہے۔ ان تمام گروہوں کے لیے برہمن کی شناختی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ لیکن حقیقی طور پر ان میں ہر ایک ذات جداگانہ روایتی خصوصیات اور 'داخلی ازدواج' کا طریقہ رکھتی ہے۔ اس طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ تہذیبی طور پر شاہ میر پیٹھ تلنگانہ کے علاقہ میں واقع ہے جو آندھرا پردیش کے وسیع تر ثقافتی علاقہ کا ایک جزو ہے۔ گاؤں کی اکثر ذاتیں سماجی تعلقات تلنگانہ ہی تک محدود رکھتی ہیں البتہ چند کا ربط آندھرا پردیش کے دوسرے حصوں سے بھی ہے۔ مسلمان جن کا تعلق غیر ہندو سے ہے اس اصول کی پابندی پر مجبور نہیں ہیں۔ اور وہ دوسرے حصوں سے آئے ہوئے مسلمانوں میں بلا تکلف شادیاں کر سکتے ہیں۔ لیکن ان میں بھی خونی رشتہ داروں میں شادیاں کرنا ترجیح کا باعث ہے۔ ہندو ذاتوں کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ ضرورت کے مدنظر وسیع تر علاقائی ذات کی حدود میں پڑوسی کے مواضع ان کے لیے ایک نیم آزاد مقامی گروہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک سو بیس خاندانوں کے واقعات کی تاریخوں کا تجزیہ کرنے سے اس امر کا انکشاف

ہوا کہ تین سو اسی شادیوں میں اوسطاً فیصد سے زیادہ شادیاں مواضع کے ایک ہی گروہ (اور سکندرآباد وحیدرآباد) کی حدود میں ہوئی تھیں۔ شامیر پیٹھ سے تقریباً 33 میل کے اندر ہے۔ تیس فیصد دیگر مواضع میں جو اس گاؤں (شامیر پیٹھ) سے ساٹھ میل کے اندر ہیں اور صرف دو فیصد اس سے زیادہ فاصلہ والے مواضع یا شہروں میں۔ لیکن کسی صورت میں بیاہ کا بندھن کسی غیر تلگو ذات کے ساتھ نہیں باندھا گیا تھا۔ اگرچہ زبان بولنے اور جغرافیائی علاقہ کے لحاظ سے دیگر رقبوں میں بھی ان کی ذاتوں کے نام اور سماجی حیثیت ایک ہی جیسے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ذات پات کے متوازی بندھن پورے تہذیبی رقبہ کو گھیر لیتے ہیں لیکن عملی طور پر سماجی تعلقات عموماً پڑوس کے چند مواضع کے مجموعہ تک محدود رہتے ہیں۔

بین دیہی تنظیموں کی دو قسمیں قابل ذکر ہیں اور وہ مختلف ذاتوں کی کونسلیں اور بین دیہی سبھائیں ہیں۔

گاؤں کی ذات واری بناوٹ اور موجودہ سماجی بندھنوں کے لحاظ سے کسی خاص ذات سے تعلق رکھنے والے لوگ چند مواضع پر مشتمل اپنی ایک پنچایت بناتے ہیں۔ اس طرح چند ذاتوں کی دس تا بیس مواضع کی اونکی اپنی ذات واری پنچایت ہوتی ہے اور دوسری صورتوں میں تیس تا چالیس مواضع اجتماعی طور پر اس طرح کی ایک عام سبھا قائم کرتے ہیں۔ بعض صورتوں میں داخلی ازدواجی، ذیلی ذاتیں خود اپنی پنچایت بنالیتی ہیں۔ لیکن زیادہ تر وسیع ذات واری گروہ جس میں بہت سی ذیلی ذاتیں شامل ہوتی ہیں وہ اپنی ایک ملی جلی سبھا بناتے ہیں۔ ذات کے سربراہ یا چودھری جن میں سے ہر ایک اپنے گاؤں کی نمائندگی کرتا ہے اس سبھا کے ارکین ہوتے ہیں۔ اگرچہ حقیقی طور پر دوسرے مالدار اور اثر رکھنے والے نیز زیادہ بولنے والے اور اپنی بات منوانے والے حضرات بھی بتدریج اس کی نشستیں حاصل کر لیتے ہیں۔ ذات واری روایات اور ضوابط کی اہم عہد شکنی نیز انفرادی قسم کے ذات واری جھگڑوں کے مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ ان ہی ذات واری پنچایتوں میں ہوتا ہے۔ طلاق کے مقدمات، شادیوں کا انتظام سرانجام پانے سے پیشتر کیے ہوئے وعدوں سے گریز، جنسی بدعنوانیاں، ذات کے سماجی ضوابط کو توڑنا مثلاً زناکاری، داخلی اور خارجی ازدواج کی اصول شکنی، ممنوعہ غذا کا کھانا یا نیچ پیشہ اختیار کرنا وغیرہ۔ یہ سب باتیں ذات واری پنچایت کی حدود سماعت میں آتی ہیں۔ مگر یہ بات بتانی ضروری ہے کہ ذات کی پنچایت اور گاؤں کی پنچایت کے اختیارات اور کارروائیوں میں کوئی خاص قسم کا واضح امتیاز نہیں ہے۔ مثلاً جب ناحرم سے زنا کی اطلاع ملے تو یہ دونوں

پنچایتیں باضابطہ طور پر آزادانہ کارروائی کرتی ہیں۔ اسی طرح کوئی شخص جس کا تعلق کسی ایک ہندو ذات سے ہو گائے مار ڈالے یا یہ پتہ چلے کہ اس نے گائے کا گوشت کھایا ہے تو یہ ممکن ہے کہ دونوں پنچایتیں اس کے متعلق کارروائیاں کریں۔ بہرحال عام نقطۂ نظر سے یہ تصفیہ کیا جا سکتا ہے کہ مقامی طور پر ابتدائی ضروریات کے معاملات گاؤں کی پنچایت میں پیش ہوتے ہیں اور ایسے مقدمات جو خاص طور پر ذات واری رسوم پر اثر انداز ہوں ذات کی پنچایت کے زیر سماعت آتے ہیں۔ بہت سے جھگڑوں کی سماعت دونوں میں سے کوئی ایک پنچایت کر سکتی ہے اور اکثر مقامی روایات سے ان کے اختیار سماعت کی وضاحت کی جاتی ہے چونکہ شامیر پیٹھ کی پنچایت کافی عادی ہے اس لیے یہ بڑی وسیع حد تک اختیارات پر اپنا قبضہ جمائے ہوئے ہے۔

ایک طرف تمام مواضع اور تقریباً ایسی ذاتوں کی خود اپنی پنچایتیں ہوتی ہیں تو دوسری جانب بین دیہی پنچایتیں وقتاً فوقتاً اس وقت بنائی جاتی ہیں جب خاص حالات اس کے متقاضی ہوتے ہیں۔ ایسے اغراض کے لیے یہ پنچایتیں خصوصی ثالثی مجالس کی طرح کام انجام دیتی ہیں۔ دو مواضع میں آپس کے جھگڑے یا ایسے دو گروہوں کے تنازعے جو دو مختلف مواضع سے تعلق رکھتے ہوں اور ایک مخصوص ذات سے نہ ہوں تو ان صورتوں میں بین دیہی پنچایت اکثر ضروری ہو جاتی ہے۔ ان میں ہر دو مواضع کے بڑے بزرگ جن کے گاؤں کے افراد زیر بحث تنازعہ کے فریق ہوتے ہیں نیز پڑوس کے مواضع کے معتبر بزرگ باہم بیٹھتے ہیں، تنازعہ کی سماعت کرتے ہیں اور اس پر اپنا فیصلہ سناتے ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ اپنے فیصلوں کی تعمیل کروانے کے اختیارات انھیں حاصل نہیں ہیں اس لیے اس زمانہ میں ایسے تمام مقدمات اکثر حکومت کی قائم کردہ قانونی عدالتوں میں بھیجے جاتے ہیں۔

معاشی ڈھانچہ

گاؤں کی معیشت اور ذات پات

جہاں تک ہندوستانی ذات پات کے نظام کی عملی اساس کا تعلق ہے عام طور سے اس کی تفہیم میں کوئی دشواری نہیں لیکن یہی کمیونٹی کے معاشی ڈھانچہ میں ذات پات جس طرح شریک ہے اس کی منظم اتنی واضح نہیں۔ مختلف ذاتوں کے پیشے "ان کے کام بالکلیہ ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں لیکن ہندوستانی دیہات کے معاشی طریقہ کا انحصار ان کی پیشہ ورانہ تخصیص اور ایک دوسرے کے باہمی تعاون پر ہے۔ مثلاً زراعت زیادہ تر کاپو ذات کے گروہ کا کام ہے لیکن دوسری تمام ذاتیں اعلیٰ یا ادنیٰ اپنے پیشہ کے علاوہ اگر ان کے پاس زمین ہے تو اس میں کاشت کر سکتی ہیں۔ اسی طرح ابتداً تجارت کومتی ذات کا کام تھا لیکن اب دوسری کئی ذاتوں نے بھی اسے اختیار کر لیا ہے۔ بہرحال ہندوستانی دیہات میں بے شمار حرفے اور پیشے اب بھی مخصوص ذاتوں کی اجارہ داری میں ہیں کوئی غیر برہمن اعلیٰ ذات ہونے کے لئے پجاری کا کام انجام نہیں دے سکتا کمہار کے علاوہ مٹی کے برتن بنانے کا پیشہ کوئی اور اختیار نہیں کر سکتا۔ صرف منگالی ہی حجامت کا کام کر سکتا ہے۔ تلنگانہ کی ذاتوں میں پنچ برہمان ذاتیں بڑھئی اور دھاتوں کے کام کی اجارہ دار ہیں۔ صرف مادیگا ہی مردہ جانوروں کو پھینکنے اور چمڑے کا کام کرتے ہیں۔ چاکالی کے علاوہ دوسری ذاتوں والے دھوبی کے کام کا خیال بھی نہیں کر سکتے۔ ذاتوں کی ساخت میں موروثی روایات نے ہر گروہ کو سماجی ڈھانچہ میں ایک مخصوص حیثیت دی ہے اور اس لئے حاصل شدہ مخصوص معاشی حیثیت اس گروہ کی گزر بسر کا ذریعہ

موتی ہے۔ چونکہ بڑی حد تک زراعت ہی ہندوستانی دیہات کا معاشی ذریعہ ہے اس لئے دوسرے حرفے اور پیشے عام طور پر اسی سے متعلق ہوتے ہیں۔ مختلف ذاتوں کے اقتصادی کردار کا مختصر تجزیہ پوری جماعت کی معاشی نوعیت واضح کر دے گا۔ اور اس سے اس کا بھی صحیح اندازہ ہو جائے گا کہ اس کے حدود میں مختلف ذاتوں کا کیا مقام ہے۔

اکثر ذاتیں کوئی ایسا حرفہ یا پیشہ اختیار کیے ہوئے ہیں جو ان کی موروثی اجارہ داری ہے۔ اس کے علاوہ انھیں کمائی کے دیگر ذیلی ذرائع بھی اختیار کرنے کی آزادی حاصل ہے۔ برہمن گاؤں کا پجاری ہونے کے علاوہ اپنی زمین پر کاشت بھی کر سکتا ہے۔ کمہار، حجام اور دھوبی اپنے متعلقہ پیشوں میں لگے رہتے ہیں لیکن کبھی کھیت میں مزدوری کرنے سے انھیں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ درحقیقت زراعتی کاموں کی زیادہ مصروفیت کے زمانے میں جب مقامی محدود مزدوروں پر کام کا بار بہت بڑھ جاتا ہے تو حرفہ والی ذاتوں کو اس بات کی ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ یومیہ مزدوری پر اپنی عورتوں کو کھیت میں کام کرنے کے لیے بھیجیں۔ اس سے قطع نظر ہر ذات اپنے پیشہ سے پہچانی جاتی ہے۔ عام طور سے اس پیشہ کے طور طریق کا انحصار مقررہ رواج پر ہوتا ہے۔ سماجی ڈھانچہ کے باب میں اس گاؤں کے بیہودہ ان ادنیٰ کام کرنے والوں کا ذکر کیا گیا ہے جو نیم سرکاری چاکروں کی طرح عام طور پر بلا لگان کے کسی زمین کے ٹکڑے کے معاوضے میں کام انجام دیتے ہیں۔ ان کا کام زیادہ تر ان شعبوں میں ہوتا ہے جو ان ذات کی اجارہ داری میں ہوتے ہیں۔ نیز سرکاری دورہ کنندہ عہدہ داروں کی ذاتی خدمت اور بحیثیت مجموعی پورے گاؤں کے چند مقررہ کام بھی ان کے فرائض میں شامل ہوتے ہیں۔

اگر معاشی نظام اور نتیجۃً اس کی باہمی ذمہ داریوں کی پابندیوں اور توقعات پر نظر غائر ڈالی جائے تو ذات واری تنظیم کی حدود میں چار بڑے قسم کے معاشی کاروبار اور اس کی ذمہ داریاں سامنے آئیں گی جو حسب ذیل ہیں:

(۱) کاشتکاروں کے لیے ایسے پیشہ ورانہ خدمات انجام دینے کی ذمہ داریاں جن کا براہ راست تعلق زراعتی کاروبار سے ہے۔ اس قسم کی خدمات میں کسی فوری معاوضے کی ادائی کی امید نہیں ہوتی۔ کاشتکاروں کے ہل اور زراعتی آلات بڑھئی ہر سال حسب ضرورت آمد سابق درست کر دیتے ہیں۔ نیز مقررہ وقتوں پر یہی بڑھئی نئے آلات بھی بنا دیتے ہیں۔ اس کے معاوضے میں سال میں دو مرتبہ جب کاشتکار کھیتی کاٹتا ہے تو وہ اس میں سے بڑھئی کو حصہ دیتا ہے۔ زراعتی قسم کی خدمات عام طور پر ایسی ہی بنیادوں اور توقعات پر ادا کی جاتی ہے۔ خدمت اور اس کے

معاوضہ کی ادائیگی دونوں کی مقدار کا تعین عموماً رواج کے مطابق ہوتا ہے جس کا انحصار اس زمین کے رقبہ پر ہوتا ہے جو زراعت پیشہ کے زیر کاشت ہوتی ہے۔ کچھ ذاتیں یا غیر زراعتی قسم کی پیشہ ورانہ خدمات بھی کاشتکاروں کی اس قسم کی مفاہمت کے تحت انجام دیتی ہیں کہ جب کھیتی کٹے گی تو اس میں ان کا بھی حصہ ہوگا چنانچہ کمہار وقتاً فوقتاً سے کاشتکار کو اس کی ضروریات کے لیے مٹی کے برتن فراہم کرتا ہے۔ اسی طرح حجام بھی کاشتکار اور اس کے خاندان کے افراد کی داڑھیاں بناتا اور بال تراشتا ہے۔ نیز دھوبی بھی اسی اصول کے تحت گاؤں میں کھیتی کرنے والوں کی خدمت کرتا ہے۔

(2) زراعتی اور غیر زرعی لوگوں کے لیے ایسے پیشہ ورانہ خدمات انجام دینے کی ذمہ داریاں بھی ان پر ہوتی ہیں جن کا تعلق سماجی و مذہبی زندگی سے ہوتا ہے۔ حجام، دھوبی، بڑھئی، کمہار اور دیگر ذات والوں کو زندگی کے اہم رسومات اور تقریبات میں مقررہ قسم کی خدمات انجام دینی پڑتی ہیں۔ اور یہ خدمات وہ متوقع معاوضہ کے تعین کے بغیر سابقہ عملدرآمد کے بموجب انجام دیتے ہیں۔ دستور کے مطابق ان کا کم ترین معاوضہ مقرر ہوتا ہے۔ فرائض کی انجام دہی کے دوران مختلف مواقع پر اس کا ایک جزو ادا کرنا پڑتا ہے۔ اپنی حیثیت اور مالی امداد کے مطابق لوگ تقریبات کی تکمیل پر ایسی خدمات کے لیے کچھ زیادہ ہی دیتے ہیں۔

(3) کچھ پیشہ ورانہ خدمات دیگر پیشہ ور ذاتوں کے لیے انجام دینے کی ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک حجام اس جُلاہے کے خاندان کے افراد کے بال کاٹے گا اور داڑھیاں بنائے گا جو اس سے متعلق ہے۔ اس کے لیے نہ کوئی نقد رقم ادا کی جاتی ہے اور نہ اس کی توقع ہوتی ہے۔ البتہ ہر سال جُلاہا اپنے حجام کو چند گز کپڑا یا ایک دو ساڑیاں اس کی بیوی کے لیے دیتا ہے۔

(4) کام کے معاوضہ میں نقد ادائی کی توقع پر بھی کچھ پیشہ ورانہ خدمات انجام دی جاتی ہیں۔ گاؤں میں اتفاقی طور پر آنے والے کو حجام سے کام لینے کا معاوضہ نقد ادا کرنا پڑے گا۔ بیل گاڑی بنانے کے لیے یا مکان کی تعمیر میں لکڑی تیار کرنے کے لیے بڑھئی کام شروع کرنے سے پہلے اپنا معاوضہ طے کرے گا۔ ایسے کام کے لیے وہ اس مستقل کاشتکار کو بھی مستثنیٰ نہیں کرے گا جس کے خاندان سے اس کا برسوں سے تعلق رہا ہے۔ وہ ڈر پیشہ کا کام کرنے کے لیے اس وقت تیار ہوتا ہے جب ہر دو جانب معاوضہ کا تصفیہ ہو جاتا ہے۔

وہ تمام ذات واری معاشی کاروبار جن کا ذکر اوپر ضمن (4) میں کیا گیا ہے اتفاقی نوعیت

سکتے ہیں خواہ ان کا معاوضہ قابل لحاظ ہی کیوں نہ ہو۔ چند کو چھوڑ کر باقی تمام ذاتوں کو کام کی انجام دہی میں دو طرفہ رضامندی کی بنیاد پیش نظر رکھنی پڑے گی۔ روایت اس انتظام کو منظور کرتی ہے اور باہمی اعتماد اور تعاون اس کے اجرا کی ضمانت ہوتا ہے۔ جہاں اس قسم کا انتظام ہوتا ہے وہاں ایک خاندان کا تعلق دوسرے خاندانوں سے فطری طور پر ہو جاتا ہے۔ ان دیہاتوں میں چونکہ زراعت کا کام سب سے اہم ہے اس لیے گاؤں کی آبادی میں کاشتکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو چھوٹے ذات واری گروہ کی پیشہ ورانہ خدمات کی ضرورت ہوتی ہے اور جیسے وہ بوقت ضرورت قبول کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ پیشہ ورانہ ذاتوں کو بھی ایک دوسرے کی خدمات کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگرچہ دیہی سماج میں ہر ذات میں ایسے خاندان کی تعداد جو خدمات پیش کر سکتے ہیں، لازماً مختصر ہوتی ہے۔ اس لئے ہر خاندان گاؤں کے کئی خاندان سے متعلق ہو جاتا ہے اور زراعتی جدوجہد نیز سماجی، مذہبی رسوم و تقریبات کے لیے اپنی خدمات پیش کرتا ہے۔ پیشہ ور ذاتوں کے اندر بھی خاندانی وابستگی کا طریقہ رائج ہے۔ شاید ہی میں کچھ خاندانوں کی خدمتی وابستگی کا سلسلہ اس گاؤں کی ابتدا سے ملتا ہے۔ بعد کو آنے والوں نے یا تو مستقل پیشہ ور ذاتوں کے خاندانوں کی خدمات حاصل کر لیں یا گاؤں میں اسی ذات سے تعلق رکھنے والے لوہاروں سے اپنے انتظامات کر لیے۔

یہ نظام پیچیدہ بھی ہے اور نازک بھی۔ زراعت پیشہ لوگوں کے لیے یہ آسان نہیں کہ کسی خاندان کو جو اس کے گھرانے سے متعلق رہا ہے برطرف کر کے کسی اور سے خدمات حاصل کرے۔ مثال کے طور پر الف ایک حجام ب کے خاندان سے جو زراعت پیشہ ہے متعلق رہا ہے۔ اس صورت میں اگر کسی وجہ سے ب الف کی خدمات سے بیحد غیر مطمئن ہو جائے اور کسی دوسرے کو چاہے تو وہ الف کو یکلخت برطرف نہیں کر سکتا۔ اس کی مشکل برطرف کرنے میں نہیں بلکہ اس کا (الف کا) بدل پانے میں ہوگی۔ پیشہ وروں کی ایک مجلس ہوتی ہے۔ پیشہ ور ذاتوں میں ٹریڈ یونین رجحان شدید ہے اور ان کے پیشہ کا ضابطہ اخلاق اور اس کے آداب بھی بڑے سخت ہیں۔ برطرف شدہ لوگوں کو ہم پیشوں کی حمایت حاصل ہوگی۔ کوئی دوسرا شخص بطور بدل کام کرنے کے لیے اس ڈر سے تیار نہ ہوگا کہ ذات واری پنچایت اس پر جرمانہ عاید کر سکے گی۔ یہ بھی دشوار ہوگا کہ چند خاندان متحد ہو کر کسی دوسرے گاؤں سے کسی ایسے خاندان کو لائیں جس کا تعلق اسی پیشہ ور ذات سے ہے۔ اولاً تو ایسے کشیدگی کے حالات میں کوئی باہر کا خاندان سماجی دباؤ اور نتیجہ اخراج کے ڈر سے آنے کے لیے تیار نہ ہوگا دوسرے

اگر وہ ابھی جائے تو گاؤں کے ذات والے مشکلات پیدا کر دیں گے حتیٰ کہ رہنا دشوار ہو جائے گا۔ اپنی
تحقیقات کے دوران ہم نے خدمت جو خاندانوں کے گروہ اور پیشہ ور ذات کے خدمت گذار
خاندانوں کے درمیان اس قسم کی مخاصمت کے تین واقعات کا اندراج کیا۔ ان میں سے ایک میں
ایک غیر مطمئن مالک (یا نوکر رکھنے والے) نے آئندہ زیادہ اچھا کام انجام دینے کے وعدہ پر اس خاندان
کو برقرار رکھنے سے اتفاق کیا۔ دوسری صورت میں ذات کے لوگوں نے ایک اچھا تصفیہ یوں کیا کہ مالک
سے ایک دوسرے خاندان کو وابستہ کر دیا اور ذات کے برطرف شدہ افراد کو گاؤں میں ایک نو وارد
خاندان سے ملا دیا۔ تیسری صورت میں معاملہ چار سال سے کسی قدر کم مدت کے لیے یوں ہی چلتا رہا اور پھر
گاؤں کے بڑے اور بزرگوں کے دباؤ اور اصلاح و مشورہ کو مانتے ہوئے ذات نے ایک بدل دینا
منظور کر لیا۔ اس صورت میں مالک ایک نہایت تند مزاج کاشتکار تھا لیکن وہ کسی قدر مالدار اور
کافی اثر والا تھا۔ اور اس لیے وہ گاؤں کے بڑے کی موقر مداخلت اپنی موافقت میں حاصل کر سکا۔

ہمارے مخبروں کے بموجب آج کا نظام وہ نہیں رہا جو اب سے دس یا بیس سال پہلے
تھا۔ بہت سے اس تبدیلی کو انفرادیت کے اس جذبہ سے وابستہ کرتے ہیں جو گاؤں کے اطراف
کی زندگی کے مختلف شعبوں میں رونما ہو رہا ہے اور جو زندگی کے مقررہ طریقوں میں تبدیلیاں پیدا
کر رہا ہے۔ 'پچھلے زمانہ میں' ایک کاشتکار نے بیان کیا 'نیچے درجہ والے اپنی حیثیت پہچانتے تھے
اور اچھا چال چلن رکھتے تھے۔ اگر وہ اطمینان بخش کام کرتے تو ان سے ہمارا سلوک اچھا ہوتا۔
حقیقت یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان سے ہمارے تعلقات گہرے ہوتے گئے۔ مجھے
وہ دن یاد ہیں جب حجام کا لڑکا ہمارے صحن میں آتا اور سلام کرتا اور کہتا 'چچا آپ کو چودھری نے
بلایا ہے' یا 'ماں! پڑوس کے مکان میں تقریب شروع ہونے والی ہے اور سب آپ کا انتظار
کر رہے ہیں'۔ بہت سی صورتوں میں ہم انھیں اپنے خاندان کے افراد کی طرح سمجھتے۔ اور اگرچہ طرفین ہر دو کی
ذات وار امتیاز کو ملحوظ رکھتے۔ تاہم ایک دوسرے کو نازک نوعیت کے معاملات میں بھی ہمیشہ
ہمراز بنا سکتے تھے۔ لیکن اب حالات بدل گئے ہیں۔ وہ لڑکے یہاں کام کرنا پسند نہیں کرتے۔ وہ شہر جانا
چاہتے ہیں۔ نہ صرف وہ بلکہ پرانے انتظام سے مطمئن نہیں ہیں۔ اسی لیے مشکلات پیدا ہو رہی ہیں۔'
تاہم اپنی مستقل روایتی صورت میں وہ طریقہ تھوڑا بہت اب بھی چل رہا ہے۔ شہری تعلقات، تعلیم
یا کسی بہتری یا مالی منفعت کی جاذبیت نوجوانوں کو بہکا سکتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ اپنی پرانی یا مرحوم
باپ کی خدمت کو جو ایک خاندان سے متعلق تھی، انکار کر سکتا ہے۔ لیکن اس کا کوئی نہ کوئی غریب بھائی

لم حوصلہ مند بھائی یا عزیز کام کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔

اب ہم گاؤں کی بڑی ذاتوں کی اہم معاشی کارگذاریوں اور ان کی مشغولیت کا جائزہ لیں گے۔

برہمن

گاؤں میں صرف ایک برہمن خاندان ہے۔ اس کا صدر اپنی برہمن خاندان میں پیدائش کی بناء پر اور اس لیے بھی کہ وہ ایک مالدار زمیندار ہے مقامی طور پر بڑی وقعت سے دیکھا جاتا ہے۔ وہ مقامی پجاری بھی ہے اور نجومی بھی۔ لوگ مجوزہ شادیوں کی موزونیت کے متعلق اس سے مشورہ کرتے ہیں اور جب بات بالکل طے پا جاتی ہے تو اس سے مبارک تاریخ، ساعت اور نچھتر کے حساب کے لیے رجوع کرتے ہیں۔ بڑی عزت والوں میں وہ شادی کی تقریبات میں حصہ لیتا ہے۔ پیدائش کے مواقع پر بچہ کی ولادت کے وقت ستارہ کس برج میں تھا، اس متعلق سے اس سے مشورہ کیا جاتا ہے اور بچہ اس کے ماں باپ اور خاندان کے دیگر افراد پر سعد و نحس ستارہ کے کیا اثرات ہوں گے اس کے مضمرات بھی وہ حساب لگا کے بتاتا ہے۔ اگر اس کے حساب میں یہ معلوم ہو کہ کوئی مشکل آنے والی ہے تو برہمن کے ذمہ اس دشواری کو ٹالنے کے لیے خاص قسم کی عبادات اور ضروری رسوم کی انجام دہی کا کام بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح موت کے بعد بھی برہمن سے مشورہ کیا جاتا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو کہ موت کا وقت منحوس تھا تو گھر کے افراد سے یہ کہا جاتا ہے کہ برہمن کے مشورے کے مطابق تین یا چھ مہینے کے لیے وہ عارضی طور پر مکان چھوڑ دیں۔ ولادت اور موت کے مواقع پر اس قسم کے مشورے عام طور پر بڑی ذات والے یا اچھی مالی حیثیت والے افراد لیتے ہیں۔ ان مشوروں کے لیے برہمن کو مقررہ فیس نقد ادا کرنی پڑتی ہے۔

بالواسطہ طور پر کمیونٹی کے زراعتی کاموں میں بھی برہمن مدد دیتا ہے۔ زراعتی سال کے ابتدا میں وہ کاشتکاروں کو یہ بتاتا ہے کہ بیج کب بویا جائے۔ اس سے ان اچھی تاریخوں کے متعلق بھی مشورہ کیا جاتا ہے کہ کھیت کی گھاس پات کا چناؤ اور اس کی کٹائی کب شروع کی جائے۔ گاؤں کے مختلف گھرانوں میں نئے نوان (NEW EATING) کی تقریب کی تاریخ وہی مقرر کرتا ہے۔ ان مشوروں کے لیے کوئی اسے نقد رقم ادا نہیں کرتا۔ وہ خاص طور پر کٹائی کے زمانہ میں متعلقہ کاشتکاروں کے گھروں کا نصف ماہی یا ماہانہ دورہ کرتا ہے۔ اور رواجاً اسے ہر گھرانہ سے کچھ مقدار میں غلہ دیا جاتا ہے۔

کومٹی

کومٹی تاجر ہوتے ہیں۔ وہ دیہی ساہوکار بھی ہوتے ہیں۔ گاؤں میں کسی مرکزی جگہ پر وہ ایک

مستقل چھوٹی سی دوکان رکھتے ہیں اور پڑوس کے گاؤں میں ہفتہ واری بازار بھی جاتے ہیں۔ وہ عام طور پر ضروری اشیا نقد قیمت پر بیچتے ہیں۔ اپنے جاننے والوں کو اگر وہ تھوڑی زیادہ قیمت ادا کریں تو ادھار پر بھی سامان دیتا ہے۔ وہ لوگوں کو بیل اور آلات زراعت کی خریداری کے لیے قرض دیتے ہیں۔ ہر صورت میں کچھ رہن رکھنے پر زور نہیں دیا جاتا لیکن سود مرکب کی جو شرح ہوتی ہے وہ اکثر بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ لوگوں کو بیج بھی بطور قرض دیتے ہیں۔ اس کے لیے بھی وہ سود بہت زیادہ لیتے ہیں۔ لوگ اکثر زمین یا فصل کا ایک حصہ گروی رکھ کر قرض اس امید پر لیتے ہیں کہ رقم قرض سود مند ثابت ہوگی۔ شاہ میر پیٹھ میں کومٹی ہی وہ ذات ہے جس کی اجارہ داری زیادہ بدلنے سے سخت متاثر ہوئی ہے۔ اس وقت شاہ میر پیٹھ میں تیرہ دوکانیں ہیں۔ اگر چھوٹی دکانوں کو چھوڑ دیا جائے تو کومٹی ذات کی چار، مسلم کی دو، تاڑی نکالنے والوں کی دو اور سنار کی ایک دکان یہاں ہے۔ زراعتی اغراض کے لیے نقد رقم یا بیج کا قرضہ دینے میں بھی کومٹی کو متمول ریڈی اور مسلم کاشتکاروں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

کمہاری

شاہ میر پیٹھ میں کمہاروں کے پانچ گھرانے ہیں، جن میں سے حقیقتاً چودہ اشخاص چاک پر کام کرتے ہیں۔ ان کے ہر گھرانے کا تعلق گاؤں کے کسی نہ کسی کاشتکار سے ہے جس کو وقتاً فوقتاً مٹی کے برتن گھریلو ضروریات کے لیے فراہم کیے جاتے ہیں۔ ہر دو یا تین سال میں وہ کمہار کاشتکار کو غلہ جمع کرنے کے لیے بڑے بڑے گھڑے بھی فراہم کرتا ہے۔ اس کے لیے وہ کسی نقد قیمت کی توقع نہیں رکھتے۔ فصل کاٹنے کے وقت کمہار اس گھرانے کے کھیتوں پر جاتا ہے جس سے اس کا تعلق ہے اور اسے بھیک والی جو نئے فصل کا ایک حصہ ہوتا ہے، دی جاتی ہے۔ غلہ کی مقدار جو دی جاتی ہے اس کا انحصار کاشت کی زمین کے تناسب اور مالک کی مالی حالت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ ولادت، شادی یا موت کی رسوم کے مواقع پر اس سے نئے برتنوں کی فراہمی کی امید کی جاتی ہے۔ ان خدمات کے لیے رواج نے مختصر ادائیگیاں مقرر کر رکھی ہیں۔ اگرچہ خوشی کے موقعہ پر لوگ کچھ زیادہ دیتے ہیں۔ اگر دوسری پیشہ ور ذاتوں کے ساتھ اس کا سمجھوتہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً حجام، دھوبی اور جلاہے سے تو وہ ان لوگوں کی خدمت ان کی ان پیشہ ورانہ خدمات کے بدلے میں کرتا ہے جو وہ اس کے خاندان کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان باتوں کی تفصیلات کا تصفیہ متعلقہ گروہ کرتے ہیں جن کے درمیان اکثر ایک دوسرے پر الزامات اور جھلائی تہمتوں کی جھنجھٹیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے باوجود یہ طریقہ کار کافی اطمینان بخش رہتا ہے۔

کیونکہ آپس کی مفاہمت کی ایسی (۲۹) صورتوں میں جن کا مطالعہ شامیر پیٹھ میں قریب سے کیا گیا صرف ۹ صورتوں میں کسی ایک یا دونوں فریقوں کی بے اطمینانی کے باعث تعلقات بالکلیہ منقطع ہوئے تھے۔ غیر کاشتکار اور ایسی پیشہ ور ذاتیں جن کا سمجھوتہ کمہاروں سے نہیں ہوتا وہ اپنی ضروریات کے برتن ان سے نقد قیمت پر خریدتے ہیں۔ شامیر پیٹھ کے کناری خاندانوں کے لیے بہت سے گاہک اور خریدار ٹپکل کے ان مواضعات سے آجاتے ہیں جہاں کمہاروں کا کوئی گھرانہ نہیں ہوتا۔

گولا :-

گاؤں میں گڈریوں کے مکانوں کی اپنی قطار ہے۔ ان میں کچھ چھوٹی زمینوں پر کاشت کرتے ہیں۔ لیکن ان سب کی گذر بسر کا بڑا ذریعہ بکریوں اور بھیڑوں کے گلے رکھنے کا موروثی پیشہ ہے۔ ان گلوں کے علاوہ جن پر ان کی گذر بسر ہے وہ ایک یا دو گائے اور بھینس بھی پالتے ہیں۔ ان جانوروں کے متعلق وہ وسیع معلومات رکھتے ہیں اور بڑے بڑے گلوں کی حفاظت کرنے میں بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ اس کام میں مدد کے لیے وہ کتوں کو سدھا لیتے ہیں اور ان کی مدد سے جب وہ جنگلوں میں بکریاں چرانے لے جاتے ہیں تو بکریوں کو بھٹکنے سے روکتے ہیں۔ گاؤں میں بھینٹ چڑھانے کی تقریبات کے لیے گولا کے گھرانے باری باری سے بکریاں یا بھیڑوں کی پیشکش کرتے ہیں۔ اس کے لیے انھیں کوئی رقم نہیں دی جاتی۔ اس کے علاوہ گاؤں کے لوگوں سے وہ ہر قسم کا کاروبار نقد کرتے ہیں۔ جب لوگ بکری یا بھیڑ خریدتے ہیں تو جانور کے مالک کو ہمیشہ نقد رقم ادا کی جاتی ہے۔ بکری کے دودھ کی قیمت انھیں اسی جگہ ملنی چاہیے لیکن مستقل خریداروں کی صورت میں ہفتہ واری یا ماہانہ ادائی کا معاملہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ ایک صورت میں وہ کاشتکاروں سے بھی ایسا سمجھوتہ کر سکتے ہیں جس سے ہر فصل میں ایک مختصر حصہ ملنے کا حق پیدا ہو جائے۔ جب فصل کاٹ لی جاتی ہے تو کاشتکار اپنے کھیت میں گولا سے گلہ چرانے اور رات میں وہیں بند رکھنے کے لیے کہتا ہے چونکہ کھیت میں بہت کم چارہ ہوتا ہے اس لیے گڈریے اپنی بھیڑ اور بکریاں قریب کے جنگل میں چرانے کے لیے لے جاتے ہیں لیکن رات میں انھیں کھیت میں رکھتے ہیں۔ ان گلوں کے پیشاب اور مینگنی کو بھی کھاد سمجھا جاتا ہے اور اسی لیے کاشتکاروں میں اس کی بڑی مانگ ہوتی ہے۔ گڈریے اکثر کاشتکاروں سے دن مقرر کر لیتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی باری صرف چند دن بعد آتی ہے۔ گڈریے اور کاشتکاروں میں سمجھوتہ کی نوعیت کے مطابق یا تو ادائیگی نقد کی جاتی ہے یا

کٹائی کے وقت کھیت سے اپنا حصہ حاصل کر لیتے ہیں۔

سالی :-

سالی خود کو اپنی ذات کے حرفہ والوں سے برتر سمجھتے ہیں۔ آج کل وہ گاؤں کے کسی کاشتکار سے ناوابستگی کی بنا پر کام نہیں کرتے۔ ایک پرانی اطلاع کے بموجب پرانے اچھے زمانوں میں جب سالی کپڑا بننے کے علاوہ تاگا بھی کاتتے تھے تو وہ کاشتکاروں سے خاص سمجھوتہ بھی کر لیتے تھے جیسا کہ اکثر ذاتیں اب کرتی ہیں۔ وہ ہر سال انہیں کچھ کپڑا دیتے تھے جس کے بدلے میں ہر فصل پر ہم انھیں کچھ غلہ دیتے تھے لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے۔ وہ مل کا بنا ہوا تاگا خریدتے ہیں اور نفیس کپڑے بُنتے ہیں اور اُسے نقد فروخت کرتے ہیں۔ جلاہوں نے اب روایتی طریقے ترک کر دیئے ہیں۔ صرف چند ذاتوں کے پیشہ وروں کے ساتھ وہ کام کا سمجھوتہ کرتے ہیں جس کے تحت اُن کی خدمات کے معاوضہ میں وہ ان کو طے شدہ مقدار میں کپڑا دیتے ہیں۔ اپنی تحقیقات کے دوران ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اس قسم کے سمجھوتے ایک طرف جُلاہوں میں اور دوسری طرف کہاروں اور حجاموں اور دھوبیوں میں موجود تھے۔

گونڈلا :-

اس علاقے کے گاؤں والے سیندھی یا تاڑی کے بڑے شائق ہوتے ہیں۔ گونڈلا کی دکانیں شام کو مردوں کے لیے خواہ جوان ہوں یا بوڑھے نیز بہت سی ادھیڑ اور بوڑھی عورتوں کے لیے کشش کا مرکز ہوتی ہیں۔ یہ ذات مختلف قسم کے تاڑ کے درختوں کو کاٹنے اور اس سے لگائے ہوئے خمیری عرق کے بیچنے کی اجارہ دار ہے۔ جسے وہ بڑی خوبی سے سنبھالے ہوئے ہے۔ باوجود اس کے کہ حکومت نے یہ طریقہ جاری کیا ہے کہ ان کی ذات کا لحاظ کیے بغیر درختوں کا ٹھیکہ بڑی بولی دینے والے کو دیا جائے۔ شاید شیڈ میں اب تک کوئی ان کی اجارہ داری کے مقابلہ میں نہیں آیا۔ اگرچہ کبھی کبھی مدیگا اور دوسرے غریب لوگ گونڈلا کے سیندھی کے درختوں سے باندھے ہوئے برتنوں سے عرق چرا لیتے ہیں۔ گونڈلا پہلے ان درختوں پر نشان لگا دیتے ہیں جن کو تراشنا ہوتا ہے پھر وہ دوپہر اور شام میں تراشتے ہیں اور برتن باندھ دیتے ہیں جن میں ٹپکتا ہوا عرق جمع ہوتا رہتا ہے۔ صبح سویرے وہ ان درختوں سے رات بھر میں جتنا عرق جمع ہوتا ہے بڑے سفالی برتنوں میں جمع کر کے

گاؤں کو لاتے ہیں اور گاہکوں کو ان کی خواہش پر خصوصاً دوپہر اور شام میں بیچتے ہیں۔ اس گاؤں کے ایک گونڈ لا گھرانے کے پاس شراب اور منشی اشیاء کا سرکاری لائسنس ہے۔ تاڑی کے خمیری عرق کے علاوہ اس دکان میں حیدرآباد کی ڈسٹلری سے لائی ہوئی بہت سی دیگر اقسام کی شرابیں بھی بکتی ہیں۔ قیمت کی ادائیگی عام طور پر نقد ہوتی ہے اور صرف خاص صورتوں میں اُدھار کا حساب رکھا جاتا ہے۔

پنچ برہما :-

پچھلے باب میں اس ذات کا ذکر کیا جا چکا ہے جو اپنے آپ کو پنچ برہما کہتے ہیں۔ اور دوسری ہندو ذاتوں سے کسی قدر علیحدہ رہتے ہیں۔ ان میں سے دو گروہ وادلا (بڑھئی) اور کماری (لوہار) مستقل طور پر زراعت پیشہ لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس نظام کے تحت انھیں وقتاً فوقتاً زراعتی آلات فراہم کرنے پڑتے ہیں جن کی برقراری اور درستگی ان کے ذمہ ہوتی ہے۔ اس خدمت کے معاوضہ میں فصل کی کٹائی کے دوران انھیں کھیت سے غلہ کا حصّہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنا پیشہ علیحدہ چلاتے ہیں۔ غیر کاشتکاروں کے لیے اور غیر زرعی نوعیت کے جو کام وہ انجام دیں ان کی نقد ادائیگی ضروری ہے۔ بڑھئی، ہندوؤں میں شادی بیاہ کے رسوم کی انجام دہی کے لیے لکڑی کے شادی والے ستون (منڈپ) بناتا ہے جس کے لیے اسے حسب روایت مقررہ مختصر معاوضہ ملتا ہے۔ لوہار حسب ضرورت نئے آہنی زراعتی آلات فراہم اور درست کرتا ہے۔ لیکن اس کے لیے متعلقہ کاشتکار کو لوہا، کوئلہ اور بھاتی چلانے کے لیے ایک مزدور دینا پڑتا ہے۔ دوسرے تینوں گروہ یعنی سنار، دھاتی گھنٹیاں بنانے والے اور نقاش جن کا زراعت سے تھوڑا یا کچھ بھی تعلق نہیں ہے اپنا صرفہ آزادانہ طور پر چلاتے ہیں۔

گالی اور منگالی :-

مالکان اراضی کے زراعتی کاموں میں حجام اور دھوبی کا کوئی راست حصّہ نہیں ہوتا۔ لیکن زراعت پیشہ لوگوں کو ان کی خدمات کی اس قدر ضرورت پڑتی ہے خاص کر سماجی مذہبی تقریبات ولادت، شادی اور موت کے رسوم میں کہ زراعت پیشہ کو کچھ ایسی ہی آسانی نظر آتی ہے کہ وہ اپنے گھرانے کا تعلق ان ذات والوں سے مستقل رکھے۔ پورے سال تک اپنی خدمات یعنی بال کاٹنے، داڑھی بنانے یا کپڑا دھونے کے لیے وہ اپنا حصّہ فصل کی ہر کٹائی کے بعد وصول کر لیتے ہیں۔ دوسری

قسم کی خدمات بالخصوص جن کا تعلق سماجی مذہبی ضروریات سے ہے ان کے لیے ادائیگی رسوم کے وقت کر دی جاتی ہے۔ رسوم کے دوران ان ذاتوں کو مختلف مواقع پر نقد یا جنس کی شکل میں کچھ نہ کچھ دینا پڑتا ہے۔ طویل تقریبات کے دوران انہیں دو یا تین بار پیسے، کچھ غلہ یا پیتل یا کانسے کے چند ظروف اور بالآخر نئے کپڑے کا ایک جوڑا مل سکتا ہے۔ دیگر ذاتوں کی طرح حجام اور دھوبی بھی ان روایتی حدود کے باہر اپنا کام علیحدہ کر لیتے ہیں۔

دیگر ذاتیں :-

اچھوت مدیگا اور دستکاری پیشہ کے درمیان کاروباری تعلق کا طریقہ بیان کرنے سے پیشتر گاؤں کی دیگر ذاتوں کا مختصر حال بیان کرنا مناسب ہوگا۔

گاؤں میں کھٹیک کی (ہندو قصاب) کا صرف ایک ہی خاندان ہے۔ سماجی رتبہ کے اعتبار سے یہ گھرانہ کاپو گروہ کے برابر ہے۔ اس گھرانے کا صدر بکریاں اور بھیڑیں کاٹتا ہے اور اس کا گوشت گاؤں والوں میں فروخت کرتا ہے۔ مسلمان اپنی بکریاں اور بھیڑیں علیحدہ ذبح کرتے ہیں یا شہر کے بازار سے اپنی ضروریات کے لیے گائے کا گوشت خریدتے ہیں۔ شامیر پیٹھ بحیثیت مجموعی ایک ہندو گاؤں ہے اور کچھ کمیونٹی کے احساسات کا لحاظ کرتے ہوئے اور کچھ تنازعات سے گریز کے لیے یہاں کے مسلمان گاؤں میں گائے ذبح نہیں کیا کرتے۔ درزی کا واحد خاندان جس کے پاس کپڑا سینے کی ایک پرانی مشین ہے گاؤں کی آبادی میں ایک نیا اضافہ ہے۔ معمولی شہری معیار کے لحاظ سے بھی اپنے حرفہ میں اس درزی کی صلاحیت کسی قدر ناقص شمار کی جانی چاہیئے۔ تاہم گاؤں میں اس کا کاروبار خاصا اچھا ہے۔ متمول لوگوں اور ان چند اشخاص کے علاوہ جو شہر سے برابر ربط رکھتے ہیں دوسرے تمام لوگ یا تو سستے تیار شدہ کپڑے خریدتے ہیں یا گاؤں کے اس درزی سے اپنے کپڑے سلاتے ہیں۔ جس کو پڑوس کے مواضع سے بھی کافی گاہک مل جاتے ہیں۔

خود شامیر پیٹھ میں یا کچھ پڑوس کے مواضع سے وڈروں کے گھرانوں کو ہمیشہ خوب کام ملتا رہتا ہے۔ جو بہتر قسم کا مکان بنانے کی استطاعت رکھتا ہے وہ اسے پتھر سے تعمیر کراتا ہے۔ ملک کے اس حصہ میں اینٹ کا استعمال بہت کم ہے۔ اس لیے گاؤں میں تمام اہم مکانات پتھر کے ہیں۔ گاؤں کے اطراف کی چٹانوں سے کافی پتھر مل جاتا ہے اور وڈر جو پتھر توڑنے اور صاف کرنے کی روایتی تکنیک میں دسترس رکھتے ہیں ان کو کارآمد تعمیری سامان کی صورت دے دیتے ہیں۔

اُن کی بھدی تکنیک کے باعث وڈر کا کام واقعی بہت سخت ہوتا ہے جس میں کافی جسمانی محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس کام کے لیے معاوضہ کی ادائی مقدارِ کار کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ زرعی فصل کے زمانہ میں وڈر زیادہ معاوضہ پر دوسرے کام بھی کرتا ہے۔

ارکلاپی روزی مختلف ذریعوں سے کماتے ہیں۔ ان کے مرد شکاری ہوتے ہیں۔ وہ جال بچھانے اور پھندا لگانے کے کاموں میں بھی ماہر ہوتے ہیں۔ وہ شکاری کتوں کو تربیت کر دیتے ہیں اور ان کو موثر طریقوں پر گھائل جانوروں کا پیچھا کرنے اور ان کا پتہ لگانے کے لیے استعمال کرتے ہیں جب وہ کامیابی کے ساتھ شکار کر لیتے ہیں تو اس کا کچھ حصہ اپنے گھر والوں کے کھانے کے لیے رکھ کر باقی گاؤں والوں کو بیچ دیتے ہیں۔ ان کی عورتیں گا گا کر اور کہانیاں سنا کر گاؤں کے اطراف میں مانگ لیتی ہیں۔ وہ تھوڑا بہت جوتشی کا کام بھی کرتی ہیں۔ خاندان کی کمائی بڑھانے کے لیے ٹوکریاں بناتے ہیں۔ اور اس کام میں مرد اور عورتیں دونوں ہی حصہ لیتے ہیں۔ یہ سور بھی پالتے ہیں۔

مدیگا:۔

شاہ میرپیٹھ میں مدیگا سب سے نیچ ذات ہے۔ معاشی اعتبار سے سماج کا یہ غریب ترین طبقہ ہے۔ جبکہ مالا جو اچھوت بھی ہے مگر درجہ میں مدیگا سے کسی قدر برتر، خود اپنی زمین کی کاشت کرتے ہیں یا یومیہ معاوضہ پر کھیتوں میں مزدوری کرتے ہیں۔ مدیگا گاؤں کے مالدار کاشتکاروں کے گھرانوں سے اپنے کو منسلک کر لیتے ہیں۔ کاشت کرنے والے کی آراضی کے لحاظ سے ایک یا اس سے زیادہ مدیگا گھرانے اس سے مستقلاً منسلک ہو جاتے ہیں۔ زراعتی کاموں کے لیے سال میں ہر موقعہ پر متعلقہ مدیگا اور اس کی بیوی اور بچے اپنے مالک کے لیے کھیت میں کام کرتے ہیں۔ انھیں روزانہ اجرت نہیں دی جاتی۔ جب فصل کٹ جاتی ہے تو انھیں اپنے مالک کے کھیت یا کھلیان پر جا کر مانگنا پڑتا ہے۔ ادائی کی شرحیں دیہی روایات کی منظورہ ہیں جن کا انحصار زیادہ تر زیر کاشت اراضی کے رقبہ اور فصل کی پیداوار ہی پر ہوتا ہے۔ اس طرح ایک خاص رقبہ کے لیے اقل ترین مقررہ مقدار دی جاتی ہے۔ لیکن اگر فصل اچھی ہوئی اور غلہ زیادہ پیدا ہوا تو یہ امید کی جاتی ہے کہ متعلقہ مدیگا کے خاندان کو اسی مناسبت سے بڑھ کر حصہ ملے گا۔ گذشتہ زمانوں میں بڑی زبردستی کی جاتی تھی اور احتجاج کی سکت نہ رکھنے کے باعث مدیگا کو اپنے مالک کے لیے جو بے رحم بھی ہو سکتا تھا، غلام کی طرح کام کرنا پڑتا تھا۔ اگر ان کا مالک مہربان اور نرم دل ہوتا تو وہ اس کو اپنی خوش قسمتی

سمجھتے۔ بہرحال ان کے لیے مناسب یہی سمجھا جاتا تھا کہ جیسے مالک کے ساتھ بھی گزارہ کرلیں۔ کیونکہ مقررہ کام کرنے پر اعتراض یا اس سے انکار کے معنی نتیجتاً یہ ہوسکتے تھے کہ انھیں گاؤں چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے۔ البتہ اب حالات بدل گئے ہیں اور مدیگا ہتک یا سلوک میں بیجا سختی یا بے ڈھنگی دست درازی اب کبھی گوارا نہیں کرتے۔ ادائی میں اختلاف کام کی مقدار اور اس کی نوعیت کی بناء پر ہوتا ہے اور کسی حد تک مالک کے مزاج اور فطرت پر بھی۔ کاہل اور سست کام کرنے والوں کو اقل ترین ادائی کی جاتی ہے جب کہ تجربہ کار اور اہلیت رکھنے والے کافی کما لیتے ہیں۔ ایک مدیگا کے الفاظ میں "اگر ہم اچھا کام نہ کریں تو ہمیں کون دے گا؟ اگر ہم بہت کم کام کریں اور وہ بھی خراب تو آخرکار وہی ملتا ہے جس کے ہم مستحق ہوتے ہیں۔ اگر ہم اچھا کام نہ کریں تو ہمیں جذباتی ہونے کا کوئی حق نہیں۔ اپنے مالک کی گالیاں برداشت کرنے کے لیے کافی بے حس ہونا پڑتا ہے۔ لیکن اگر ہم محنت سے کام کریں اور اپنی مزدوری کا پسینہ بہا کر حاصل کریں تو مالک کو ہم سے اچھا سلوک کرنا پڑتا ہے۔" ایک دوسرے شخص نے کہا: "کچھ مالک وسیع القلب ہوتے ہیں۔ وہ ہم سے محنت کرواتے ہیں مگر ہمیں اچھا کھلاتے ہیں۔ دوسرے ہم سے بیل کی طرح کام لینا چاہتے ہیں لیکن جب کھلانے کا وقت آتا ہے تو وہ ہمارے لیے صرف مٹھی بھر نکالتے ہیں۔ گویا ہم چھوٹے بچھڑے ہیں۔ وہ ہمیشہ شکایت کرتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں۔ لیکن جب ہماری ادائیگی کا وقت آتا ہے تو یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم کو بھی اپنا پیٹ بھرنے کے لیے روٹی چاہیے۔ اور اپنا تن ڈھانکنے کے لیے ایک گز کپڑا۔" کٹائی کے زمانہ میں جو کچھ مدیگا کے گھر والے مانگ کر لاتے ہیں اس کے علاوہ فصل کی کٹائی کی مصروفیت کے زمانہ میں مالک انھیں دن میں ایک بار کھانا کھلاتا ہے۔ رواج کے مطابق مالک کو سال میں ایک مرتبہ اپنے متعلقہ مدیگا خاندان کے ہر اس فرد کو جس نے اس کے کھیتوں میں کام کیا ہے نیا کپڑا دینا پڑتا ہے۔

بہت کم مدیگاؤں کے پاس کوئی قابل ذکر زمین ہوتی ہے۔ اس لیے ان کے خود کاشتکار ہونے کا ذکر ہی کیا۔ لیکن گزر بسر کے اور دیگر ذرائع ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ گاؤں میں مردہ جانوروں کا پھینکنا ان کے ذمہ ہے اور چونکہ انھیں ان کی لاش کھانے سے احتراز نہیں، اس لیے یہ ان کے لیے غذا کی فراہمی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ انھیں مردہ جانور کے چمڑے میں سے آدھا حصہ لینے کا حق ہے۔ دوسرا نصف مالک کا ہوتا ہے۔ مالک کے آدھے حصے میں سے مدیگا کو ایسی چیزیں چمڑے کی بنانی پڑتی ہیں جن کی ضرورت زراعت میں ہوتی ہے۔ بہت سے مدیگا گھرانے

چمڑے کو دباغت دیتے ہیں اور چمڑے کا کام کرتے ہیں۔ دوسرے تقاریب کے مواقع پر ڈھول اور بانسری بجاکر روزی کما لیتے ہیں۔

2۔ زراعت

بشمول پڑوسی کیپرٹوں کے شامیر پیٹھ کا رقبہ (85) ایکڑ پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں سے (31/4) ایکڑ پر خاص شامیر پیٹھ ہے۔ آبادی کے اطراف کی اراضی جس کا اندراج سرکاری بندوبست کے کاغذات میں اس سے متعلق بنایا گیا ہے اس کے تقریباً (20/4) ایکڑ پر چشمے اور چھوٹی ندیاں بہتی ہیں۔ (25) ایکڑ پر خام راستے اور پگڈنڈیاں ہیں اور (6) ایکڑ پر آب پاشی کی نالیاں ہیں۔ اس طرح (58) ایکڑ کے علاوہ جس پر گاؤں اور اس کے متعلقہ دو کھیڑے ہیں (106/4) ایکڑ پگڈنڈیوں، نالیوں اور چشموں پر مشتمل ہے۔ گاؤں کا پورا رقبہ سرکاری کاغذات کے مطابق (5777) ایکڑ ہے اس کے منجملہ (0/12) ایکڑ غیر مزروعہ ہے اور (162/0) ایکڑ پتھروں اور جھاڑیوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ اس طرح فی الجملہ (5765) ایکڑ کی اراضی گاؤں میں زیر کاشت ہے۔ (3339/5) ایکڑ خشکی کی زمین ہے کیونکہ اس رقبہ کی سیرابی صرف بارش کے پانی سے ہوتی ہے اور (425/2) ایکڑ کو تری میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہاں نالہ آبپاشی کی سہولت موجود ہے۔ اگرچہ خشکی کی اراضی نسبتاً بڑی ہے لیکن اس کی پیداوار تری سے کم ہے۔ 1951-52ء کے دوران گاؤں کی اراضی کی جملہ مالگذاری مبلغ (9137) حیدرآبادی سکہ میں سے صرف مبلغ (3982/4/0) روپے خشکی سے حاصل تھے۔ اور باقی تری کی اراضی کی آمدنی تھی۔ تری کی اراضی کی مزید تقسیم آبی، تابی اور دو فصلہ میں کی جاتی ہے آبی اراضی میں بارش کے موسم (جون تا جولائی) میں تخم ریزی کی جاتی ہے۔ اس قسم کی اراضی (131) ایکڑ ہے جس سے سالانہ آمدنی مبلغ (1332/0/-) روپیوں کی حاصل ہوتی ہے "تابی" کی اراضی میں تخم ریزی موسم سرما (اکتوبر تا نومبر) میں کی جاتی ہے۔ گاؤں میں "تابی" اراضی (163/4) ایکڑ ہے اور اس سے سالانہ (1368/12/0) آمدنی ہوتی ہے۔ بالآخر (65/5) ایکڑ اراضی اعلیٰ قسم کی دو فصلہ شمار کی جاتی ہے جس کی زمین پر دو مرتبہ غلہ اگایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے سال میں دو مرتبہ اس زمین میں غلہ کی تخم ریزی اور کٹائی کی جاتی ہے۔ اس کا رقبہ چھوٹا ہونے کے باوجود اس اراضی سے (1208/12/0) روپیوں کی آمدنی ہوتی ہے۔ تری کے اس پورے علاقے کی آبپاشی شامیر پیٹھ کے تالاب کے نالوں سے ہوتی ہے۔ (68) ایکڑ کی ایک اور اراضی کا بھی یہاں ذکر

کیا جاسکتا ہے جس کی آبپاشی خانگی تالابوں اور کنوؤں سے ہوتی ہے ۔ اور جس سے سرکار کو ([illegible]) سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے ۔ کاشتکار تری زمین کے بجد خواہشمند ہوتے ہیں ۔ کیونکہ اس کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے جس کے لیے نسبتاً اس کے اخراجات پر کم پیسہ لگانا پڑتا ہے ۔ موجودہ تخمینہ کے مطابق اوسط تری کی زمین ایک ہزار سے بارہ سو روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے فروخت ہوتی ہے ۔

یہ تو ایک فطری بات ہے کہ بنیادی طور سے زرعی سماج میں ہمیشہ کاشتکاروں اور زراعت پر انحصار رکھنے والوں کی تعداد بہت بڑی ہوتی ہے ۔ ذیل کے تختہ نمبر ۱ میں ایسے لوگوں کی تعداد بتائی گئی ہے جو کلیتہً زراعت پیشہ اور جزئی طور سے زرعی مزدور اور جزئی طور سے کاشتکار اور جزواً دیگر حرفت کے پیشہ ور ہیں ۔

تختہ 1

تعداد خاندان و افراد جن کی معاشش کا خاص ذریعہ کاشت و زراعت ہے

زرعی کام کی نوعیت	تعداد جملہ خاندان	تعداد جملہ افراد	مرد	عورتیں	بچے	تعداد افراد جو دائمی کام کرتے ہیں
(1) کاشتکار جن کا انحصار ان کی اپنی زمین کی کاشت پر ہے ۔	129	713	224	231	258	336
(2) جزوی کاشتکار اور جزوی کھیت مزدور	154	803	249	271	283	495
(3) جزوی کاشتکار اور جزوی دیگر حرفہ ور	59	305	89	105	111	170

تختہ مندرجہ بالا سے واضح ہوگا کہ (336) افراد جو ہمہ وقتی کاشت کرتے ہیں (129) خاندان سنبھالتے ہیں جن میں (713) افراد ہیں ۔ دوسرے درجہ میں لوگ اور زیادہ ہیں جن میں (493) افراد مل کر (154) خاندان سنبھالتے ہیں جن میں (803) اشخاص ہیں ۔ یہ اپنا کھیت بھی جوتتے ہیں اور ساتھ ہی دیگر کاشتکاروں کی مزدوری بھی کرتے ہیں ۔ تیسری قسم میں ایسے لوگ شامل ہیں جو جزوی طور پر کاشتکار ہیں ۔ اور اپنی کمائی کا باقی حصہ دوسرے پیشوں یا حرفوں سے حاصل کر لیتے ہیں (59) خاندان جن کے (305) افراد اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔

گاؤں کی آبادی کی باقی تعداد ان افراد پر مشتمل ہے جو بالواسطہ زراعت میں حصہ لیتے ہیں یا وہ سماجی زندگی کے دوسرے میدانوں میں کام کرتے ہیں۔ تختہ ۱۳ ایسے خاندانوں اور لوگوں کی تعداد بتاتا ہے جو دیگر پیشے کرتے ہیں۔

تختہ جات ۱۲ اور ۱۳ کا تعلق خاص شاہ میر پیٹھ کے گاؤں سے ہے اور ان میں بالوگوڑہ اور گیرپلی کے کھیڑیوں کے کاشتکار اور دیگر ذات کے پیشہ ور شامل نہیں ہیں۔ اگرچہ بندوبست کے کاغذات میں یہ شاہ میر پیٹھ کا حصہ بتائے گئے ہیں۔

جملہ (3765) ایکڑ اراضی میں سے جو زیر کاشت ہے شاہ میر پیٹھ کے رہنے والے تقریباً (3000) ایکڑ پر کاشت کرتے ہیں۔

حرفہ یا پیشہ	جملہ تعداد خاندان	جملہ تعداد افراد	مرد	عورتیں	بچے	تعداد افراد جو ہاتھی سہام کرتے ہیں
(1) کمہار	5	21	6	7	8	14
(2) بڑھئی	4	15	5	5	5	5
(3) لوہار	4	28	8	11	9	8
(4) دھوبی	7	31	7	8	16	18
(5) تاڑی تاسنے والے	16	99	29	34	38	53
(6) گڈریے	21	108	31	42	35	69
(7) حجام	2	11	2	4	5	8
(8) سنار	2	13	4	6	3	4
(9) پتھر توڑنے والے	5	16	5	5	6	10
(10) ارکلا (کاشتکاری)	5	16	6	6	4	11
(11) تاجر اور دکاندار	13	81	22	22	37	27
(12) سرکاری ملازمین	46	211	70	60	81	90
(13) دوسرے	7	33	10	12	11	14

اس گاؤں کی زمین کے حق ملکیت کے تجزیے سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(1) جملہ اراضی کا ایک چوتھائی حصہ ایک خاندان کے قبضہ میں ہے جو (500) ایکڑ ہے۔

(2) اراضی کا دوسرا چوتھائی حصہ 8 خاندانوں کے قبضہ میں ہے جن میں سے ہر ایک کے پاس ایک سو ایکڑ ہے۔

(3) اراضی کا تیسرا چوتھائی 20 خاندانوں کے قبضہ میں ہے جن میں سے ہر ایک کے پاس 46 ایکڑ ہے۔

(4) اراضی کا چوتھا چوتھائی (150) خاندانوں کے قبضہ میں ہے۔ جن میں سے ہر ایک کے پاس (3) ایکڑ ہے۔

گاؤں کا صدر یا چودھری سب سے بڑا واحد مالک آراضی ہے۔ وہ ریڈی ذات کا ہے جو اس علاقہ میں کاشتکاروں کا سب سے بااثر طبقہ ہے۔ دوسرے زمرہ میں ریڈیوں کے علاوہ دو مسلمان شامل ہیں جن میں سے ایک گاؤں کا پٹواری ہے۔ تیسرے زمرہ میں بھی تقریباً 40 فیصد زمین ریڈیوں کے قبضہ میں ہے۔ باقی میں دوسرے ذاتوں والے حصہ دار ہیں۔ خاص کر برہمن، کومٹی، تاڑی تاسنے والے، گڈریے نیز مسلمان بھی۔ اس زمرہ میں دو مالا اور ایک مدیگا بھی شامل ہیں اور یہ تینوں اچھوت ذاتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ چوتھے گروہ میں اراضی مختلف ذاتوں کے قبضہ میں ہے۔ البتہ ان میں کئی خاندانوں کے قبضہ میں خشک اراضی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں جو ان کی ضروریات کے لئے بالکل ناکافی ہیں اور ان کو کسی معنی میں بھی کفالتی رقبہ نہیں کہا جا سکتا۔

مندرجہ بالا اعداد سرکاری کاغذات سے اخذ کیے گئے ہیں۔ خاندان کے باہر والے شخص کے قبضہ میں زمین قانونی امور کی تکمیل کے بعد دی جاتی ہے لیکن خاندانی زمین کو حصص میں تقسیم کرنے کے لیے اس کی ضرورت نہیں ہوتی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سرکاری کاغذات میں جو زمین کسی ایک شخص کے نام پر لکھی ہوتی ہے وہ فی الحقیقت کئی خاندانوں کے قبضہ میں ہو سکتی ہے۔ اسے دو مثالوں سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ سرکاری رجسٹر میں کی ذر کے نام پر چار ایکڑ خشکی اور چھ ایکڑ تری آراضی کے لکھے ہوئے ہیں۔ خشکی کی اراضی اور تین ایکڑ تری کی اراضی اس کے خاص قبضہ میں ہیں۔ اس زمین پر وہ کاشت کرتا ہے اور اس کا پورا غلہ اس کا ہوتا ہے لیکن تری اراضی کی باقی تین ایکڑ زمین چار ٹکڑوں میں تقسیم ہے ان میں سے ایک ٹکڑا پر کی ذر خود کاشت کرتا ہے اور ایک ٹکڑے پر اس کا چچیرا بھائی بس رجو اس کے باپ کے بڑے بھائی کا لڑکا ہے۔ باقی دو ٹکڑے کی آر اور ان ر کے زیر کاشت ہیں جن کی حیثیت کسی قدر الگ ہے۔ کی ذر کے دادا کے حین حیات یہ دونوں اس کے

گھر نسبتی خدمت کے لیے آیا کرتے تھے۔ اس خاندان کی مقررہ برسوں تک خدمت کرنے کے بعد ان کی شادیاں خاندان کی لڑکیوں سے کر دی گئیں۔ لیکن وہ بوڑھے آدمی کو کاشت میں مدد دینے کے لیے اسی جگہ رہتے رہے۔ تی آدر کے دادا کی وفات کے بعد انہوں نے اپنا علیحدہ گھر بنا لیا ہے۔ اور اب اراضی کے وہ ٹکڑے جو تی آدر کے خاندان میں تھے ان کے قبضہ میں بلا شرکت غیرے ہو گئے ہیں۔ مندرجہ بالا مثال سے یہ ظاہر ہے کہ اگرچہ بندوبست کے کاغذات میں اراضی تی آدر کے قبضہ میں دکھائی گئی ہے۔ لیکن در اصل چار مختلف خاندانوں کے قبضہ میں ہے۔ اچھوت مدیگا کو دو ایکڑ کی اراضی اس معاوضہ میں ملی تھی کہ وہ گاؤں والوں کی اور دورہ کنندہ سرکاری عہدہ داروں کی خدمت کرتے تھے۔ لیکن سرکاری کاغذات میں اس اراضی میں اندراج ایک خاندان کے قبضہ میں بتایا گیا ہے مگر حقیقی طور پر اس اراضی میں سات خاندان حصہ دار ہیں۔

خاندان سے علیحدہ ہونے والے ارکین خاندانی آبائی اراضی کا ایک حصہ پاتے ہیں اس تقسیم میں آ ... ملکیت کے ٹکڑے ہونے شروع ہو جاتے ہیں پھر بھی کئی سالوں تک سرکاری کاغذات میں اس پھیلے ہوئے خاندان کے صرف ایک ہی رکن کے نام اراضی کا اندراج چلتا رہتا ہے۔ اراضی مویشی اور سامان کی تقسیم گاؤں کے چند بڑے لوگوں کے مشورہ اور نگرانی میں ہوتی ہے اور اس وقت جن شرائط اور پابندیوں سے اتفاق کیا جاتا ہے اس کا لحاظ خاندان سے علیحدگی اختیار کرنے والے عموماً کرتے ہیں۔ ہماری تحقیقات کے دوران صرف تین واقعات ایسے نظر آئے جن میں اس قسم کے تصفیوں میں دشواریوں کا سامنا ہوا اور یہ ضروری ہو گیا کہ جو تقسیمیں ہوئی تھیں ان کا اندراج جائز طور پر قانونی دستاویزات اور سرکاری کاغذات میں کیا جائے۔ سرکاری کاغذات میں آراضی کو (189) خاندانوں کے قبضہ میں بتایا گیا ہے لیکن حقیقتاً ان لوگوں کی تعداد جو اپنا کھیت رکھتے ہیں زیادہ ہے۔ اگر ہم متصلہ دو کھیڑوں کے مکانات کو شمار میں نہ لائیں تو خاص شامیر پیٹھ میں مکانات کی تعداد (380) ہے۔ ہر مکان ایک انفرادی یا مشترک خاندان کی نمائندگی کرتا ہے۔ ان میں (240) خاندان ایسے ہیں جن کے پاس کچھ اپنی زمین ہے اگرچہ ان میں (70) خاندان ایسے ہیں جن کے پاس صرف چھوٹے ٹکڑے ہیں۔ دوسرے خاندانوں میں کچھ کے پاس صرف خشکی کی اراضی ہے۔ کچھ کے پاس بہت ہی کم تری کی اراضی ہے اور کچھ کے پاس انتہائی چھوٹے ٹکڑے والی اراضی ہے جو اکثر گاؤں کے مختلف گوشوں میں واقع ہے۔ پھر بھی (140) خاندان ایسے رہ جاتے ہیں جن کے پاس کوئی زمین نہیں۔ ان میں سے ہم بائیس سرکاری ملازمین کو خارج کر سکتے ہیں۔ جو اس گاؤں کی آبادی کے مستقل رہنے والوں میں نہیں ہیں۔

نیز ان اور کو بھی جن کو ان کے پیشہ یا حرفہ سے دیہی معیار کے بموجب مناسب طریقہ پر آرام دہ زندگی گزارنے کے لیے کافی آمدنی ہوتی ہے۔ ان کو خارج کرتے ہوئے (۱۱۵) خاندان ایسے رہ جاتے ہیں جن کے پاس کوئی زمین نہیں۔ اور یہ لوگ ان خاندانوں کے علاوہ ہیں جن کے پاس ناکافی یا غیر کفالتی زمینیں ہیں۔

جن کے پاس کوئی زمین نہیں ہے نیز وہ بھی جن کے پاس بہت کم زمین ہے ان کے لیے یہی چارۂ کار رہ جاتا ہے کہ یا تو وہ پورے وقت زرعی مزدوری کریں یا قول پر زمین لے کر جوتیں۔ جو لوگ دوسری صورت اختیار کرتے ہیں وہ یا تو مالک زمین کو ہر سال ایک مقررہ رقم ادا کرتے ہیں یا اسے پیداوار کا چوتھایا تیسرا حصہ دیتے ہیں۔ بٹائی پر پٹہ یا شکمیانہ (غائبانہ کاشتکاری) تقریباً مفقود ہے۔ اور وہ جن کے پاس گاؤں کی زمین کا بڑا حصہ ہے وہ خود ہی اپنے بہترین کھیتوں کی کاشت کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح صرف گھٹیا ہی زمین قول پر حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہ زمین محنت سے کام کرنے اور پیسہ لگانے سے بہتر بنائی جا سکتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے کئی وجوہ اس کے آڑے آتے ہیں۔ اگر ایک ہی شخص کئی سالوں تک چند کھیتوں کا قول لیے رہے تو قانون کے بموجب اسے ان پر نیم مالکانہ حق پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن مالک اراضی ایسا ہونا پسند نہیں کرتا۔ اس لیے اپنے حقوق کی حفاظت کی خاطر اپنی اراضی کا قول مختلف لوگوں میں وقتاً فوقتاً بدلتا رہتا ہے۔ کم میعادی قول اراضی کی بہتری کے لیے موزوں نہیں ہے کیونکہ اس اراضی کو جوتنے والا اس پر سرمایہ کاری کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ اگر وہ اس کو بہتر بنائے تو آئندہ سال میں مالک اسے کسی ایسے دوسرے شخص کو قول پر دے سکتا ہے جو زمین تیار کرنے والے سے زیادہ دینے پر رضامند ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ لوگ جن کے پاس گاؤں میں کاشت کی بڑی اراضیاں ہیں وہ کاشت میں مدد دینے والے مزدور سستے داموں پانے کی فکر میں رہتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر ان کے لیے اپنے وسیع کھیتوں کا جوتنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ان مزدوروں کی مدد سے اپنی زمین کی کاشت کرنے میں انھیں زیادہ فائدہ ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اراضی قول پر دے دیں۔ اگر وہ اپنی زائد اراضی قول پر دے دیں تو سستے مزدور ملنے میں کافی کمی ہو جائے گی۔ اور مقابلہ کے باعث جو مزدور مل بھی سکتے ہیں ان کی مزدوری بڑھ جائے گی۔ اس سے بچنے کے لیے وہ اپنے کچھ کھیت بغیر جوتے چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اس طرح یہ معمہ سامنے آجاتا ہے کہ اسی گاؤں کے اندر بہت سے خاندان اراضی کو ترستے رہتے ہیں تو دوسری طرف سیکڑوں ایکڑ زمین بلا کاشت پڑی رہتی ہے۔

واحد خاندان کی ملکیت ہوتی ہے اور عام حالات میں صدر خاندان کا اس پر کنٹرول ہوتا ہے باپ کی موت پر زمین اور زرعی جائداد جیسے آلات، اوزار، دیگر ضرورت کی چیزیں اور مویشی تمام بھائیوں میں مساوی تقسیم کر دی جاتی ہیں۔ البتہ غیر شادی شدہ لڑکیوں اور متوفی کے نابالغ لڑکوں کی پرورش کے لیے گنجایش رکھی جاتی ہے۔ بہت ہی خاص صورتوں میں تمام بھائیوں کی رضامندی سے بیوہ بہن کو بھی ایک مختصر سا حصہ دیا جاتا ہے لیکن یہ بطور بخشش ہوتا ہے نہ کہ بحیثیت استحقاق۔

زراعت پیشہ اپنی زمین اور اپنے جانوروں کے تعلق سے بڑے جذباتی ہوتے ہیں۔ اگر نامساعد حالات انھیں اس بات پر مجبور کریں کہ وہ اپنے کھیت یا جانور بیچ دیں تو جس دن ایسا کرنا پڑتا ہے وہ دن ان کے گھرانے کے لیے ماتم کا دن ہوتا ہے۔ منتقلی کی ساعت واقعی غم انگیز ہوتی ہے۔ ضروری مراسم پورے کرنے کے وقت کسان کا دل بھر آتا ہے۔ کئی دنوں تک خاندان پر غم کا بادل چھایا رہتا ہے۔ اس غم میں عورتیں کہرام مچاتی ہیں اور بچے آنسو بھی بہاتے ہیں۔ ہندوستانی کسان کے دل میں دھرتی ماں کی بڑی قدر ہوتی ہے اور اس کے کسی ٹکڑے کا علیحدہ کرنا ماں سے جدائی کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ مویشی کاشتکار کے خاندان کے فرد کا درجہ پا جاتے ہیں۔ اور ان کی جدائی، موت یا فروخت ان کے لیے بڑے رنج کا سبب بن جاتی ہے۔

گاؤں والوں کے پاس زمین کی ملکیت کی بڑی وقعت اور تمنا ہوتی ہے۔ عورتوں کے زیورات کے علاوہ صرف زمین اور جانور ہی ان کی ملکیت ہوتے ہیں۔ حالیہ برسوں میں مجموعی طور پر تمام اشیاء کی قیمتوں میں عام اضافہ کے ساتھ زمین کی قیمت بھی بڑھ گئی ہے۔ مندرجہ ذیل تختہ سے 1939ء اور 1950ء میں مختلف درجوں کی زمینوں کی اوسط قیمتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

تختہ [illegible]

سن 1939ء اور 1950ء میں زمین کی قیمتیں

قسم زمین	1939ء زمین کی قیمتیں			1950ء زمین کی قیمتیں		
	قیمت فی ایکڑ روپوں میں					
	الف	ب	ج	الف	ب	ج
(1) خشکی کی زمین	60	40	18	220	170	75
(2) تری کی زمین	250	150	90	1200	800	480
(3) باغات کی زمین	300	240	110	1500	1200	550

مختلف درجوں کی آبادی کے رہن سہن کے معیار اور اس تناسب سے ان کی آمدنی اور مصارف کا جائزہ میں آئندہ باب میں لوں گا۔ لیکن زراعت کی اقتصادی صورت پر ایک نظر ڈالنا یہاں بے جا نہ ہوگا۔ شاہ میر پیٹھ کے لوگ دھان اور باجرہ کی دو بڑی فصلیں اگاتے ہیں۔ ذیل میں دیئے گئے تختہ میں بالخصوص جوار کی کاشت کی اوسط فی ایکڑ مجموعی آمدنی، جملہ مصارف اور خالص آمدنی دکھائی گئی ہے۔ تختہ 4 و تختہ 5 یک فصلہ اور دو فصلہ اراضی پر دھان کی کاشت کے متعلق اسی قسم کے اعداد دیئے گئے ہیں۔ یہ اعداد نمونۃً گاؤں کے پچاس فیصد خاندانوں کے سروے سے اخذ کیے گئے ہیں، جو تین مختلف درجوں کی اراضی پر کاشت کرتے رہے ہیں۔ اعداد مجموعی تعداد سے قریب تر دکھائے گئے ہیں۔

تختہ 4

باجرہ کی فی ایکڑ کاشت کے اوسط مصارف اور پیداوار

اراضی کی قسم	مجموعی آمدنی	جملہ مصارف	خالص آمدنی
الف	140 روپے	64 روپے	76 روپے
ب	82 "	40 "	42 "
ج	62 "	30 "	32 "

تختہ 5

دھان کی فی ایکڑ کاشت (یک فصلہ) کے اوسط مصارف اور پیداوار

اراضی کی قسم	مجموعی آمدنی	جملہ مصارف	خالص آمدنی
الف	420 روپے	180 روپے	240 روپے
ب	310 "	160 "	150 "
ج	200 "	170	80 "

تختہ 6

دھان کی فی ایکڑ کاشت (دو فصلہ) کے اوسط مصارف اور پیداوار

اراضی کی قسم	مجموعی آمدنی	جملہ مصارف	خالص آمدنی
الف	350 روپے	220 روپے	310 روپے
ب	420 "	200 "	220 "
ج	380 "	190 "	190 "

اگر ہم زراعتی عہدِ جدید میں مختلف نوعیتوں کے مصارف کا اوسط نکالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ بیج کا صرفہ ہی ایک ایسا بڑا اہم جزو ہے جس میں پوری لاگت کا تقریباً 60 فیصد محسوب ہو جاتا ہے مالگذاری، مزدوری کے مصارف، کرایہ کے ہل اور بیل وہ ادھار روپیہ پر سود یہ سب دیگر اہم مصارف ہیں۔ کھاد اور اراضی کے ترقی پر رقم صرف شدہ میں سات فیصدی کی لاگت آتی ہے۔ ذیل کے تختہ سے کھیتوں کے سروے کے مطابق اوپر کی مدات پر اوسط مصارف کا اندازہ ہوتا ہے۔

تختہ 7

	مدات مصارف	جملہ مصارف کا فیصد
(1)	بیج	58
(2)	مالگذاری	9
(3)	مزدوری	6½
(4)	عام مصارف اور کرایہ ہل بیل کا کرایہ	5½
(5)	قرض کا سود اور سرمایہ	4
(6)	کھاد	3½
(7)	زرعی آلات، درستی اور کھیت کی درستی	3½
(8)	متفرقات	1

گذشتہ اوراق میں دیہی زراعت میں زمین کا بحیثیت ایک اہم عامل کے جائزہ لیا گیا ہے مزدور کے تعلق سے عام باتیں بیان کی گئی ہیں اور اس طرف میں پھر متوجہ ہوں گا۔ یہاں سر دست سرمایہ اور تنظیم کے اجزا پر سرسری اظہار خیال مناسب ہوگا۔

گاؤں کے کاشتکاروں کے خاندانی موازنہ کے تجزیہ سے یہ واضح ہوا کہ اس کا دس فیصد فاضل تھے ۴۴ فیصد متوازن اور باقی موازنہ گھاٹے میں تھے۔ لوگوں پر قرض کا بار تھا اس کے متعلق صحیح تعداد معلوم نہ کیے جاسکے کیونکہ لوگ عام طور سے اس بات کو چھپانا چاہتے تھے۔ ہمارے سرسری اندازہ کے مطابق 55 تا 60 فیصد گھرانے مقروض ہیں۔ چونکہ مناسب شرح سود پر حکومت سے زراعتی یا اراضی کی بہتری کے لئے قرضہ نسبتاً چند افراد حاصل کر سکتے ہیں اور گاؤں میں کوئی انجمن امداد باہمی بھی نہیں ہے اس لیئے زیادہ تر لوگ اپنے گاؤں کے یا اس کے پڑوسی گاؤں کے ساہوکاروں سے قرض لیتے ہیں۔ چھوٹے قرضے بڑے دکانداروں یا کاشتکاروں سے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ شرح سود میں کافی تفاوت ہوتا ہے۔ بڑی رقم کے قرض پر کچھ رہن کے لیے اصرار ہوتا ہے اور چھ اور بارہ فیصد کے درمیان کوئی بھی شرح سود مرکب لگا دی جاتی ہے۔ معمولی رقم کے قرضہ پر دو آنے فی روپیہ فی ماہ کا سود لگایا جاتا ہے۔ اگر زیورات یا دوسری قیمتی اشیا گروی رکھی جائیں تو چھوٹے قرضہ پر بھی شرح سود کم کر دی جاتی ہے۔ اشیا کا قرض بھی لیا جاتا ہے۔ بیج اکثر ادھار لیے جاتے ہیں اور فصل کی کٹائی پر 25 فیصد شرح سود سے واپس کیے جاتے ہیں۔ کئی صورتوں میں خاندانوں کے مقروض ہونے کا سبب بجائے زراعتی ضرورتوں کے سماجی مذہبی تقریبات میں فضول خرچی اور مقدمہ بازی کے بیجا مصارف ہیں۔

زراعتی کاروبار کی تنظیم زیادہ تر صدر خاندان کے سپرد ہوتی ہے۔ اگرچہ ایسے بالغ لڑکوں سے بھی جو والدین کے ساتھ رہتے ہیں، مشورہ کیا جاتا ہے۔ اراضی کی خرید و فروخت کے وقت وسیع تر خاندان کے بزرگوں سے ہمیشہ مشورہ لیا جاتا ہے۔ قرض کی غرض سے خاندانی ملکیت کو رہن رکھنے سے پہلے ایسا مشورہ ضروری ہوتا ہے۔ کسی فرد کے لیے اپنی طرف سے جدت یا اختراع کرنے کا میدان بہت محدود ہے کیونکہ زراعت کے کاروبار میں اب بھی زیادہ تر روایتی طریقے رائج ہیں اور بڑی حد تک ان پر اس زراعتی روایت کے طریقے کی حکمرانی ہے جو نسلاً بعد نسل چلی آرہی ہے۔

بہت سے زراعت پیشہ اپنے کھیتوں کی کاشت کا انتظام خاندان کے مزدوروں کی مدد سے کر سکتے ہیں۔ روایتی نظام کے بین ذاتی تعلق سے انھیں پیشہ ور ذاتوں کی خصوصی خدمات مل

جاتی ہیں۔ اچھی حالت والے مالکان اراضی سے مدیگا کے خاندان وابستہ ہیں، پھر بھی کچھ مدیگا خاندانوں کی مستقل اور اراضی کے بہت سے رقبوں کا چند خاندانوں میں مجتمع ہو جانے کے باعث بہت سے کاشتکاروں کے ذریعہ یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ زائد مزدوروں سے کام لیں۔ فصل کے مصروف زمانہ میں معمولی کاشتکار کو بھی ہنگامی مزدوروں سے کام لینا پڑتا ہے۔ یومیہ اجرت کی شرحیں اب بہت بڑھ گئی ہیں۔ 1939ء میں مرد مزدور کو یومیہ 3 تا 6 آنے دیئے جاتے تھے اور عورت کو 2 تا 4 آنے۔ 1951ء میں مرد کو ایک تا ڈیڑھ روپے فی یوم دیا جاتا تھا اور عورت کو 8 تا 12 آنے۔ معمول مالکان اراضی سال بھر کے ٹھیکہ پر بھی مزدور رکھ لیتے ہیں۔ ادائیوں کی شرح میں تفاوت کام پر لگائے جانے والے شخص کی عمر، اہلیت اور تجربہ نیز کام پر لگانے والے کی مالی حیثیت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ ہمارے اعداد و شمار کے مطابق اجرتوں میں تفاوت (120) روپے تا (284) روپے سالانہ ہے جو نقد یا جنس کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے۔ معاہدہ کے مطابق خدمت گار کو ماہانہ نقد تنخواہ دی جا سکتی ہے یا کچھ حصہ نقد اور کچھ غلہ کی صورت میں دیا جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر سالانہ اجرت کے معاہدہ میں حسب ذیل باتیں شامل ہوتی ہیں - ایک مقررہ رقم کی ادائی ختم سال پر، دن میں ایک یا دو مرتبہ کھانا یا ہر ہفتہ خاص مقدار میں غلہ اور رنگے کپڑوں کے ایک یا دو جوڑے نیز ایک جوڑا جوتی یا ایک کمبل۔ ایک طریقہ سے مزدور پیشگی رقم وقتاً فوقتاً حاصل کرتا رہتا ہے، اور اگر یہ مقررہ رقم سے بڑھ جاتی ہے تو مزدور کو آئندہ سال اس قرض کی ادائیگی کے لیے کام کرنے پر رضامند ہونا پڑتا ہے۔

(3) زراعتی سال

شاد مدیگا کے کاشتکار مقامی کیلنڈر کے مطابق کام کرتے ہیں۔ کھیتوں کا کام وہ ستاروں کی چال کے مطابق کرتے ہیں۔ اس کیلنڈر کے مطابق ایک مہینہ 2 کارتی میں منقسم ہوتا ہے۔ ہر ایک کی مدت تقریباً پندرہ دن ہوتی ہے۔ ہر کارتی کا ایک نام ہے جو ستارہ کے خاص مقام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لوگوں کی زرعی روایات کے مطابق مختلف کارتیاں مختلف قسم کے زرعی کاموں کے لیے موزوں ہوتی ہے جس سے کاشتکار کو بادقات مختلف کھیت میں کام کا نظام العمل طے پاتا ہے۔ بے شک وہ دوسرے قدرتی عوامل کو بھی پیش نظر رکھتا ہے مثلاً مستقبل قریب میں بارش کا امکان لیکن وہ ہندی کیلنڈر کے آزمودہ نظام العمل پر کاربند رہتا ہے۔ مسلم کاشتکار بھی اس کیلنڈر پر چلتے ہیں اور اپنے ہندو پڑوسیوں کے ساتھ زرعی لوک کہانیوں سے استفادہ کرتے ہیں۔

گرما کے آخر میں (یعنی ختم مئی پر) کاشتکار کافی بارش کی امید میں اپنے کھیتوں کو ہل چلانے کے لیے صاف رکھتے ہیں۔ عام طور پر اس زمانہ میں کسی قدر بارش ہوتی ہے جو زمین کو اتنا نرم کر دیتی ہے کہ ہل چلایا جا سکے۔ بارش کے ساتھ ہی کسانوں کو کھیت کی جانب اپنا لکڑی کا ہل لے جاتے ہوئے اور بیلوں کی جوڑی ہانکتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ ذرا بھی وقت ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ زمین سخت ہو گئی تو ہل چلانا دشوار ہو جائے گا۔ اور آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ تخم ریزی میں دیر ہو جائے گی۔

کم و بیش اسی زمانہ میں وہ اپنے پچھواڑے کی زمین پر بیل اور ترکاری لگانے کے لیے برہمن کے پاس مبارک دن پوچھنے جاتے ہیں۔ برہمن اپنا پترہ ایک ایسا روز معلوم کرنے کے لیے دیکھتا ہے، جس دن اس شخص کے ستارے اور متعلقہ فلکی نجوم مطابقت ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ ترکاریاں لگانے کے لیے ایسا دن سب سے زیادہ مناسب ہوگا۔ نجوم کے ان شگونوں کے مطابق ہندو کاشتکار اپنے پچھواڑے ترکاری کی فصل اگانے کی تیاریاں شروع کر دیتے ہیں۔ مسلمان اور زیادہ غریب ہندو برہمن پجاری کی خدمات سے استفادہ نہیں کرتے۔

کیاریاں اور گڑھے بہت پہلے سے تیار رکھے جاتے ہیں۔ اور برہمن کے بتائے ہوئے مناسب دن (یا اگر برہمن سے مشورہ نہ کیا گیا ہو تو خاندان کے مقرر کردہ دن) بیج بوئے جاتے ہیں۔ بارش کے موسم میں تقریباً ہر ایک کچھ نہ کچھ ترکاریاں اور بیل لگاتا ہے اور زیادہ تر صورتوں میں صرف بیج ہی ڈال دیا جاتا ہے۔ جو سال کے کسی حصے میں برابر کھائی جاتی ہیں۔ ان میں پسندیدہ ترکاریاں یہ ہیں: سیم، چچینڈا، لوکی، کدو اور تورئی کدو کچھ دن بعد لگائے جاتے ہیں۔ اوکرا، بینگن اور کچھ دوسری ترکاریاں بھی اگائی جاتی ہیں۔

اس کے بعد جب کچھ اور بارش ہو جاتی ہے تو کاشتکار کھیتوں میں مکئی اور جوار بونے میں جلدی کرتے ہیں۔ چاول کی ایک قسم جسے مقامی طور پر سانٹھو کہتے ہیں احتیاط سے تیار کی ہوئی کیاریوں میں بویا جاتا ہے۔ جسے بعد میں مستقل طور پر کھیتوں میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔

جولائی کے پہلے دو ہفتوں میں وہ عمل جاری رکھا جاتا ہے جو آخر مئی میں شروع کیا گیا تھا۔ اس وقت تک کافی بارش ہو چکی ہوتی ہے جس سے زمین کافی نرم ہو چکی ہوتی ہے۔ چاول کی تخم ریزی بھی جاری رکھی جاتی ہے۔ اقسام کے دھان جو [illegible] مناسب طور پر کھیتوں میں اگائے جاتے ہیں (دھان) بونے کے 15 یا 20 دن بعد گھاس پھونس نکال باہر کرنے کے لیے کھیت کو [illegible] کیا جاتا ہے۔

جولائی کے آخری نصف میں بارش برابر اور باقاعدگی سے ہوتی ہے۔ اس دوران میں لوگوں کو فصل

خریف مثلاً مکئی اور جوار کی تخم ریزی مکمل کر لینی چاہئیے۔ اسی زمانہ میں مونگ پھلی، السی اور دیگر اقسام کے روغنی تخم لگائے جاتے ہیں۔ یہ فصلیں خشک زمین پر اگائی جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کے لیے زیادہ آبپاشی کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اس کے ڈیڑھ مہینے بعد تک دھان کی بوائی جاری رہتی ہے۔ اس وقت زیادہ تر موٹے اور متوسط اقسام کے دھان کی بوائی ہوتی ہے۔ ان میں دو اعلیٰ قسمیں ہیں۔ جن کو ریاست حیدرآباد کے محکمہ زراعت نے ترقی دی ہے اور انھیں مقامی طور پر دھان نمبر 12 اور نمبر 9 کہا جاتا ہے۔ بوائی کے ایک مہینہ بعد کھیتوں سے گھاس پات نکالی جاتی ہے۔ تر کھیتوں سے گھاس نکالنے کے لیے اجرتی مزدور لگائے جاتے ہیں۔ لیکن خشک زمین کے کھیتوں میں یہی کام ایک دندانے دار ہل سے کیا جاتا ہے جو خاص اسی غرض کے لئے بنا ہوتا ہے۔ گھاس نکالنے کے فوراً بعد وہ کھیتوں میں کھاد ڈالنا شروع کرتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایک مصنوعی زرخیز کھاد استعمال کرتے ہیں۔ جسے دھان کا آمیزہ ([illegible]) کہا جاتا ہے۔ اسے وہ حکومت ریاست حیدرآباد کے محکمہ زراعت سے خریدتے ہیں۔ تر زمین پر کچھ لوگ باریک دانے والے خوشبودار چاول کی اعلیٰ اقسام اگاتے ہیں۔

خریف کی فصل نیز دوسری فصلوں کی کٹائی اکتوبر یا اوائل نومبر میں مکمل ہو جانی چاہئیے۔ یہ وقت کاشتکاروں کے لیے واقعی ہی سب سے زیادہ مشغولیت کا ہوتا ہے۔ ان فصلوں کی کٹائی نیز ربیع کی فصل (مثلاً چنا، ارنڈی وغیرہ) کی بوائی اور دھان کی دوسری فصل کی درمیانی مدت کم سے کم ہونی چاہئیے اول الذکر کے لئے انھیں جلدی کرنی پڑتی ہے تاکہ نئی فصل کی بوائی میں تاخیر نہ ہو جائے۔ عام قاعدہ کے مطابق ربیع کے غلہ کی بوائی تری کے کھیتوں میں دھان کی دوسری بوائی سے پہلے کر دی جاتی ہے۔

ہلکے سرمائی آمد کے ساتھ ہی گاؤں میں زراعتی مصروفیت بڑھ جاتی ہے۔ ربیع کی پیداوار میں مثلاً چنا، ارنڈی، مرچ، سرسوں، تمباکو، رنگی، پیاز، لہسن، دھنیا، اور میتھی، مختلف قسم کے تخم روغن بوئے جاتے ہیں۔ یہ سب خشکی کی پیداوار ہیں۔ مرچ، پیاز، لہسن، تمباکو، دھنیا اور میتھی کو چھوڑ کر جو کنوؤں کے قریب اگائی جاتی ہیں، اور جن کی آبپاشی ہفتہ میں تقریباً ایک بار چمڑے سے یا چرسے کی بنی ہوئی ڈولیوں سے جسے بیل کھینچتے ہیں کی جاتی ہے۔ ان میں سے بہت سی فصلیں تین یا پانچ مہینوں میں کٹائی کے لیے تیار ہو جاتی ہیں۔ سرسوں، چنا اور دھنیا تین مہینے میں تیار ہو جاتی ہیں۔ ارنڈی، مرچ اور تمباکو کے لیے چار مہینے درکار ہوتے ہیں۔ تخم روغن زیادہ وقت لیتے ہیں۔ ان کی کٹائی پانچویں یا چھٹے مہینے کے شروع میں کی جاتی ہے۔ ان فصلوں کی بوائی کے مکمل ہونے کے ساتھ ہی کاشتکار دھان کی دوسری فصل کی کٹائی

میں معروف ہو جاتے ہیں۔ آبپاشی کے تالابوں سے کھیت پانی سے بھر دیئے جاتے ہیں۔ اور ہل چلا کے
تخم ریزی کے وقت سے بہت پہلے ہی بوائی کے لیے تیار کر دیئے جاتے ہیں۔ اگر تالاب میں پانی کی
سطح کم ہونے کے باعث کھیتوں میں پانی بھرنا ممکن نہ ہو تو بارش کا انتظار کیا جاتا ہے۔ عموماً دوسری فصل کے
لیے دھان کی جلد تیار ہو جانے والی قسم کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ یہ فصل تین یا چار مہینوں میں تیار ہو جاتی
ہے اور گاؤں کے محدود ذرائع آبپاشی پر زیادہ بار نہیں پڑتا۔

جب یہ فصلیں کٹائی کے لیے تیار ہو جاتی ہیں تو زراعتی مصروفیت کا سالانہ دور تکمیل کو پہنچ جاتا
ہے۔ جب کٹائی ختم ہو جاتی ہے تو کسان کو ذرا دم لینے اور آرام کرنے کا ایک مختصر وقفہ ملتا ہے۔ مگر بے
مگر ہے وہ کھیت کا چکر لگاتے ہیں اور گھاس پات اور دیگر خود رو پودے صاف کر دیتے ہیں۔ سال کے اس
حصے میں ان کے کام کے لیے سخت محنت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ نہایت سہولت کے ساتھ وہ کھیت کی
تیاری کا کام اپنے ہاتھ میں اس طرح لیتے ہیں جو آیندہ موسم باراں و سرما میں بڑے پیمانہ پر زراعتی کام کے لیے
ہوتا ہے۔ گوبر کے گڑھوں سے کھاد کھیت میں لائی جاتی ہے اور ہموار طریقہ پر پھیلا دی جاتی ہے۔ گھاس
اور دیگر خود رو پودے کھیت سے نکال دیئے جاتے ہیں۔ زمین کو ایک مہینہ کے اندر ہل چلانے کے
لیے تیار رکھا جاتا ہے۔ چند دنوں میں آنے والی بارش کے آثار انھیں اپنا کسل دور کر دینے پر مجبور کر دیتے
ہیں۔ ہل چلانے کی تیاریاں سال کے زراعتی کاروبار کے نئے دور کا افتتاح کرتی ہیں اور گرمائی بارش
کی آمد انھیں پھر کھیتوں کی طرف بھیج دیتی ہے

(4) مویشی اور پالتو جانور

گاؤں میں زراعت اب بھی زمانہ قدیم کے رواج کے مطابق ہے۔ آج بھی پرانے طریقے کے
بیلوں سے کھینچے جانے والے لکڑی کے ہل کاشتکاروں کے زیر استعمال ہیں۔ اس طریقہ کار میں مویشی کی
اہمیت واقعی بہت زیادہ ہے۔ اور ان حالات میں کامیاب کھیتی کا انحصار کافی حد تک اچھے بیلوں کے
ملنے پر ہوتا ہے۔ کچھ کاشتکار کھیت جوتنے کے لیے بھینسوں سے کام لیتے ہیں۔ پھر بھی بیل ہی کو ترجیح دی
جاتی ہے۔ گھر کے لئے بھینس دودھ کے لیے پالی جاتی ہیں۔ گڈریوں کے پاس بکریاں اور بھیڑوں کے بڑے
گلے ہوتے ہیں۔ کچھ مسلمان اور ہندو سوائے برہمن اور کورمی کے، چند بکریاں پال لیتے ہیں۔ صرف ادکلا
ہی کتے پالتے ہیں۔ پالتو جانوروں میں کتوں کا پالنا گاؤں کے ہر طبقہ میں پسند کیا جاتا ہے۔ گاؤں میں بلیوں کی
تعداد خاصی ہے لیکن وہ پالتو جانوروں کی طرح نہیں رکھی جاتیں۔ کچھ لوگ طوطے پنجروں میں رکھتے ہیں اور

انھیں ایک آدھ لفظ بولنا سکھا سکتے ہیں۔ یہاں کے تین مسلمانوں نے تیتر پال رکھے ہیں۔ ایک ہندو دکاندار کے پاس ایک چھوٹی مینا ہے جو اس کی دکان کے سامنے پنجرہ میں لٹکی رہتی ہیں۔ برہمن اور کومٹی کے علاوہ مرغیاں گاؤں کی آبادی کے سب ہی لوگ پالتے ہیں۔ معمولی پرندوں کے علاوہ چار گھرانوں میں بط اور ٹرکی مرغیاں بھی پائی جاتی ہیں۔

اس مطالعہ کے ضمن میں مئی ۱۹۵۰ء میں گاؤں کے جانوروں کا سروے کیا گیا تھا۔ اس سروے کا نتیجہ بطور خلاصہ ذیل کے تختوں میں درج ہے۔

تختہ 8

شامیر پیٹھ کے مویشی

قسم جانوران	از قسم گائے بیل	از قسم بھینس و بھینسا
(1) کام کے جانور تین سال سے زائد عمر کے	285	75
(2) دودھ دینے والے جانور	7	17
(3) دودھ دینے والے جانور جو سوکھ گئے	18	71
(4) ایک سال کی عمر والے جانور نر اور مادہ	152	69
(5) بانجھ گائے یا بچھیا	186	8
جملہ	648	240

تختہ 9

بکریاں اور بھیڑیں

جانور	تعداد		
	عمر ایک سال تک	عمر ایک تا تین سال کے درمیان	عمر زائد از تین سال
(1) بکریاں (الف) نر	9	21	9
(ب) مادہ	5	149	1
(2) بھیڑیں (الف) نر	13	85	5

(ب) مادہ	297	2

تختہ 10

سور اور مرغیاں

قسم	تعداد
(1) سور	50
(2) مرغیاں (الف) نر	52
(ب) مادہ	232
(ج) چوزے	105
(3) بط	14

مندرجہ بالا تختہ 9 سے یہ واضح ہوگا کہ تقریباً ہزار ایکڑ کی قابل کاشت زمین کے لئے گاؤں میں کل 360 ہل کھینچنے والے جانور ہیں اور چونکہ ہل چلانے کے لیے مویشیوں کی جوڑی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے گاؤں میں اس غرض کے لیے صرف 180 جوڑیاں ہل چلا سکتی ہیں۔ ہر جوڑی کو تقریباً 5.5 ایکڑ جوتنا پڑتا ہے اور یہ واقعی ان جانوروں کے لئے بہت زیادہ ہے جو جاڑے سے ساتھ کام کرنے والی علاج و نگہداشت جانوروں کی ضرورت کے مطابق بری حالت میں خصوصاً ... سے کاشت اور بے گھر ہیں۔ جن کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ حالیہ جانوروں کی بیماریوں نے مویشیوں کی حالت خراب کر دی ہے اور ان کو مختلف بیماریوں کے حملوں کا نشانہ بنا دیا ہے۔ عمومی طور پر ہل چلانے والے مویشیوں کی زیادہ دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ لیکن گائے کی طرف سے بے پروائی جسے روایتی طور پر "ماں" سمجھتے ہیں واقعی افسوسناک ہے۔ اچھی نسل کے بیلوں کا فقدان اور چراگاہوں کی عدم موجودگی مویشیوں کی حالت خراب ہونے کے اسباب ہیں۔ نسلی بیل کی غیر موجودگی میں غیر محنت کش بیل جو کوئی خاص امتیاز نہیں رکھتے گائیوں کے درمیان آزادانہ پھرتے رہتے ہیں۔ گاؤں کے بندوبست کے مطابق اس بستی کے اطراف 482.1 ایکڑ کی چراگاہ ہے۔ لیکن یہ زمین بالکل کاشت ہمیشہ گاؤں کے باہر گتہ داروں کو پر اٹھ کر دی جاتی ہے۔ چونکہ یہ چراگاہیں گاؤں کے مویشیوں کے چرنے کے لیے نہیں

تھیں۔ اس لیے وہ گاؤں کی جھاڑیوں اور چھٹانوں کے اطراف پھرتے رہتے ہیں اور جو چارہ میسر ہوتا ہے کھاتے ہیں۔

لہٰذا مویشیوں کی کمی گاؤں کے متوسط کسان کی ترقی میں سخت گھاٹے کا باعث ہے۔ اچھی حالت والے کاشتکاروں کے پاس ان کی زرعی ضروریات کے لیے ہمیشہ مویشیوں کی مناسب تعداد ہوتی ہے۔ لیکن متوسط یا غریب کسانوں کو اپنے محدود یا کرایہ کے مویشیوں سے وقت پر کھیت جوتنے میں بڑی دشواری ہوتی ہے۔ بارش پر انحصار انھیں اس بات پر مجبور کردیتا ہے کہ غیر یقینی بارش سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے وہ اپنے زراعتی پروگرام میں کچھ تبدیلیاں کریں۔ ان کا کچھ کام پہلی بارش گرنے سے پہلے ہوجانا چاہیئے۔ اور دوسرے کام اس کے فوراً بعد ہونے چاہئیں۔ اس کی وجہ سے مصروفیت کے زمانہ میں کچھ دن کے لیے آدمیوں اور مویشیوں کی فراہمی میں بڑی دشواری ہوتی ہے۔ وہ کاشتکار جن کا انحصار کرایہ کے مویشیوں پر ہوتا ہے یا جو باہمی طور پر مویشی لیتے اور دیتے ہیں پہلی بارش کا خاطرخواہ فائدہ نہیں اٹھاسکتے اور اس جبری انتظار کا نتیجہ بے وقت کی بوائی اور خراب پیداوار میں ظاہر ہوتا ہے۔

اچھے دودھ دینے والے مویشیوں کی عدم دستیابی لوگوں کی غذا پر اثر انداز ہوتی ہے۔ مئی 1951ء میں اس گاؤں سے دودھ صرف تقریباً ۱۴ پونڈ روزانہ فراہم ہوسکتا تھا۔ اس سے پہلے یہ بتایا جاچکا ہے کہ گاؤں کے زیادہ تر لوگ مرغیاں پالتے ہیں لیکن عام طور پر یہ معمولی قسم کی ہوتی ہیں۔ انڈوں کی فراہمی کا اندازہ چودہ سو سالانہ کیا گیا ہے۔

(5) دیگر معاشی مصروفیات

قبل اس کے کہ ہم دوسرے پیشوں کی طرف متوجہ ہوں لوگوں کی بعض عام مصروفیات کا تذکرہ ضروری ہے۔ مستقل طور پر شکار صرف تھوڑے لوگ کرتے ہیں۔ صرف اورکلاہی نے اسے اپنے پیشہ کے جزو کے طور پر اختیار کیا ہے۔ وہ زیادہ تر چھوٹا شکار کرتے ہیں۔ اور جال بچھانے، پھندا لگانے اور کتوں کے ذریعہ شکار کرنے میں ماہر ہے۔ ان تحقیقاتوں کے دوران گاؤں میں چھ بندوقیں تھیں جن کے مالکین کبھی کبھی بندوق سے شکار کرنے باہر جاتے ہیں۔ اسی طرح مچھلی کا شکار صرف چند لوگ کرتے ہیں۔ زیادہ تر کچھ مسلم نوجوان۔ وہ مچھلی کا جال اور ناپے استعمال نہیں کرتے۔ مچھلی پکڑنے کے لیے ان کا واحد طریقہ چھڑی، کانٹا، اور چارہ کا استعمال ہے۔ گاؤں کے قریب میں بڑے تالاب سے مچھلیوں کی کافی فراہمی کا امکان ہے لیکن گاؤں کی آبادی میں مچھلی کے شکاری طبقہ کے فقدان کے باعث یہ امکان تقریباً

غیر آزمودہ رہا۔ تاہم پڑوس کے مواضع سے باہر گیر وقتاً فوقتاً اوب کو آتے رہتے ہیں۔

شادی پیٹھ کے قرب و جوار میں جنگلی غذاؤں کے جمع کرنے کے بہت کم امکانات ہیں۔ گاؤں کے اطراف پھل دار درخت زیادہ نہیں ہیں۔ آم اور جامن کے پھل ابھی پکنے بھی نہیں پاتے کہ گاؤں کے لڑکے انہیں کھا جاتے ہیں۔ لڑکوں اور جوانوں کے گروہ موسم میں جنگلی بیر چننے جاتے ہیں۔ یہ زیادہ تر اسی جگہ کھائی جاتی ہیں۔ جب گولر (جنگلی انجیر) پک جاتے ہیں تو لڑکے جمع کرتے ہیں اور کھاتے ہیں۔ ایک دوسری کھانے کی چیز جو ہر شخص پسند کرتا ہے چگر (املی کی کونپل) ہیں۔ یہ پتیاں بطور ساگ پکائی بھی جاتی ہیں اور اچار بنا کر رکھی بھی جاتی ہیں۔ نچلی ذات والے اور کمتر سماجی رتبہ والے لوگ جب انہیں کوئی شہد کی مکھیوں کا چھتہ دکھائی دیتا ہے تو وہ شہد جمع کرتے ہیں۔ دوائی کی بوٹیاں، جڑیں، پتیاں اور چھلکے ضرورت کے مطابق جمع کئے جاتے ہیں۔

جنگلی پیداوار سے استفادہ ہر شخص کے لیے ممکن نہیں۔ گاؤں کے اطراف کے جنگل سے گاؤں والے صرف مختصر مقدار میں ایندھن جمع کر سکتے ہیں۔ ساگوان حاصل کرنے پر حکومت کے محکمۂ جنگلات کی پابندیاں ہیں۔ علاوہ ان کے لیے اجازت نامے صرف مقررہ رقم کی ادائیوں کے بعد ہی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

مختلف رنگوں کی مٹی جو دیواروں کی لپائی کے لئے استعمال کی جاتی ہے نیز جس سے اندرونِ خانہ زیبائش کی جاتی ہے یہ اور مکان کی تعمیر کی معمولی ضروریات لوگ بہ آسانی حاصل کر لیتے ہیں۔ وڈر کوئی ادائی کے بغیر پتھر توڑ سکتے ہیں اور ان کو تراش سکتے ہیں۔

(6) غیر زرعی پیشے

سماج کی معاشی تنظیم کی خاکہ کشی کے لیے ذاتوں کے روایتی پیشوں اور ان کے کاموں کا اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ کاشتکاروں اور کچھ پیشہ ور ذاتوں میں باہمی تعلقات کے ضمن میں چند مختلف معاشی قسم کے کاروبار کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ جو حسب ذیل ہیں:

(1) خاندانی نظام کا وہ طریقہ جس کے تحت پیشہ ور ذات کاشتکاروں کے خاندان یا خاندانوں سے ان کے زرعی کاموں میں چاکری کے لیے اپنے کو متعلق کر لیتے ہیں۔ (2) اسی قسم کی وابستگی سماجی مذہبی رسوم و تقریبات میں خاص قسم کا کام انجام دینے کے لیے نیز (3) پیشہ ور ذاتوں میں پیشے کی خدمات کا باہمی تبادلہ۔ اور (4) بالآخر ذات کے اجارہ دارانہ حدود میں نقد ادائی پر خدمات کا انجام دینا۔ جو پیشہ ور ذاتیں اپنے

میدان عمل کی مخصوص خدمات پیش کر کے کاشتکاروں کی مدد کرتی ہیں۔ اس امر کا تجزیہ کرنا دلچسپی کا باعث ہوگا کہ چاروں قسم کے معاشی کاروبار کی پوری کمائی میں واقعی کس کا کتنا حصہ ہے۔ ذیل کے تختہ میں مختلف خاندانوں کے موازنہ سے اوسط کا حساب نکالا گیا ہے جہاں خاندانوں کی تعداد کم تھی جیسے کہ کمہار، بڑھئی اور لوہار۔ تو تمام صورتوں میں ان کے سبھی لوگوں کو لیا گیا ہے۔ دوسری صورت میں بلا تسلسل پچاس فیصد مثالیں لی گئیں۔

بہر حال اس طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ موازنے خاندانوں کے زبانی پیش کیے ہوئے اندازوں پر تیار کیے گئے۔ صرف تین سال کے اندر جو معاوضہ ادائیگی کی رقمیں وصول ہوئیں انھیں کی تنقیح کی گئی۔ ان حسابات میں خاندان کے قبضہ میں آراضی کی کاشت کی آمدنی یا خاندان کے مخصوص پیشہ کے باہر جو زرعی مزدوری کی آمدنی ہوئی ان کا حساب نہیں لگایا گیا۔

تختہ ۱۱

ذات	فی صد آمدنی از :				
	خاندانی وابستگی کا روایتی نظام	سماجی مذہبی رسوماتی خدمات	پیشہ کی خدمات کا حساب دار	نقد ادائی کی خدمات	متفرق
کمہار	18	3	1	78	-
بڑھئی	60	1	2	36	1
لوہار	60	—	2	37	1
حجام	40	12	2	43	3
دھوبی	30	10	2	55	3
مدیگا	50	8	—	40	2

مندرجہ بالا تختہ سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ بڑھئی، لوہار اور حجام علی الترتیب اپنی کل آمدنی کا 63 فیصد، 62 فیصد اور 54 فیصد ایک بالکل ایک روایتی قسم کے ذریعوں سے حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ گاؤں کے تمام مدیگا خاندانوں کی وابستگی کاشتکاروں سے نہیں ہے، اس لیے حسابات میں ان ذریعوں سے ان کی اوسط آمدنی صرف 58 فیصد برآمد ہوتی ہے۔ اگرچہ صرف چند دہے پہلے جب کہ روایتی نظام عام طور پر رائج تھا یہ کافی زیادہ رہی ہوگی۔ کمہار بازار میں خاندانوں کے روایتی انتظام کے برعکس اپنے مٹی کے

برتن بیچ کر زیادہ آمدنی حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی طرح کچھ دھوبیوں نے شہر میں اب دھلائی کا کام شروع کر دیا ہے جیسے ہی دو یا تین بار ان سے کپڑے لیتے ہیں اور اسی وقت سابق کا کپڑا جو دھو کے لاتے ہیں واپس دیتے ہیں۔ پڑوس کے مواضع میں حجام کے گاہک موجود ہیں۔ اس گروہ کی تمام ذاتیں اپنی مجموعی آمدنی کا معتدبہ حصہ روایتی استخدامی طریقوں سے علیحدہ خانگی ذریعوں سے حاصل کرتے ہیں۔

گاؤں کی معاشی حالت صرف جزوی حد تک خود کفیل ہے۔ تاجر، کومٹی اور مسلمان دونوں شہر سے تھوک میں مال خریدتے ہیں اور اپنے گاؤں کی دکانوں میں ان کی جلد فروشی کرتے ہیں۔ لوگوں کا شہر جانا ہوتا ہے تو وہ اپنی ضروریات کی اشیاء وہاں سے خریدتے ہیں۔ وہ اکثر ہفتہ واری بازاروں کا بھی چکر لگاتے ہیں۔ جولاہے اپنی جرخیال حیدرآباد کے تھوک فروشوں سے خریدتے ہیں اور اپنے کپڑے قریب کے مواضع میں فروخت کرتے ہیں۔ سُنار کے گاہک بھی کئی ایک پڑوس کے مواضع میں پھیلے ہوئے ہیں گو زیادہ بستی کے سیندھی تاڑی کے خمیری عرق کی ضرورت ہوتی ہے گاؤں کے اطراف کے درختوں سے نکالی جاتی ہے لیکن وقتاً فوقتاً خواہشمند گاہکوں کے لیے اسے ایسی شراب کی بھی کچھ مقدار رکھنی پڑتی ہے جو شہر میں کشید کی گئی ہو۔ وڈر گروہ کا پتھر توڑنے کا پیشہ پڑوس کے ایسے مواضع میں سے جاتا ہے جہاں اس کی ذات کے افراد نہیں ہیں۔ آخر میں وڈیگا خاندان کے لوگوں نے ہڈیاں کو درست اور دباغت دینے یا جوڑنے کے کام میں ماہر ہونے کی شہرت حاصل کر لی ہے۔ اس لیے بعض وقت باہر کے لوگ بھی اپنے کام کے لیے انھیں مقرر کر لیتے ہیں۔

باب چہارم

رسوماتی ڈھانچہ

(۱) مذہب کی نوعیت

آج دیہات میں رہنے والوں کے حقیقی مذہبی اعتقادات، خیالات، احساسات اور عملدرآمد کا صحیح اندازہ ہمیں ہندوستان کی روایات کی کتابوں، کلاسیکی ادب اور جدید تصنیفات سے بمشکل ہوگا۔ ان کے مذہبی اعتقادات اور رسوم کا تجزیہ کرنا آسان بات نہیں۔ لوک کہانیاں، دیومالائیں، مقدس کویوں کی مذہبی تعلیمات اور شاستروں اور مروجہ مذہبی کتب کے عالموں سے تعلقات۔ یہ سب چیزیں ان کے مذہبی تصورات پر اثرانداز ہوئیں جس کے نتیجہ میں ان کے مذہب میں توحید کا عنصر شاذ ہی نظر آتا ہے ورنہ بالعموم ان کے عقائد روح پرستی، اشیاء پرستی اور کئی خدائیت کے اعتقادات کا مجموعہ ہیں۔ اس کے علاوہ ارواح، بھوت، پریت، چڑیل اور جادو پر بھی وہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان مختلف اعتقادات کی پیچیدگی سے مافوق الفطرت دنیا کی ایک ایسی تصویر بنتی ہے جس پر دیہاتی لوگ یقین رکھتے ہیں۔ کل ہند کلاسیکی ہندومت کے اعتقادات علاقائی مذہبی عقائد میں مل گئے ہیں اور یہی جنوبی ہند کے لوگوں کی عبادت اور عقیدوں میں ظاہر ہیں۔ بہت سے فرقے اور عبادات جو خالص مقامی نوعیت کے ہیں اعتقادات اور مذہبی رسوم کو اور بھی پیچیدہ بنا دیتے ہیں۔ مختلف پھیلے ہوئے رسوم پر خاندان اور پچھوپر پورا گاؤں کاربند ہے۔ اس کے علاوہ انفرادی طور پر ذات وار گروہ بھی عمل پیرا ہیں۔

مذہب کی جانب عام طور پر ایک فرد کا کیا رجحان ہے اور سماج کے مختلف اکائیوں نے جو مذہبی دستورالعمل اور رسوم منظم کئے ہیں ان کی طرف اس کا کیا رجحان ہے ان سوالات

سکے جوابات سے مروجہ اور مقبول مذہبی کردار کو سمجھنے میں مدد ملیگی

شاہ میر پیٹھ بحیثیت مجموعی ایک ہندو گاؤں ہے۔ یہاں کی آبادی کے مسلمان "سنی" فرقے کے ہیں اور قرآن کے بتائے ہوئے مذہبی طریقوں پر چلتے ہیں جس کی صراحت اس فرقے کے بانیوں نے کی ہے۔ ایک پکے مسلمان سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ دن میں پانچ بار نماز ادا کرے گا۔ لیکن شاہ میر پیٹھ میں اکثر ایسا کم ہوتا ہے کچھ سن رسیدہ مسلمان دن میں دو بار نماز پڑھتے ہیں۔ کچھ صرف ایک بار اور باقی ہفتہ میں جمعہ کی نماز پر اکتفا کرتے ہیں۔ ملاجو گاؤں میں مسلمانوں کا پیش امام ہے واحد شخص ہے جو مقررہ نمازوں کو روزانہ پڑھتا ہے۔ رمضان کے مہینہ میں روزہ اکثر مسلمان رکھتے ہیں۔ لیکن جو بلا ناغہ ختم ماہ تک قائم رکھتے ہیں ان کی مجموعی تعداد چھ تک بھی نہیں ہوگی۔ مسلمانوں میں جماعتی شعور بہت بیدار ہے لیکن شاہ میر پیٹھ میں حامیان اسلام اس قدر زیادہ مذہبی عقیدت کا اظہار نہیں کرتے۔

برہمن اور کومٹی ذات والوں کے سوا ہندوؤں میں روزانہ کی عبادت کا کوئی مقرر وقت نہیں ہے۔ ان لوگوں کی تعداد جو روزانہ مندروں اور دیویوں کو جاتے ہیں برائے نام ہے۔ لیکن تہوار اور رسومات پوری پابندی سے ادا کئے جاتے ہیں، ورنہ دیوتاؤں کی یاد صرف بیماری اور مشکلات کے وقت کی جاتی ہے۔ اصولی طور پر صرف چند بڑے بوڑھے پیدا کرنے والے کو روزانہ یاد کرنے کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ لیکن نوجوانوں کی مصروفیات دوسری ہی ہوتی ہیں۔ وہ رسومات میں حصہ لیتے ہیں، تہوار کی دعوتوں میں شریک ہوتے ہیں، مقدس کتابیں پڑھی جاتی ہیں اور روایاتی داستانوں کو سننے کے لئے جمع ہوتے ہیں جنہیں پیشہ ور داستان گو ان موقعوں پر سناتے ہیں جب وہ اس گاؤں میں آتے ہیں۔ پیدا کرنے والے کی یاد اور توبہ کا کام بڑھاپے پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ عورت ہو یا مرد صرف بڑی عمر والے ہی زمانہ کی تبدیلی نیز مذہبی اور اخلاقی اقدار کے انحطاط کی باتیں کرتے ہیں۔ نئی پود کے افکار اور خیالات میں مذہبیت بہت کم پائی جاتی ہے اور ان میں گہرا مذہبی شوق اور جوش نہیں ہوتا۔ زیر مشاہدہ جماعتی زندگی میں ہمیں صرف دو استثنائی صورتیں ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک "عرس" ہے۔ یہ ایک قسم کا نیم مذہبی میلہ ہے جو جلال میاں نامی ایک مقامی مشہور مسلمان بزرگ کی یاد میں منعقد ہوتا ہے۔ یہ میلہ مسلمانوں کی طرف سے منعقد کیا جاتا لیکن اس میں زیادہ تر ہندو شریک ہوتے ہیں۔ دوسری بات گاؤں کی ایک دیوی کی سالانہ پوجا کی رسم ہے۔ ان دونوں مواقع پر کچھ لوگوں پر جلال میاں کی روح یا کوئی دیوی سوار ہوتی ہے۔ ٹرانس یا حال (TRANCE) کے عالم میں یہ لوگ اس روح کی طرف سے باتیں کرتے ہیں یہ جوان پر

غائب ہوتی ہے۔ دوسرے لوگ جو وہاں موجود ہوتے ہیں۔ ان پر نذر اتار اکرتے ہیں۔ اپنے اہم مسائل یا مشکلات کا حل دریافت کرتے ہیں، اور مصیبتوں اور بیماریوں سے بچانے کی استدعا کرتے ہیں۔ اس موقعہ پر ان کی طرف سے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ان استثناؤں کے علاوہ یہاں کی زندگی کے معمول میں مذہبی افکار، گفتگو یا عبادات کا عنصر بہت کم پایا جاتا ہے۔

ہندو مسلم دونوں ایک حد تک قضا و قدر پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور عالم بالا کی مافوق الفطرت قوتوں نے جو باتیں ان کے لیے مقرر کر رکھی ہیں ان پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ لوگوں کو اکثر یہ کہتے سنا جاتا ہے کہ اگر یہ ہماری تقدیر میں لکھا ہے تو ہمیں راضی رہنا ہی پڑے گا۔ انسانی کوشش خدا کی مرضی نہیں بدل سکتی۔ جو کچھ مقدر میں ہے وہ ہو کر ہی رہے گا۔ لیکن اس مجبوری کا محض کا ظہور صرف اس وقت ہوتا ہے جب لوگ اپنے مسائل کو حل کرنے کی پوری کوشش کر چکتے ہیں اور کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنے کے باوجود عقدہ کشائی نہیں ہوتی۔ تقدیر کے اس تصور کے ساتھ ملا ہوا کرم کا ہندو نظریہ ہے۔ اس نظریہ کے مطابق جو روح کے آواگون اور اس کی پیدائش ثانیہ کے عقیدہ کو تسلیم کرتا ہے۔ ہماری گذشتہ زندگی کے اعمال سے موجودہ زندگی کے کردار کا تعین ہوتا ہے اور ہماری اس زندگی کے اعمال آئندہ کی زندگی کے کردار کو متعین کرتے ہیں۔ گاؤں کے لوگ ان دونوں نظریوں کو مانتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ اس عقیدہ کی رو سے ہماری موجودہ زندگی پچھلی زندگی کی اساس پر قائم ہوتی ہے لیکن اس زندگی کے صحیح عمل سے حیات بعد الموت کو ضرور بدلا جا سکتا ہے۔

دینی اخلاقیات عمل صالح پر بہت زور دیتی ہے یعنی روایتی ضوابط پر عمل پیرا رہا جائے کیونکہ اسی زندگی میں شادمانی اور خوشحالی کے حصول کا یہی ایک طریقہ ہے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہی چیز موت کے بعد روح کی منزل متعین کرتی ہے۔ مستقبل کا مسئلہ زندگی بنانے میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ہندو اور مسلمان دونوں کا یہ عقیدہ ہے کہ موت ہی آخری انجام نہیں اس کے آگے بھی کچھ اور ہے۔ دونوں موت کے بعد روح کے انجام کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ مسلمان کو یہ امید ہے کہ روز قیامت تک وہ اپنی قبر میں رہے گا اور حشر کے دن جو یوم فیصلہ ہے اسے اپنے اعمال کے مطابق جنت یا جہنم میں بھیجا جائے گا۔ ہندو کے لیے یہ زندگی درحقیقت ایک نہ ختم ہونے والا عمل مسلسل ہے۔ مرنے کے بعد ایک شخص یا سورگ کو جاتا ہے یا نرک کو یا وہ دوسرا جنم اختیار کر لیتا ہے۔ اپنی گذشتہ زندگی کے اعمال کی بنا پر ایک شخص کی پیدائش بالاتر ذات میں یا گذشتہ زندگی کی ذات سے کمتر ذات میں یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ عالم حیوانات کا کوئی ادنیٰ جانور ہو جائے۔

اس لئے 'سورگ' میں جانے کی کوشش ہونی چاہیے یا پھر کسی اچھے خاندان اور معزز ذات میں مکرر جنم حاصل کرنا چاہیے۔ اپنی تحقیقات کے دوران ہمیں ایسے بہت کم لوگوں سے سابقہ پڑا جنہیں اصلی ہندو کے نظریہ 'موکش' (مکتی) یا نجات کا دھندلا سا بھی تصور رہا ہو۔ جس کے ذریعہ روح تمام دنیاوی تقاضوں سے آزادی حاصل کر لیتی ہے اور اس بات کا تیقن کر لیتی ہے کہ مختلف حالتوں اور صورتوں میں اس کا بار بار جنم لینا منقطع ہو جائے گا۔ لیکن 'سورگ' کو جانے یا پہلے سے اچھا جنم لینے کی تمنا عام ہے۔ بچپن ہی سے ایک شخص بہشت اور دوزخ کے رنگین اور ڈرامائی بیانات سنتا رہتا ہے۔ "ہمیں اپنے اعمال کا حساب خدا کے سامنے دینا پڑے گا۔ ہم اپنے خاندان، گاؤں، ذات اور مقتدر حاکم کو دھوکا دے سکتے ہیں لیکن خدا کو ہم کبھی دھوکا نہیں دے سکتے۔ ہر چھوٹی بات جو ہم کرتے ہیں، اس کے پاس لکھی ہوئی ہے اور موت کے بعد اس کے کارندے اس بات کا فیصلہ کریں گے کہ ہم جنت میں جائیں یا دوزخ میں۔" بیشتر لوگوں کا موضوع گفتگو یہی ہوتا ہے۔ جب ان سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ ان کے ایقان کے مطابق موت کے بعد انسان کا مستقبل کیا ہوگا۔ 'سورگ' اور 'نرک' کے بیانات واضح اور تصوراتی ہوتے ہیں۔ ایک نے کہا "سورگ میں تمہیں فقط کسی چیز کی خواہش کرنی ہے اور دوسرے لمحہ وہ تمہارے پاس آجائے گی۔" ایک ریڈی کاشتکار نے بیان کیا "سورگ میں چین اور ہر چیز کی بہتات ہے۔ تمام لوگ بڑی آسائش کے محلات میں رہتے ہیں جہاں ان کے آرام کے لیے لاتعداد نوکروں کی ایک فوج ہوتی ہے وہاں تمہیں اچھی سے اچھی غذائیں اور بہترین چیزیں مل سکتی ہیں۔" مدیگا کا بہشت سے متعلق تصور کچھ الگ ہی ہے۔ اس نے کہا "جب تم سورگ میں جاؤ گے تو تم کو آرام دہ مکان ملیگا جس میں کرسیاں، نرم بستر اور روئی کے گدے ہوں گے۔ اور تم کو ہر قسم کی مٹھائیاں اور جتنا بھی چاول کھانا چاہو سب ملیگا۔ اور تم جو چاہو سب کر سکو گے کیوں کہ وہاں ڈانٹنے اور گالیاں دینے کے لیے انتظامی یا دیہی افسران نہیں ہوں گے۔"
'نرک' کا بیان بھی کافی معیاری ہے۔ 'نرک' ایک ڈراونی جگہ ہے اس کے بہت سے حصے ہیں۔ ایک سے بڑھ کے ایک خراب۔ اس کے ایک حصے میں بھڑکتی ہوئی آگ ہمیشہ جلتی رہتی ہے۔ دوسرے میں مہلک سانپ، بچھو اور مگرمچھ ہیں۔ اس کے بعد اس میں ایک بڑا تالاب ہے۔ کئی میل لمبا جو پیپ اور بدبودار لہو سے بھرا ہوا ہے۔ جس پر کیڑے اور خطرناک کرم رینگتے رہتے ہیں۔ اور وہاں سینکڑوں اور ہزاروں ایسے حصے ہیں جن میں سے ہر ایک میں ایک نیا عذاب گنہگار کا انتظار کر رہا ہے۔ جیسا جس کا گناہ ہے اسی لحاظ سے خطاکاروں کو ان حصوں میں پھینک دیا جاتا ہے تاکہ جو انھوں نے کیا اس کا

خمیازہ بھگتیں۔ وہ چلاتے ہیں، چیختے ہیں اور روتے ہیں۔ لیکن نرک کے قید خانے کے محافظین بے رحم ہیں۔ گنہگار جتنا زیادہ چلاتے ہیں اتنا ہی ان کو اور اذیت دی جاتی ہے۔" اوپر کا بیان 'نرک' کی وہ واضح اور عجیب تصویر پیش کرتا ہے جو گاؤں والوں سے اکثر سنی جاتی ہے۔ گفتگو، لوک کہانی، دیومالاؤں اور داستانوں سے یہ خیالات گاؤں کے بچوں کے ذہنوں میں ابتدا ہی سے بٹھا دیے جاتے ہیں جو زندگی گناہ کے ڈر سے شروع کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ اس عمر کو پہنچتے ہیں کہ بڑی مہمات سر کریں تو یہ سب ڈر کھل جاتے ہیں اور 'نرک' کے بیان کا ہولناک جادو ان پر نہیں چلتا۔ جب بڑھاپا قریب آجاتا ہے تو ناکامیوں اور افسردگیوں کی تلخ یادیں جمع ہونے لگتی ہیں لیکن گوشت پوست میں اتنی طاقت باقی نہیں رہتی کہ نئی مہمات سر کی جائیں۔ اس لیے لوگ آہستہ آہستہ حیات بعد الموت کا خیال کرنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ ایک ان پڑھ شخص نے مختصراً کہا: "جب تک جوانی رہتی ہے انسان کے اعمال پر نفسانیت کی حکمرانی ہوتی ہے۔ جب تک دولت رہتی ہے سونے کی چمک انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ لیکن بڑھاپے میں انسان اپنی جوانی کے کیے پر روتا ہے۔ اب وہ ان دھندلی آنکھوں سے سونے کی پاگل بنا دینے والی چمک نہیں دیکھ سکتا۔ تب اس کے خیالات مذہب کی طرف پلٹتے ہیں۔"

دھرم کا تصور بھی اہم ہے کیوں کہ انسانی زندگی کے ادوار کی ہر حرکت پر یہ چھایا ہوا ہے اور یہی مختلف تفصیلوں کا تعین کرتا ہے۔ جو گروہوں کی داخلی اور باہمی زندگی میں پائی جاتی ہیں۔ مغربی مصنفوں نے اکثر دھرم کا ترجمہ 'مذہب' کیا ہے لیکن اس ترجمہ سے اصلی معنی بمشکل نکلتے ہیں۔ شاید اس کو 'راہِ زندگی' یا 'راہِ حق' کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ذات پات کی روایات اور پارسائی کے عام اصولوں کو تسلیم کرنا، برت رکھنا اور تقاریب کا پورا کرنا، رواج کے رسم و رواج میں جو سخت طریقے ہیں ان پر چلنا، عبادت کے مقامات کا 'تیرتھ' یا مقدس دریاؤں میں اشنان ـــــ عام طور پر لوگوں کے دھرم میں یہ سب باتیں شامل ہیں۔ خاص قسم کی عبادات اور رسوم مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے ادا کی جاتی ہیں۔ دھرم کے ذریعہ ہی ایک شخص اپنی قسمت بنانے کی امید کر سکتا ہے۔ پاپ (گناہ) اور پنیہ (نیکی) کا تصور نیز رسوم کی غلط ادائی دھرم کے وسیع نظریے کی بنیادیں ہیں۔ کسی شخص کو خواہ وہ کسی ذات سے تعلق رکھتا ہو چند چیزیں ہرگز نہیں کرنی چاہئیں کیوں کہ وہ گناہ ہیں۔ اس زمرہ میں قتل، بے انتہا ظلم، تشدد اور زناکاری کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ پھر کچھ چیزیں ایسی ہیں جنھیں چند ذات کے لوگوں کو یا چند افراد کو خاص حالات میں نہیں کرنی چاہئیں۔ نیچ ذات والوں کے ساتھ تعلقات یا ہم طعامی ناپاکی کا باعث ہوتی ہے۔ عورت جسے ایام آتے ہوں یا ایک

گھرانہ جس میں ولادت اور موت ہوئی ہو ایک خاص زمانہ تک ناپاکی کی حالت میں سمجھے جاتے ہیں۔ کچھ حیاتی آلائش مثلاً پاخانہ، پیشاب یا منی کے اخراج پر ناپاکی دور کرنے کے لیے خاص طرح سے دھونا یا نہانا ضروری ہے۔ ان طریقوں پر عمل سے گریز نجاست کا باعث ہوگا۔ اور نجاست کی نوعیت اور اس کے درجہ کے مطابق پاکی کے رسوم ادا کرنے پڑینگے۔

بھوتوں اور روحوں پر یقین عام ہے۔ ان سے ڈرا جاتا ہے اور انہیں منایا جاتا ہے۔ اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ چند اشیاء میں ماورائی اور مخفی طاقتیں پوشیدہ ہوتی ہیں جن کے انسداد کے لیے عمل اور تعویذوں کی بڑی مانگ ہوتی ہے۔ جادو کا اکثر شبہ کیا جاتا ہے اور کمیونٹی کے چند افراد پر جادو کی طاقت رکھنے کا تعین کیا جاتا ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ گاؤں میں جو ہندو مذہب رائج ہے وہ ہندوستان کے کلاسیکی فلسفیانہ طریقہ کا ہندو مذہب نہیں ہے کیوں کہ نہ اس میں مابعد الطبیعیاتی تصورات ہیں اور نہ ہی اس کی جامعیت۔ یہ برت، تیوہار اور تقاریب کا مذہب ہے جس میں زندگی کے اہم مرحلوں کی رسومات شامل ہیں۔ سالانہ تقاریب اور رسوم کے بموجب دیوتاؤں اور بار دواح کو منانے کے لیے عبادت کرتے ہوئے انسانی زندگی بیت جاتی ہے۔ بیماری اور مشکلات میں ان ہی ذرائع سے امداد طلب کی جاتی ہے۔

بچپن کے ابتدائی دور میں مذہبی ہدایات، افسانوی قصے اور کہانیاں بچے کے ابھرتے ہوئے دماغ پر اثر ڈالتی ہیں اور یہ تصورات اس بچے کے ذہن میں باقی رہ جاتے ہیں۔ جوانی اپنے زمانہ عروج میں زندگی اور اس کی خوشیوں کے متعلق زیادہ مادی اور دنیاوی خیالات کی حامل ہوتی ہے۔ مذہب کی طرف خیالات اس وقت پلٹتے ہیں جب زندگی کی شام ہونے لگتی ہے اور خیالات کی یہ کروٹ کچھ تو ممکن حد تک آخری لمحہ جدائی کے التوا کے لیے ہوتی ہے اور کچھ اس یقین کے لیے کہ موت کے بعد مستقبل کیا ہوگا۔ زندگی کے تجربات کے تجزیہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ روحانیت سماجی زندگی کی بنیادی حقیقت نہیں۔ درحقیقت مذہب ایک عملی چیز ہے۔ یہ فرد اور گروہ کو ایسے حالات میں تقویت بخشتا اور طاقتور بناتا ہے جب تکنیکی قابلیت اور عملی ذہانت ناکام ہوتی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ سماجی اتحاد کو مستحکم کرنے کا باعث ہوتا ہے

(2) عقائد: دیوتا اور دیویاں

مسلمان ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور زندگی کے اس راستہ پر چلتے ہیں جو ان کے پیغمبر نے

انھیں بتایا، وہ سنی، فرقے سے تعلق رکھتے ہیں اور اس طرح وہ شیعوں اور اسلام کی دوسری چھوٹی جماعتوں سے بلحاظ کتاب مقدس کی تاویلات، عقائد، رسوم اور تقاریب میں مختلف ہیں۔ گزشتہ چار پانچ پشتوں سے شاہ میر پیٹھ کے مسلمان تبدیلی مذہب کے ذریعہ ہندو سے مسلمان ہوئے۔ وہ ہندو تثلیث کے خداؤں پر عقیدہ نہیں رکھتے اور نہ دوبارہ جنم لینے پر۔ لیکن وہ ہندوؤں کے مانند بھوت، بد ارواح اور چڑیلوں کے وجود پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ گاؤں کی کمیونٹی کے ساتھ رسومات اور قربانیوں میں شرکت کرتے ہیں ہیضہ، پلیگ اور چیچک سے بچنے کے لیے وہ بھی مقامی دیویوں کو منانا ضروری سمجھتے ہیں۔

دیہاتی ہندو مت کو بیان کرنا آسان نہیں۔ یہ انتہائی لچکدار مذہب ہے اور ہندوستان کے بڑے حصے میں یہ کافی حد تک علاقائی اور مقامی اختلافات کے ساتھ موجود ہے۔ ایم۔ این سری نواس نے اپنی کتاب "جنوبی ہندوستان کے کورگ باشندوں کا مذہب اور سماج" (Religion and society among the Coorgs of South- India) میں گاؤں میں ہندو مذہبیت کے پھیلاؤ والی کل ہند ہندو مذہبیت میں شمار کیے جانے، جنوبی ہندوستان کی ہندو مذہبیت، علاقائی ہندو مذہبیت اور مقامی ہندو مذہبیت کے کارآمد تصورات سے متعارف کیا ہے۔

شاہ میر پیٹھ کے لوگ ہندو خداؤں کے تمام دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں لیکن ان کے بہت سے فرقے واضح طور پر ان پیچیدہ تقاریب یا تہواروں کے متعلق ہیں جنھیں جنوبی ہندوستان سے مخصوص کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے کچھ میں ایسی تبدیلیاں نظر آتی ہیں جو اس خاص گاؤں تک ہی محدود ہیں۔

ہندوؤں کے تثلیث کے تخیل میں خدائیت کے تین پہلو ہیں

"برہما" ۔ پیدا کرنے والا، "وشنو" ۔ باقی رکھنے والا، اور "شیو" ۔ برباد کرنے والا، یہ عقیدہ سارے ہندوستان کے ہندوؤں کا ہے۔ ہندوستان کے دوسرے حصوں کے ہندوؤں کی طرح شاہ میر پیٹھ کے رہنے والے زیادہ تر "شیو" یا "وشنو" اور اس کے بیشمار اوتاروں کی پوجا کرتے ہیں۔ بالخصوص رام اور کرشن کی۔

"روح (آتما) کا تصور ـــــ فرد کے اعمال کے لحاظ سے اس کی موجودہ اور آئندہ زندگی کی نسبت عقیدہ۔ "کرم" کا تخیل (زندگی میں نیک چلنی پر زور دینا اور وہ کرنا جو انصاف اور اخلاق کے مطابق ہو (دھرم" کا تخیل) ـــــ بہشت (سورگ) اور دوزخ (نرک) اور آخر میں روح کا تناسخ اور اس کا مکرر جنم لینا۔ یہ سب تخیلات سارے ہندوستان پر چھائے ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان کی تفصیلات میں

جایئے تو نمایاں علاقائی اور مقامی فرق بھی نظر آئینگے۔ الغرض رسوم کی نوعیت جس کا تعلق انسانی زندگی کے ادوار سے ہے وہ ہندو سنسکرتی کی رسوم سے بہت زیادہ متاثر ہوئی ہیں لیکن پھر بھی اس میں نمایاں علاقائی خصوصیات موجود ہیں۔

سارے ہندوستان میں چند دریا مقدس سمجھے جاتے ہیں اور بہت سی کہانیاں اور عبادتیں ان سے وابستہ ہیں۔ گوداوری ان دریاؤں میں سے ہے جس کی پاکی اور اہمیت ہندو مذہبی کتابوں میں ذکر آنے کی وجہ سے بڑھ گئی ہے۔ خطۂ دکن کا سب سے اہم دریا ہونے کے باعث یہاں کے ہندوؤں کیلئے بہت اہم ہے۔

ہندوؤں کے بڑے دیوتاؤں کے ساتھ لوگ ان دیوی دیوتاؤں کو بھی مانتے ہیں جن کا تعلق علاقائی اور مقامی عقیدوں سے ہے۔ ان دیویوں کی نوعیت اور خصوصیات مختلف ثقافتی علاقوں میں مختلف ہوتی ہیں۔ کچھ دیویاں جن کی فہرست ذیل میں درج ہے عام طور پر تلگو زبان بولنے والے علاقوں میں پائی جاتی ہیں بالخصوص حیدرآباد کے تلنگانہ اضلاع میں۔ ان کی بڑی اہم خصوصیات جو شاہ میر پیٹھ کے باشندوں سے بموجب بیان کی گئی ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) پوچما (POCHAMMA) چیچک کی دیوی

(2) متیالما (MUTYALAMMA) گوبری (خسرہ) کی دیوی

(3) بالما (BALAMMA) گل کی دیوی جس کا غصہ عورتوں کو بانجھ کر دیتا ہے۔

(4) مہاکالما (MAHAKALAMMA) ہیضہ کی دیوی

(5) درگما (DURGAMMA) گاؤں کی قسمت اور خوشحالی کی نگرانی کرنے والی دیوی

(6) میسما (MAISAMMA) گاؤں کے حدود کی حفاظت کرنے والی دیوی۔

مندرجہ بالا کے علاوہ کچھ اور دیویوں کی بھی پوجا کی جاتی ہے۔ ان میں اہمیت رکھنے والی یہ ہیں:۔ یلما (ELLAMMA) (پھوڑا اچھا کرنے والی دیوی) پنما (PINAMMA) (جب دادا دادیوں کے نام پر بچے کا نام رکھا جائے) اور ان کے علاوہ چھوٹی کھیتوں کی دیویاں ہیں جو فصلوں کی حفاظت کرتی ہیں۔ ان میں بہت سے نام اور بے نام والی دیویاں ہیں جنکی پوجا شاہ میر پیٹھ کے موضع تک محدود ہے۔

شاہ میر پیٹھ کے ہندوؤں میں ہندو مذہب کی وہ تمام خصوصیات دیکھی جا سکتی ہیں۔ جو سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں اور جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ برہمن کے مکان کے قریب "شیو" کا ایک چھوٹا مندر ہے۔ اسی طرح دلشیکھ کے مکان کی جانب ایک اور مندر چھوٹی سے پہاڑی پر ہے

جنہیں بہت سی مورتیاں ہیں۔ گاؤں میں دو چبوترے ہیں جن پر بسنہ دیوتا ہنومان جی بٹھایا گیا ہے
بہت سے اعلیٰ ذات کے گھروں میں ان دیوتاؤں کی مورتیاں یا تصویریں ہیں۔ جن کے پاس دیوتاؤں
کی مورتیاں ہیں۔ وہ اسے ہر روز دھوتے ہیں اور اس پر کھانا چڑھاتے ہیں۔ انہیں خاندانی یا گھرانے
کی دیوی کہا جاتا ہے۔ تصاویر کی پوجا تقاریب کے موقع پر کی جاتی ہے۔ طلبیا باد (Mudhu Bana) میں جو
پڑوس کا گاؤں ہے، رام کا ایک مندر ہے۔ ان کے علاوہ گاؤں کی دیویوں کے مختلف مندر ہیں جن میں آٹھ
اہم ہیں۔ دو مندر "میسما" کے نام سے منسوب ہیں۔ "گادی۔ میسما" (GADI MAISAMMA) گاؤں
کے چودھری اور اس کے متعلقین کی حفاظت کرتی ہے" اور کٹا میسما" جو تالاب کے قریب نصب ہے گاؤں
کے حدود کی حفاظت کرتی ہے اور کمیونٹی کی زندگی خوشحالی کی نگرانی کرتی ہے۔ "پوچما" کے بھی دو مندر ہیں۔
ایک مہاروں کے مکانوں کے قریب اور دوسرا مدیگا اور ارکلا کے گھروں کے درمیان۔ ڈاکخانہ کے قریب
دُرگما (DURGAMMA) کا مندر بھی اہم ہے۔ پوچما، ایلما اور ہنومان کے ایک ایک مندر ہیں۔

لوگ بڑے شوق سے جاترا میں شرکت کرتے ہیں اور پاک دریاؤں میں اشنان کرنے کے
لئے مقدس مقامات کو جاتے ہیں جیسے آندھرا کے تلگو بولنے والے حصوں میں تیرتھوں کا سب
سے بڑا مرکز سری سیلم ہے جہاں گوداوری کے کنارے ایک بڑا اور مشہور
مندر ہے۔ جو صاحب استطاعت ہیں اور جن کے دل میں تمنا ہوتی ہے وہ تیرتھ کے دوسرے مقامات
کو جن کی سارے ملک میں شہرت ہے جاتے ہیں مثلاً الہ آباد (پریاگ)، بنارس (کاشی)۔

(3) مذہبی سال

اس کمیونٹی میں تین بڑی قسم کی مذہبی رسومات اور تہوار منائے جاتے ہیں۔ خاندانی رسومات،
گاؤں کی رسومات اور ذات کی رسومات۔ گاؤں کا مسلم طبقہ بھی خاندانی اور مذہبی رسومات انجام دیتا
ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے وہ گاؤں کے عام رسوم میں اپنے پڑوسی ہندوؤں کے ساتھ شرکت
کرتے ہیں۔

ہندو تہوار:

ہندوؤں کی مذہبی زندگی میں برت اور تقریبات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ تہوار پورے سال

لے جتوارا یان: پوچما کا مندر جو [illegible] کی منظوم کہانی کے مطابق ان مندروں میں سے تھا جن کی [illegible]
[illegible]

میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ گاؤں کے رسومات، زراعتی رسوم اور پنچایت کے افراد کے خاص قسم کی پوجا کے
علاوہ بہت سی ایسی تقریبات ہیں جو ذات پات اور سماجی حیثیت کے امتیاز کے بغیر بیشتر ہندو خاندان مناتے
ہیں۔ اس میں حسب ذیل اہم ہیں:

اگادی (UGADI) (نئے سال)۔ رام نومی (RAMA NAVAMI) (رام چندر جی کا یوم پیدائش
جسے ان کی شادی کی تقریب بھی سمجھا جاتا ہے) تولی اکادشی (TOLI EKADASHI) (وشنو کیلئے
برت) ناگولا پنچمی (NAGULA PANCHMI) (سانپ کی پوجا) راکھی پورنیما (RAKHI PURNIMA)
(مقدس تاگے کی تجدید کا دن)۔ کرشن اشٹمی (KRISHNA ASHTMI) (کرشن جی کا جنم دن) چوتھ (CHAUTI)
(شیو کے بیٹے گنیش کا جنم دن)۔ پترماسا (PETRAMASA) (اجداد کی ارواح کو پانی پلانے کا دن)
دسہرا (DASARA) (کوروپر کرشن کی مدد سے ارجن کی کامیابی کی یادگاری تقریب) دیپاولی DEEPAVALI
(کرشن کے ہاتھوں راکشس بادشاہ نرکھسور کے مارے جانے کی یادگاری تقریب) تل سنکرانتی (TIL SANKRANTI)
(موسم کے تبدیلی موسم کا دن جب دن بڑا ہونے لگتا ہے)۔ شیوراتری (SHIVARATRI) (شیو کے لیے
برت)، اور ہولی (HOLI) (کام دیوتا یعنی محبت کے دیوتا کے جلنے کی یادگار میں آگ روشن کرنے کی تقریب)۔
ان کے علاوہ کچھ ایسی تقاریب ہیں جنہیں صرف اعلیٰ ذات والے انجام دیتے ہیں بالخصوص برہمن، کومٹی اور
ریڈی۔ ان میں یہ اہم ہیں: نیلا گوری (NEELA GAURI) (شیو کی بیوی گوری کی پوجا صرف برہمنوں
کے لیے)۔ نرسمہا جینتی (NARSIMHA JAYANTI) (وشنو کا نرسمہا اوتار بننے کا دن۔ کچھ انسان اور کچھ
شیر دیوتا۔ صرف برہمنوں کے لیے) شراون سوموار (SHRAVANA SOMWAR) (ہندو شراون
مہینے میں دوشنبہ کے ایام جب برہمن اور کومٹی برت رکھتے ہیں)۔ اننت چتردشی (ANANTA-
CHATURDASHI) (جس دن وشنو نے اننتا کا اوتار لیا۔ صرف برہمنوں کے لیے)۔ کارتیکا پورنیما (KARTHIKA-
PURNIMA) (گوری کی پوجا کا دن، صرف برہمن کومٹی اور ریڈی عورتوں کے لیے)۔ بسنت پنچمی
(VASANT PANCHMI) (گھر کے دیوتاؤں کی پوجا، صرف برہمن کے لیے) رتھ سپتمی (RATH-
SAPTAMI) (سورج کی پوجا۔ صرف برہمن کے لیے)۔ دو اہم رسوم کا انعقاد دیہی کسانوں کی ہی پہلی تخم ریزی
اور نئی کھلیان (KOTTALU) یہ رسوم سال میں دو بار کی جاتی ہیں۔ تخم ریزی شروع کرنے کے لیے اور
تازہ فصل سے غلہ کھانے کی ابتدا کرنے کے لیے۔ ذیل کی تقاریب پورے گاؤں کی جانب سے
کی جاتی ہیں۔ پوچما کا تیوہار (وبائی چیچک کی دیوی کی تعظیم میں)۔ بتکما کا تیوہار (گوری کی تعظیم میں ملے
عورتیں مناتی ہیں) اور میسما کا تیوہار (اس دیوی کے لیے جو گاؤں کے حدود کی حفاظت کرتی ہے)۔ مختلف

ذات واری گروہ جو گاؤں میں رہتے ہیں ان کے بہت سے ذات واری تیوہار اور تقاریب ہیں۔ مثلاً دسہرہ کے دن پیشہ ور ذاتیں اپنے آلات کی پوجا کرتے ہیں۔ گولا۔ گڈریوں کی ذات سودما (SAUDAMMA) مالما (MALLAMMA) اور مودی پوچما (MAUDE POCHAMMA) کے تیوہار مناتے ہیں۔ یہ سب کے سب ان کے روایتی پیشوں سے متعلق ہیں۔ نیز اچھوت مدیگا کے اپنے رسوم ہیں اور رنجاونتا سے متعلق ان کے لوک سوانگ میں کیوں کر رنجاونتا ہی ان کی ذات کا بانی ہے۔

مندرجہ بالا تقاریب کے ثقافتی تفصیلات میں جانا اس موقع پر مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ ذیل میں جو مختصر تفصیلات درج ہیں ان سے ان تقاریب کی نوعیت اور دوران سال کمیونٹی کی مصروفیات کا سرسری جائزہ مقصود ہے۔ ان مذہبی تقاریب کا پس منظر زبانی روایات سے لیا گیا ہے نہ کہ ہندو مذہبی کتابوں سے۔ مغربی کیلنڈر کے مطابق ہندو مہینے حسب ذیل ہیں:۔

ہندو مہینے		مطابق انگریزی مہینے
چیترا	(CHAITRA)	مارچ ۔ اپریل
ویشاکھ	(VAISHAKHA)	اپریل ــــ مئی
جیشٹھ	(JYESHTA)	مئی ــــ جون
اساڑھ	(ASHADHA)	جون ــــ جولائی
شراون	(SHARAVANA)	جولائی ــــ اگست
بھادراپد	(BHADRAPADA)	اگست ــــ ستمبر
اشوین	(ASHVINA)	ستمبر ــــ اکتوبر
کارتک	(KARTIKA)	اکتوبر ــــ نومبر
مارگشیرش	(MARGASHIRSHA)	نومبر ــــ دسمبر
پوس	(PUSHYA (POUSHA))	دسمبر ــــ جنوری
ماگھ	(MAGHA)	جنوری ــــ فروری
پھالگن	(PHALGUNA)	فروری ــــ مارچ

تیوہاروں کا ترتیب وار بیان حسب ذیل ہے:۔

اگادی (USADI):۔ اگادی جو تلگو سال کا نیا دن ہے ایک اہم تہوار ہے۔ یہ ہندو مہینہ چیتر (CHAITRA) کے پہلے دن منایا جاتا ہے۔ اگرچہ اسے ہندوؤں کی تمام ذاتیں مانتی ہیں پھر بھی

برہمن، کومٹی، ریڈی اور پنچ برہما گروہ کے لیے اس کی اہمیت زیادہ ہے۔ اگادی سے ایک دن پہلے پنچ برہما کے گروہ والے اپنے اوزاروں کی پوجا کرتے ہیں اور مقدس تاگوں (جنیو) کو بدلتے ہیں جو برہمن اور کومٹی کے علاوہ صرف وہی پہنتے ہیں۔ خاص اگادی کے دن لوگ صبح جلدی اٹھتے ہیں۔ عورتیں صحن جھاڑتی ہیں، اس پر پانی ملا ہوا گوبر چھڑکتی ہیں۔ اس کے بعد آٹے یا رنگین سفوف سے آرائشی نقوش بناتی ہیں۔ مرد آم کی پتیاں اور نیم کی ٹہنیاں (MARGOSA TREE . AZADIRACHTAINDICA) جمع کر لیتے ہیں پھر ان کو لمبی ڈوریوں میں پرو کر ہار (TORAN) بناتے ہیں اور اپنے مکانوں کے سامنے کے حصہ کی اس سے زیبائش کرتے ہیں۔ کمہار ہر گھر کومٹی کے دو برتن دیتے ہیں، ایک بڑا دوسرا اتنا چھوٹا کہ بڑے برتن کو ڈھانکنے کا کام دے سکے۔ ہر خاندان اس کمہار سے جو اس سے متعلق ہے ان برتنوں کے ملنے کی امید رکھتا ہے۔ خاندان کے تمام افراد، بیمار کے سوا، اس دن نہاتے ہیں اور گھر کے اندر سب جمع ہوتے ہیں۔ اس کمرہ میں جہاں خاندان کی مورتیاں رکھی ہوتی ہیں مٹی کے برتنوں کو بیچ میں رکھتے ہیں، بڑا برتن پینے کی میٹھی چیزوں سے بھر جاتا ہے جن میں گڑ، املی کا مغز، کچے آموں کی قاشیں، پسا ہوا کھوپرا اور دوسرے مسالے شامل ہوتے ہیں۔ اس پر چھوٹا برتن ڈھکا ہوتا ہے ایک مٹی کا چراغ روشن کیا جاتا ہے۔ اور برتن کے قریب رکھا جاتا ہے۔ سیندور اور ہلدی کی لیپ اس برتن کو لگائی جاتی ہے تب گھر میں جمع شدہ لوگ دیوتاؤں کی مورتیوں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں اور خاندان کی خوشحالی کی دعا کرتے ہیں۔ تمام خوشحال گھروں میں ایک خاص قسم کی روٹی جس کے اندر کچھ میٹھی چیزیں بھر دی جاتی ہیں، تیار کی جاتی ہے۔ غریب پیشہ ور ذاتوں میں اور اچھوتوں میں یہ سب نہیں کیا جاتا۔ اس کے بجائے وہ اُن مکانوں کو جاتے ہیں جن سے ان کا تعلق ہے اور وہاں انھیں میٹھی روٹی کا ایک ٹکڑا اور شربت دیا جاتا ہے۔

برہمن کا خاندان اس تیوہار کو زیادہ تفصیل سے مناتا ہے۔ مورتیوں کو دھویا جاتا ہے۔ اور انھیں کپڑا پہنایا جاتا ہے اور ان کے ساتھ اس خاندان میں جو مقدس کتابیں ہوتی ہیں ان کی بھی پوجا کی جاتی ہے۔

شام کو لوگ دیشمکھ کے گھر کے سامنے جمع ہوتے ہیں۔ اس موقعہ پر گاؤں کے تمام بڑے ذمہ دار لوگوں سے حاضری کی امید کی جاتی ہے۔ ساتھ ہی کاشتکاروں کے گھرانے کے بھی ایک آدھ نمائندے ہوتے ہیں۔ برہمن اپنی 'پوتھی' دیکھتے ہیں اور سال کی بارشوں کی پیشین گوئیاں کرتے ہیں۔ کیا اس سال خوب غلہ پیدا ہوگا؟ یا ستارے تنگی اور قحط بتاتے ہیں؟ کیا یہ سال باشندوں اور مویشیوں کی صحت کے لیے

اچھا ہوگا؟ یا کسی بیماری کے پھیلنے کا اندیشہ ہے؟ بازار میں عام قیمتوں کی سطح کیا ہوگی؟ آیا کسی حادثہ کا خطرہ ہے؟ مثلاً سانپ کا ڈسنا، ڈوب مرنا، بجلی گرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ اور اسی قسم کے سوالات کی پجاری پیشین گوئی کرتا ہے۔ لوگوں کی خواہش کے مطابق برہمن سے دیگر سوالات بھی کیے جاتے ہیں جن کے جوابات وہ نجومی حساب سے دیتا ہے۔ اس کے بعد ہی لوگ منتشر ہو جاتے ہیں اور گذرے ہوئے سالوں کی بیتی باتیں کرتے ہیں اور برہمن کی پیشین گوئی کے مدنظر آیندہ واقعات کی صورت گری پر رائے زنی کرتے ہیں۔

رام نومی (RAMA NAVAMI):۔ یہ تہوار ہندو مہینہ چیتر کے نویں دن منایا جاتا ہے۔ اسے صرف برہمن اور کومی مناتے ہیں۔ ان کے علاوہ چند اور پیشے جن کا تعلق اعلیٰ ذات سے ہوتا ہے، یہ تقریب مناتے ہیں۔ بالغ لوگ اس دن برت رکھتے ہیں۔ لیکن اس برت میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ کل غذاؤں سے پرہیز کیا جائے۔ پھل، دودھ کی چیزیں، ساگو دانہ اور بعض پکی ہوئی چیزیں دوپہر کو رام کی پوجا ہو چکنے کے بعد کھائی جا سکتی ہیں۔ اس قسم کے برت میں یہ ضروری ہے کہ اناج، مسور، عام ترکاری اور نمک سے پرہیز کیا جائے۔ عام طور پر صرف بالغوں سے یہ برت رکھنے کی امید کی جاتی ہے۔ لیکن اس غذائی ندرت جو برت رکھنے والوں کو دی جاتی ہے، وہ لڑکوں کے لیے شرکت کی ترغیب کا باعث ہوتی ہے۔ دوپہر کے وقت رامؔ کی تصویر یا مورتی کی جو گھر کے صاف کمرہ میں کسی مرکزی مقام پر رکھی ہوتی ہے، اس کی تھوڑی دیر پوجا کی جاتی ہے۔ خاص قسم کا کھانا جو اس دن اسی غرض کے لیے پکایا جاتا ہے نذر چڑھانے کے لیے سامنے رکھا جاتا ہے۔ اور خاندان کے تمام افراد اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں اور خطاؤں کی معافی اور خوشحالی کی دعائیں مانگتے ہیں۔ بہت سے لوگ اپنا برت شام کو توڑتے ہیں اور اچھی غذائیں اور نفیس چیزیں کھاتے ہیں۔

نیلا گوری (NEELA GAURI):۔ یہ تہوار صرف برہمن عورتیں مناتی ہیں۔ ہندو مہینہ ویشاکھ کے تیسرے دن مٹی کی ایک کڑھائی مختلف قسم کی مٹیوں سے بھر دی جاتی ہے۔ مثلاً کالی مٹی، لال مٹی، دیمک کی مٹی اور کھاد، نیز نو اقسام کے دانے اس میں بوئے جاتے ہیں۔ کونپلیں جو نکلتی ہیں انھیں 'شیو' کی پتنی گوری کی نمائندہ سمجھا جاتا ہے اور ایک مہینہ تک اسے روزانہ پانی دیا جاتا ہے اور پوجا کی جاتی ہے۔ چنا پانی میں بھگو کر روزانہ نذر چڑھایا جاتا ہے۔

نرسمہا جینتی (NARSIMHA JAYANTI):۔ ہندو مہینہ ویشاکھ کے چودھویں دن یہ تہوار وشنو کے اوتار نرسمہا NARSIMHA آدھا شیر آدھا آدمی۔۔۔ کے لیے منایا جاتا ہے۔ شاہپور پیٹھ میں اسے صرف برہمن کا خاندان مناتا ہے۔ خاندان کے کچھ افراد اس دن برت رکھتے ہیں۔ دوپہر کو

نر سمہا کی تصویر یا مورتی کی پوجا کی جاتی ہے۔ اور چنے کے کونپلوں کی نذر گذاری جاتی ہے۔

تولی اکادشی (TOLI EKADSHI)۔ وشنو کی تعظیم میں اساڑھ کے گیارہویں دن برہمن، کومٹی اور کچھ ریڈی یہ برت رکھتے ہیں۔ برہمن کے خاندان میں تمام بالغ لوگوں کو یہ برت رکھنا چاہیے۔ اگرچہ برت کیلئے جو اغذیہ مقرر ہیں وہ اس دن کھائی جاسکتی ہیں۔ لیکن کچھ لوگ پورے دن کا برت رکھتے ہیں اور شام تک نہ کھانا کھاتے ہیں نہ پانی پیتے ہیں۔ وشنو اور اس کے اوتار کی مورتیوں کی پوجا گھروں اور مندروں میں کی جاتی ہے اور کھوپرہ، گڑ اور چنا تیار کرکے نذر گذاری جاتی ہے

ناگولا پنچمی NAGULA PANCHAMI۔ شراون مہینے کے پانچویں دن یہ تہوار برہمن، کومٹی ریڈی اور کچھ دیگر بڑی ذات کے لوگ مناتے ہیں۔ اس دن تمام ہندو مذہبی ممانعت کے تحت لوہے کے توے پر روٹیاں نہیں بناتے وہ لوگ بھی جو یہ تہوار نہیں مناتے اس دن توا استعمال نہیں کرتے۔ جن خاندانوں میں یہ تہوار منایا جاتا ہے اس خاندان کا کم از کم ایک بالغ فرد سانپ کی پوجا ختم ہونے تک برت رکھتا ہے۔ یہ پوجا دوپہر کے بعد کسی وقت ہوتی ہے۔ کھوپرہ، مُرمُرے، دودھ اور چنا سب ایک تھالی میں جمائے جاتے ہیں۔ اسے برت رکھنے والا شخص دیمک کی پہاڑی کو لے جاتا ہے۔ یہ پہاڑی سانپ کی جائے رہائش سمجھی جاتی ہے۔ یہاں وہ شخص ایک چراغ روشن کرتا ہے اور تھالی میں جو اشیاء لائی گئیں ان سے چڑھاوا چڑھاتا ہے۔ گھر واپس ہوتے ہوئے وہ راستہ بھر مُرمُرے کے چند دانے گراتا جاتا ہے۔ اس دن کھانے کے لیے چاول اور دودھ سے ایک خاص میٹھا تیار کیا جاتا ہے۔

راکھی پورنیما (RAKHI PURNIMA)۔ یہ تہوار شراون کے مہینہ میں پورے چاند کے دن منایا جاتا ہے۔ اس تہوار کی برہمن، سالی اور گونڈلا میں بڑی اہمیت ہے۔ تمام ذاتیں جو مقدس تاگے پہنتے ہیں اس دن پرانا تاگا بدل دیتے ہیں اور نیا پہنتے ہیں۔ کچھ پیشہ ور ذاتیں بالخصوص سالی اور گونڈلا رنگ برنگے دھاگے اپنے پیشہ کے اوزاروں پر باندھتے ہیں۔ پیشے کے کام اور روز مرہ کی مصروفیات اس دن روک دی جاتی ہیں۔ ایک دعوت جس میں مٹھائیاں اور قیمتی غذائیں ہوتی ہیں اس دن کی خصوصیت ہے۔

شراون سومبار SHRAVANA SOMWAR:۔

شراون مہینے کے ہر پیر (دوشنبہ) کے دن برہمن اور کومٹی آدھے دن کا برت رکھتے ہیں۔ جو بہت خواہشمند ہوتے ہیں وہ اسی قسم کے آدھے دن کا برت ہفتہ کے دن بھی رکھتے ہیں۔ ان دنوں میں شام کے کھانے میں میٹھا شامل ہوتا ہے۔

کرشن اشٹمی (KRISHNA ASHTAMI) :- یہ تہوار شراون کے نصف ثانی کے آٹھویں دن منایا جاتا ہے اور تمام اہم باتوں میں رام نومی جیسا ہوتا ہے جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس میں اصل پوجا آدھی رات کو کی جاتی ہے۔ یہی وہ ساعت ہے جس کو سمجھا جاتا ہے کہ کرشن' وشنو کا اوتار اسی وقت پیدا ہوا۔ اس قسم کا میٹھا جو زچہ کو ولادت کے بعد دیا جاتا ہے' گڑ' گرم مسالا اور جڑی بوٹیوں سے تیار کیا جاتا ہے اور اس موقع پر ان لوگوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جو آدھی رات کی پوجا میں حاضر رہتے ہیں۔ دوسرے دن برت رکھا جاتا ہے اور اس کے بعد شام میں دعوت ہوتی ہے۔

چوتھی (CHAVTI) :- بھیدر پد کے مہینے میں چوتھے دن چوتھی کا تہوار منایا جاتا ہے جو اہم ہے۔ یہ تقریب شیو کے بیٹے گنیش کے لیے منائی جاتی ہے۔ اس دن اور اس کے بعد تین دن تک گاؤں میں کافی چہل پہل رہتی ہے۔

اچھوت مالا' مدیگا اور ارکلا کو چھوڑ کر باقی تمام ہندو ذاتیں اس دن کی تقریب کو بڑے جوش سے مناتے ہیں۔ جن سے ہو سکتا ہے گنیش کی مورتی شہر کے بازار سے خریدتے ہیں۔ اور جو اس حیثیت میں نہیں وہ گھر پر مٹی کی مورتی بناتے ہیں۔ یہ مورتیاں نمایاں طور پر گھر کے سامنے والے یا اس کے مرکزی حصہ میں رکھی جاتی ہیں۔ برہمن اور کومٹی پہلے اس جگہ کو صاف کرتے ہیں جہاں مورتی بٹھاتا ہے اس پر گوبر پھیراتے ہیں اور اوپر کچھ نرم ریت بچھا دیتے ہیں اس ریت پر وہ کچھ پتوں کے پترے رکھتے ہیں پھر اس پر چاول پھیلا دیتے ہیں اور اسے نئے کپڑے سے ڈھانک دیتے ہیں۔ پھر مورتی کو اس کپڑے پر رکھتے ہیں۔ دوسری ذاتوں میں مورتی کو فرش پر بچھائی ہوئی آم کی پتیوں پر رکھتے ہیں یا پھر کسی لکڑی پر ایک مقدس تاگا مورتی پر لگایا جاتا ہے۔ سیندور اور ہلدی اس پر لگائی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ اس میں جان آجاتی ہے کیوں کہ دیوی اس کے اندر رہنا شروع کر دیتی ہے۔

ایک چھوٹا چراغ جلایا جاتا ہے اور مورتی کے سامنے روشن رکھا جاتا ہے اصل پوجا کے وقت جس کا طریقہ مختلف خاندانوں میں مختلف ہوتا ہے مختلف اقسام کے پھول مورتی کے اوپر اور اس کے اطراف رکھے جاتے ہیں۔ سیندور اور چاول (آخر الذکر ہلدی ملا کے پیلا کیا جاتا ہے) اس کے اوپر چھڑکے جاتے ہیں اور لڈو (شربت میں تلے ہوئے چنے کے قرص) جو اس دن کے لیے خاص طور پر بنائے جاتے ہیں' دیوی کی نذر کیے جاتے ہیں۔ جس وقت یہ کر لیا جاتا ہے خاندان کے تمام افراد مورتی کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ بہت سے لوگ اپنی تمناؤں کا اظہار کرتے ہیں جن کی انھیں امید ہوتی ہے کہ اس وقت گنیش کے آشیرواد سے پوری ہو جائینگی۔ مورتی کو تیتا لیس دن اسی جگہ

سے سجنے دیا جاتا ہے اور اس کی ہر دن پوجا ہوتی ہے جب یہ اپنی جگہ سے ہٹائی جاتی ہے تو اسے گاؤں کے تالاب میں لیجا کر ڈبو دیتے ہیں۔

اس تہوار کی دو خاص باتیں قابل ذکر ہیں۔ پہلی بات یہ کہ کچھ پیشہ ور ذاتیں اپنے اوزار اور آلات کی پوجا کرتی ہیں۔ مثلاً دھوبی اس مٹی کے برتن پر جس میں وہ کپڑوں کو ابالتا ہے سیندور اور ہلدی کی لیپ لگاتا ہے اور یہی وہ اس پتھر پر بھی لگاتا ہے جس پر وہ کپڑے پٹکتا اور دھوتا ہے۔ حجام بھی اپنے استرے اور قینچی کے ساتھ کرتا ہے۔ جولاہا اپنے پیشے کے ساز و سامان کی پوجا کرتا ہے دوسری یہ کہ اس بات کا یقین کیا جاتا ہے کہ چوتھی کے دن چاند کا دیکھنا نحوس ہے کیوں کہ جو کوئی ایسا کرے گا وہ چوری کے جھوٹے الزام میں پھنسیگا۔ لیکن اگر کوئی چاند دیکھ ہی لے تو اس کے لیے اس کے نحوس اثر سے بچنا کوئی دشوار کام نہیں چنانچہ اگر اسے کوئی گالی دے دے تو چاند دیکھنے کا برا اثر زائل ہو جائے گا۔ اس دن چاند کو دیکھنے والے دوسروں سے گالیاں سننے کے لیے مذاق کر بیٹھتے ہیں اور مختلف طریقوں سے وجہ خفگی پیدا کرتے ہیں جس کے بدلے میں انھیں گالیوں کا وہ تحفہ ملتا ہے جو ان کا گناہ دھو دیتا ہے۔

انت چتر دشی ANANTA CHATURDASHI :- انت چتر دشی بھدرا پد کے چودھویں دن صرف برہمن مناتے ہیں۔ اس دن وشنو کی پوجا کی جاتی ہے۔ وشنو کی مورت کے سامنے گھی (صاف شدہ مکھن) آگ پر رکھ کر خوشبو جلائی جاتی ہے۔ برہمن دو تاگے باندھتا ہے پہلے مورتی کے بازوں پر پھر بعد کو اسے کھول کر اپنے بازو پر۔

پترا ماوس (PETRAMABA) :- بھدرا پد مہینے کے تاریک دنوں کا آخری دن خاندان کے آباواجداد اور متوفی افراد کی تعظیمی تقاریب کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ در حقیقت اس دن کے پہلے کے پورے پندرہ دن اسی کام کی مصروفیت میں صرف ہوتے ہیں کیوں کہ تیتھی کے دن (تاریخ وفات کے لحاظ سے قمری دن) مرنے والوں کو پانی دینا ضروری ہوتا ہے۔ بڑی ذات والوں میں، اگر خاندان اس کا متحمل ہو سکتا ہے تو ان تہواروں کے سرانجام دہی کے لیے برہمن بلایا جاتا ہے۔ البتہ جو ایسا نہیں کر سکتے نیز نیچ ذات والے سب انتظام خود کر لیتے ہیں۔ پترا ماوس کے دن پکا ہوا چاول، دہی اور کئی دوسری تیار کی ہوئی چیزیں خاندان کے متوفی افراد کی نذر کی جاتی ہیں۔ روپیہ، پیسہ، غلہ اور ترکاریوں کا تحفہ برہمن اور جنگم کو دیا جاتا ہے۔

اگر خاندان میں کوئی موت گذشتہ سال ہوئی ہو تو پترا ماوس کے پندرھواڑہ میں قمری دن مرنے والے کی روح کو بلانے کے لیے اور مکان کے ایک کونے میں دوسرے خاندان کی ارواح کے

ساتھ بٹھلانے کے لیے ایک بڑی رسم منائی جاتی ہے۔ ان رسومات کے لیے خاندان کی مختلف شاخوں کے لوگ ایک ہی بڑی چھت کے نیچے جمع ہوتے ہیں۔

مالا، مدیگا، وڈر اور ادرکالا اس کو بڑے طریقہ پر نہیں مناتے پھر بھی پہلے دو اپنے مردوں کی تعظیم میں جب جنگم ان کے گھروں کو آتے ہیں تو وہ ان کو پیسے دیدیتے ہیں۔

دسہرہ (DASARA) :- یہ تہوار گاؤں میں انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح منایا جاتا ہے۔ تمام ہندو صبح سویرے اشنان کرتے ہیں۔ برہمن اور کومٹی دیوتاؤں کی مورتیوں کے شامی کی پتیوں کے گچھے کی (PROSOPIS SPIEIGERA) پوجا کرتے ہیں۔ دوسرے صرف دیویوں کی پوجا کرتے ہیں دسہرہ کا تہوار اشوین کے دسویں دن منایا جاتا ہے اور اسے گوشت خوروں کی تقریب سمجھا جاتا ہے۔ برہمن اور کومٹی کے علاوہ جو سبزی کھانے والوں میں سے ہیں دوسرے تمام گوشت کھانے والی ذاتیں اس بات کا اہتمام کرتی ہیں کہ اس دن تھوڑا گوشت ضرور پکایا جائے۔ دوپہر کے وقت لوگ دیوتاؤں کی اپنے گھروں میں پوجا کرتے ہیں۔

سہ پہر میں برہمن دیشمکھ کے گھر جاتا ہے اور شامی گچھے اور سربراہ کے آبائی ہتھیاروں کی پوجا کرتا ہے اس دوران میں پولس تھانہ کے قریب بانس پر ایک جھنڈا لہرایا جاتا ہے۔ مدیگا ڈھول بجاتے ہیں اور لوگ جمع ہونا شروع ہوتے ہیں۔ جب گاؤں کے تمام ذمہ دار بڑے لوگ وہاں جمع ہوتے ہیں تو گاؤں کے باہر ہنومان کے دیول کی طرف جلوس چلنا شروع ہوتا ہے۔ جلوس کے اگلے سرے پر ڈھول بجانے والے مدیگا ہوتے ہیں۔ ان سے تھوڑے فاصلہ پر دیشمکھ، برہمن اور دوسرے بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے پیچھے دوسرے گاؤں والے ہوتے ہیں۔ دیول میں برہمن شامی کے پتوں اور درگا دیوی کی پوجا کرتے ہیں۔ جب پوجا ختم ہو جاتی ہے تو لوگ پتیاں چھینتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی پتیاں بدلنے اور دوستانہ طور پر گلے ملنے کا اہم سماجی عمل شروع ہوتا ہے۔ مساوی سماجی حیثیت والی ذاتوں میں اور اندرون ذات برابر کی رشتہ داری اور ہم عمروں میں یہ تبادلہ برادری کی اساس پر ہوتا ہے مثلاً الف چند پتیاں ب سے لیگا اور ب چند پتیاں الف سے پھر دونوں چند لمحوں کے لیے گلے ملینگے۔ دوسری طرف بڑی ذات والے کچھ پتیاں نیچ اور اچھوت ذات والوں کو دینگے اور آخرالذکر اس کا جواب جھک کر اور اول الذکر کا پاؤں چھو کر دینگے۔ اچھوت کی حد تک یہ علامتی تعظیم ہے کیوں کہ وہ اعلیٰ ذات کے پاؤں کے قریب کی زمین چھوتے ہیں، پاؤں نہیں چھوتے۔ اپنی ذات کے حدود کے اندر اس لین دین کی نوعیت عمر اور متعلقہ اشخاص کے رشتہ کے مرتبہ کے مطابق ہوتی ہے۔ عام طور سے بڑے اور

مسلہ اعلیٰ حیثیت رکھنے والے لوگ اپنے سے چھوٹوں کو کچھ پتیاں دیتے ہیں جس کے لیے وہ اپنے بڑوں کا پاؤں چھونے کے لیے جھکتے ہیں۔ اس دن لوگ اپنے گزشتہ سال کے جھگڑوں کو بھول جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے دوستانہ بغل گیر ہو لیتے ہیں۔ دراصل بہت سے اختلافات کو بھلا دیا جاتا ہے اور بہت سے لوگ جن میں بول چال نہیں تھی حسب سابق دوستانہ تعلقات پیدا کر لیتے ہیں۔

دیپاولی (DIPAWALI) :- دیپاولی یا چراغوں کا تہوار، ہندوؤں کا وہ اہم تہوار ہے جسے سارے ہندوستان میں تمام ہندو مناتے ہیں۔ یہ تقریباً دو دن تک ہوتی رہتی ہے۔ جو اشون مہینے کے ایک پندرھواڑے چودھویں اور پندرھویں دن منائی جاتی ہے۔ پہلے دن جسے نارکا چتردشی (NARKA CHATURDASHI) یا بھوگی (BHOGI) کہا جاتا ہے، ہندو سویرے اٹھ کر اشنان کرتے ہیں۔ بڑی ذات والی عورتیں بالخصوص برہمن، کومٹی اور ریڈی ذات کی، ایک تھالی میں چراغ روشن کر کے شوہر کے سامنے پھراتی اور آرتی اتارنے کی رسم ادا کرتی ہیں جو دوسرے وقتوں میں صرف دیوتاؤں کے لیے مخصوص ہے۔ یہ رسم پو پھوٹنے سے پہلے مکمل ہو جانی چاہیے۔ اس کے بعد دیوتاؤں اور دیویوں کی مورتیوں کی پوجا گھروں میں کی جاتی ہے اور خاص قسم کے تیار کیے ہوئے کھانے چڑھائے جاتے ہیں۔ شام میں بہت سارے مٹی کے چراغ روشن کیے جاتے ہیں اور گھر کے سامنے رکھے جاتے ہیں۔ گھر کے دوسرے حصوں میں بھی ایک دو چراغ رکھے جاتے ہیں۔ اس رات کچھ لوگ لکشمی، دولت کی دیوی کی پوجا کرتے ہیں دوسرے لوگ دوسرے دن یہ پوجا کرتے ہیں۔ کومٹی جو بیوپاریوں کی ذات ہے مذہبی سال کی اسے سب سے اہم پوجا سمجھتے ہیں۔ دوسرا دن خود دیپاولی کا دن ہوتا ہے ہندو اپنی گائے اور بیلوں کو دھوتے ہیں اور ان کے جسم پر مختلف قسم کے نقوش بناتے ہیں۔ آواز والی گھنٹیاں دوسری آرائشوں کے ساتھ ان کی گردن میں پہنائی جاتی ہیں۔ کھچڑی بنائی جاتی ہے اور مویشیوں کو اس دن دی جاتی ہے۔ شام کو مٹی کے برتنوں کے چراغ روشن کئے جاتے ہیں اور ہر گھر کے سامنے سلسلے سے جلا دیے جاتے ہیں کچھ گھر کے دوسرے حصوں میں بھی رکھے جاتے ہیں۔ کچھ خاندانوں میں اس دن لکشمی کی پوجا ہوتی ہے۔

ان دونوں دنوں میں عمدہ مٹھائیاں تیار کی جاتی ہیں اس میں برت نہیں رکھا جاتا کیوں کہ دیپاولی دعوتوں کا تہوار ہے۔

کارتک پورنیما (KARTIKA PURNIMA) :- یہ تہوار کارتک کے مہینے میں ماہ کامل کے دن زیادہ تر برہمن، کومٹی اور کچھ دوسری اعلیٰ ذات کی عورتیں مناتی ہیں جو عورتیں برت رکھتی ہیں صبح جلد ہی جاگتی ہیں۔ بدن میں ہلدی ملتی ہیں اور پیلے کپڑے پہنتی ہیں۔ بعد کو دن میں وہ تلسی کے پودے کی

پوجا کرتی ہیں اور اس کو (۲۱) تاگے (۲۱) پھول (جو سکے تو مختلف رنگوں کے) اور ایک پنچ دھار کا نذرانہ پیش کرتی ہیں۔

تل سنکرانتی TIL SANKRANTI (سنکرات جاڑے کے اختتام پر) دن کے آہستہ آہستہ بڑے ہونے کا تہوار ہے جسے گاؤں کی پوری ہندو آبادی مناتی ہے۔ برہمن کوشٹی، ریڈی اسے ایک خاص پوجا کی حیثیت سے مناتے ہیں لیکن دوسری ذاتیں اسے محض ضیافت کا تہوار سمجھتی ہیں۔

اعلیٰ ذات کے خاندانوں میں جہاں اس دن خاص طرح کی پوجا ہوتی ہے عورتیں صبح جلدی اشنان کرتی ہیں اور وہ اپنے جسم پر ہلدی لگاتی ہیں۔ پوجا کے لیے دو چیزیں کرنی پڑتی ہیں۔ ایک جگہ کو جھاڑ کر صاف کیا جاتا ہے اس پر گوبر لیپا جاتا ہے۔ پھر اس پر پانچ نئے مٹی کے برتن رکھے جاتے ہیں۔ ان میں تل کے میٹھے لڈو، گنے کے ٹکڑے، دیسی بیر اور جس قدر مل سکیں دوسرے پھل ہوتے ہیں۔ مستطیل کے ہر کونے پر تھوڑا سا گوبر رکھ دیا جاتا ہے جن کو نئے تاگوں سے گھیر دیا جاتا ہے۔ درمیان میں آگ جلائی جاتی ہے اور تھوڑا سا دودھ اس پر ابلنے کو رکھا جاتا ہے دودھ کو ابل کر بہنے دیا جاتا ہے اور جس طرف وہ بہتا ہے اس سمت کو دیکھ لیا جاتا ہے۔ اگر یہ شمال یا مشرق کی جانب ہے تو اسے مبارک سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس دودھ میں چاول پکایا جاتا ہے اور میٹھے کے لیے اس میں شکر یا گڑ ملا دیا جاتا ہے۔ اس کا تھوڑا تھوڑا حصہ مٹی کے پانچوں برتنوں، گھر کی مورتیوں اور آباء و اجداد کی ارواح کی نذر کیا جاتا ہے۔

ان خاندانوں میں جہاں اس پیمانہ پر پوجا نہیں کی جاتی عورتیں دودھ میں چاول پکاتی ہیں جو بعد کو گھر کے دیوتاؤں کی نذر کیا جاتا ہے۔ تمام مشمول خاندانوں میں تل کے میٹھے لڈو بنائے اور تقسیم کیے جاتے ہیں۔ آبادی کے جو لوگ گوشت کھاتے ہیں وہ اس دن مرغی گوشت کھانا بہت ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ نچلے طبقے کے لوگ مثلاً وڈر، ارکلا، مالا اور مدیگا سب سے زیادہ مہیا کرتے ہیں کہ اچھے کھانے کے لیے گوشت پکا لیتے ہیں۔

بسنت پنچمی اور رتھ سپتمی (VASANT PUNCHAMI OR RATH SAPTAMI): یہ تہوار ماگھ کے مہینے کے پانچویں اور ساتویں دن علی الترتیب منائے جاتے ہیں صرف برہمنوں کے لیے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ بسنت پنچمی کے دن مورتیاں احتیاط سے صاف کی جاتی ہیں اور انھیں نئے کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ اس دن خاص پوجا شیو کی ہوتی ہے۔ رتھ سپتمی کے دن سورج بڑا دیوتا ہوتا ہے جس کی پوجا کی جاتی ہے۔ سورج کے علاوہ وشنو اور تلسی کے پودے کی بھی تعظیم کی جاتی ہے۔

شیوراتری (SHIVARATRI):۔ ماگھ مہینہ کی تاریک راتوں کے چودھویں دن ریڈیو کے علاوہ
شامیر پیشہ کے تمام ہندو شیر کی تنظیم میں اس تہوار کو مناتے ہیں۔ تہوار سے ایک دن پہلے ہندو اپنے مکانوں
کو صاف کرتے ہیں۔ شیوراتری کے دن صبح سویرے اٹھ جاتے ہیں مرد اشنان کرتے ہیں، عورتیں صحن میں
جھاڑو دیتی ہیں، اس پر گوبر میں ملا ہوا پانی چھڑکتی ہیں اور آٹے سے یا رنگین سفوف سے اس پر دیدہ زیب
نقوش بناتی ہیں۔ یہ کام ختم کرکے وہ بھی اشنان کرتی ہیں۔ اور کپڑے اور چادریں بھی دھوئی جاتی ہیں
جس کو استطاعت ہوتی ہے وہ اس دن نئے کپڑے پہنتے ہیں۔

یہ ایک اہم برت ہے اور جو لوگ اسے رکھتے ہیں ان سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ پوجا سے پہلے جو
دوپہر کے بعد تقریباً چار بجے شام کو ہوتی ہے کچھ کھا پی نہ سکیں۔ اس پوجا کے لیے بہت سی اعلیٰ ذات
والے گاؤں کے دیول کو جاتے ہیں جہاں شیو لنگ ہے ہر گھرانے کی نمائندگی ایک یا دو بالغوں سے ہوتی ہے۔
عورتیں صرف اس وقت جاتی ہیں جب گھر میں کوئی مرد نہیں ہوتا۔ وہ اپنے ساتھ ایک تھالی میں ناریل، لکڑی کا
ابلے ہوئے شکرقند، چاول اور گڑ کی بنائی ہوئی چیزیں لے جاتے ہیں۔ یہ چیزیں وہ دیول میں شیو کی نذر کرتے ہیں۔
شیو کی مورتی کے سامنے سجدہ کرنے کے بعد لوگ اپنی تھالیوں اور نذر کے کھانے کے ساتھ گھر واپس ہوتے
ہیں۔ اب وہ کھا سکتے ہیں مگر ان کے کھانے میں اناج یا خوردہ نہیں ہونا چاہیے۔ زیادہ تر وہ ابلے ہوئے
شکرقند اور گڑ کی (کھیر) کھاتے ہیں۔ بعض نیچ ذات والے خاص کر چمار، دھوبی، وڈرا اور اکلا شیو کے
اس دیول میں نہیں جاتے۔ اس کے بجائے وہ گاؤں کے باہر والے ویران دیول میں جاتے ہیں اگرچہ اس
دیول میں کوئی لنگ نہیں ہے پھر بھی وہ اپنے چڑھاوے یہیں چڑھاتے ہیں۔ دوسری جانب اچھوت
مالا اور مدیگا کسی بھی دیول کو نہیں جاتے اور شیو کے نام پر کھانے کی نذر اپنے گھر کے کسی کونے میں کرتے ہیں۔
بہت سے لوگ دوسرے دن کی پوری رات جاگتے ہیں۔ کم از کم آدھی رات تک کسی کو سونا نہیں
چاہیے۔ اس غرض کے لیے گاؤں کے نوجوان ڈرامہ کا یا مذہبی گانوں کا کوئی نہ کوئی پروگرام رکھتے ہیں۔

ہولی (HOLI):۔ ہولی ہندوؤں کے لیے سال کا آخری تہوار ہے۔ یہ پھالگن کے مہینہ میں مد کا مل
کے دن منایا جاتا ہے۔ تہوار سے پانچ دن پہلے گاؤں کے لڑکوں اور نوجوانوں میں کام کرنے کا ایک
جوش پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ لکڑیاں جمع کرنا اور گاؤں کے کسی مرکزی جگہ پر اس کا ڈھیر لگانا شروع کرتے
ہیں۔ ایندھن کا چرانا بالخصوص لکڑی اور گوبر کی اُپلیاں، سماجی طور پر جائز سمجھا جاتا ہے۔ اور نوجوان
لوگ اس میں خاصی ہوشیاری دکھاتے ہیں۔ ہولی کے دن تک وہ اس ایندھن کا کافی بڑا انبار جمع کر لیتے
ہیں۔ جو جلانے کے لیے واقعی ایک بڑا الاؤ بن جاتا ہے سمجھا جاتا ہے کہ ہولی کے دیوتا کا انحصار اس الاؤ کی وسعت

پر ہوتا ہے اس لیے وہ اسے پر اثر بنانے کے لیے بڑی محنت سے کام کرتے ہیں۔

شام کے سات بجے مدیگا اپنے ڈھولوں کو پیٹتے ہوئے گاؤں میں پھرتے ہیں اور باشندوں سے اور بھی ایندھن لیکر جمع کرتے ہیں۔ ان سب کا انتظام بڑے طریقے سے ہوتا ہے اور پہلے سے مبارک وقت پر الاؤ کو جلانے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ بڑھئی کام دیو (محبت کے دیوتا) کی ایک بھدی سی لکڑی کی مورتی بناتا ہے اور اسے چتا پر رکھ دیتا ہے۔ نو اور دس بجے رات کے درمیان مدیگا اس چتا کے قریب اپنا ڈھول پیٹنا شروع کرتے ہیں۔ اب اس جگہ عورتیں آنی شروع ہوتی ہیں اور وہ اپنے ہاتھوں میں تھالیاں لاتی ہیں جس میں مٹی کے چراغ اور کئی قسم کے کھانے ہوتے ہیں۔ اس دن برہمن اپنی ذات اور کومٹی ذات کی بھی نمایندگی کرتا ہے۔ اور کمہاری (برتن بنانے والا) باقی پوری کمیونٹی کی نیابت کرتا ہے۔ دراصل اس موقع پر کمہاری حاوی رہتا ہے۔ جب کمہاری عورتیں اپنے کھانوں کا نذرانہ لاکے چتا کے قریب رکھ لیتی ہیں تو برتن بنانے والوں کی ذات کا صدر کام دیو کی پوجا کرتا ہے۔ اور ان تھالیوں میں سے ذرا ذرا سا لیکر محبت کے دیوتا کی نذر کرتا ہے۔ ایسا ہی برہمن اپنی اور کومٹی کی طرف سے کرتا ہے۔ مردہ جلانے کی رسم کی نقل میں کمہاری چتا کے اطراف تین بار پانی چھڑکتے ہوئے گھومتا ہے پھر اس میں آگ لگاتا ہے اور مٹی کا برتن توڑ دیتا ہے۔ لوگ مضحکہ خیز طریقے سے آخری رسوم کے وقت کی آوازوں کی نقل کرتے ہیں۔ جس پر مجمع قہقہے لگاتا ہے۔ لوگ کم وبیش ایک گھنٹہ ٹھہرتے ہیں اس کے بعد چتا کی کچھ راکھ لے کر گھر واپس ہوتے ہیں۔ لوگوں کو اس وقت محتاط رہنا پڑتا ہے کیوں کہ گاؤں کے نوجوان لڑکے اس وقت بھی پھرتی دکھاتے ہیں اور لکڑی کی چیزیں مثلاً چارپائی، ہل کی لکڑیاں، دروازے اور چوبی تختے ڈھونڈ ڈھونڈ نکالتے ہیں اور جلتی ہوئی چتا میں پھینک دیتے ہیں۔

دوسری صبح کو ڈھول بجانے والے مدیگا اور ان کے ساتھ گاؤں کے چوکیدار گھر گھر جاتے ہیں اور پیسے مانگتے ہیں۔ اب لوگ ہولی کھیلنا شروع کرتے ہیں۔ آدھے دن تک وہ ایک دوسرے پر گرد، کیچڑ، گوبر اور مٹی پھینکتے رہتے ہیں۔ جن لوگوں کا ایک دوسرے سے مذاق کا رشتہ ہوتا ہے وہ اکثر بدمذاقی اور تمسخر کرتے ہیں۔ مردوں کے بیہودہ گانے بھی روا رکھے جاتے ہیں۔ دوپہر کو لوگ نہاتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں۔ بعد میں سہ پہر میں وہ دوبارہ ہولی کھیلتے ہیں مگر اس وقت وہ صرف رنگ اور رنگین پانی ہی ایک دوسرے پر پھینکتے ہیں۔

نیا کھانا (نیا دن) (New Eating):۔ سال میں دو مرتبہ ہر فصل کے بعد نیا کی نا (نیا دن) کی تقریب نئے غلہ کی کٹائی سے اناج کھانا شروع کرنے لیے منعقد کی جاتی ہے۔ اس کیلئے کوئی خاص دن مقرر

نہیں ہے۔ اور ہر خاندان اپنی آسانی کے لحاظ سے اس کو انجام دیتا ہے۔ نیا دھان نئی کٹائی کے فوراً بعد
سے لے کر پرانے دھان میں ملا کر کوٹا اور اس کا چھلکا صاف کیا جاتا ہے۔ اگر کسی گھر میں نیا دھان نہیں ہے
اور اکثر غیر کاشتکاروں اور کھیت میں صرف مزدوری کرنے والوں کے پاس نہیں ہوتا۔ تو وہ پڑوسی سے
ادھار مانگ لیتے ہیں۔ صاف کرنے کے بعد چاول کو گڑ ملا کے پکاتے ہیں۔ پھر اس کی دیوتاؤں اور پرکھوں
کی روحوں کی نذر چڑھائی جاتی ہے اور بعد میں خاندان کے افراد اسے کھاتے ہیں۔ اس رسم سے پہلے
نئی فصل کا غلہ کھانا ممنوع ہے۔

مسلم تقریبات۔ گاؤں کی عام تقریبات کا ذکر کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ مختصر طریقہ پر مسلم
تقریبات کا بیان کیا جائے۔ اپنے مذہب اور مراسم کے لحاظ سے گاؤں کے باشندوں میں مسلم عنصر اپنی
ایک علاحدہ نوعیت رکھتا ہے۔

مسلمانوں کی سات اہم تقریبات ہیں جو حسب ذیل ہیں، محرّم، میلاد شریف، گیارھویں شریف،
شب معراج، شب برات، رمضان، عیدالضحیٰ۔ یہ تقریبات مسلم کیلنڈر کے مطابق ہوتی ہیں۔ اور
ہندوؤں کی تقاریب کے برخلاف جو ہمیشہ ایک ہی موسم میں واقع ہوتی ہیں، ان کی تقاریب کا وقت
سال بہ سال بدلتا رہتا ہے۔

محرّم (MOHARRAM) ماہ محرم کے دسویں دن امام حسینؓ نواسہ محمدؐ پر تین دن کھانا اور پانی
بند کر کے کربلا کے میدان میں شہید کیا گیا۔ محرم اس شہید اور آپ کے رفقاء کی تعظیم میں منایا جاتا ہے۔
محرم کے دن امام حسین اور آپ کے خاندان کا نشان جسے علم کہا جاتا ہے مسلمان ایک جلوس کی شکل میں
لے کر قریب کی ندی یا تالاب میں لے جاتے ہیں۔ پورے راستہ بھر وہ اپنا سینہ پیٹتے ہیں اور زور سے
چلاتے ہیں "یا علی" "یا حسن حسین" اور اس شہید کی موت پر روتے ہیں۔ تعزیہ یا آپ کے مزار کا بڑا کاغذی
نمونہ بھی نکالا جاتا ہے اور پانی میں ڈبو دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے تمام گھرانوں میں میٹھا شربت پانی اور
شکر کا یا دودھ اور شکر کا بنایا جاتا ہے۔ اور دوستوں و رشتہ داروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس دن خیرات
اور صدقات کا دینا آئندہ بہبودی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

میلاد شریف۔ محرم کے برخلاف جو اظہار غم کے لیے ہوتا ہے۔ میلاد شریف خوشی کا موقع ہوتا ہے
کیوں کہ محمد رسول اللہ کی ولادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی تھی۔ اس مہینہ کی گیارہ اور بارہ تاریخوں کو لوگ
روزہ رکھتے ہیں۔ مسلم مُلّا ان کے گھروں کو جاتے ہیں اور قرآن پڑھا جاتا ہے۔ پھول اور مٹھائیاں محمدؐ
کے نام پر تقسیم کی جاتی ہیں۔ یہ تقریبات ایک ماہ تک جاری رہتی ہیں اگرچہ کہ تقریبات انجام

زور پر مذکورہ دو دنوں میں ہوتی ہیں۔

گیارہویں شریف :۔ مسلم سنی طبقہ کے لیے یہ ایک اہم تقریب ہے جو عبدالقادر گیلانی کی تعظیم میں ہوتی ہے جو محمدؐ کے خاندان سے تھے۔ اور جنھیں نہایت مقدس اور پاک بزرگ سمجھا جاتا ہے۔ ۱۱ ربیع الثانی کے گیارہویں دن شام پیشتر کے مسلمان اپنے گھروں پر عبدالقادرؒ کا علم لہراتے ہیں۔ مٹھائیاں اور پھول اپنی اس عظیم شخصیت کے نام پر تقسیم کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

شب معراج :۔ اس پر ایقان ہے کہ رجب کی ۲۷ تاریخ کو محمدؐ نے ایک فرشتہ کی معیت میں سات جنتوں اور دوزخ کی سیر کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد خود اللہ نے آپ سے باتیں کیں۔ اس واقعہ کی یاد میں یہ دن اذکار اور نمازوں میں گذارا جاتا ہے۔ ممکنہ حد تک لوگ ساری رات جاگتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے اور فضل الٰہی مانگتے ہیں۔

شب برأت :۔ شعبان کی چودھویں کی رات کو مسلمان مٹھائیاں اور روشنیاں اپنے متوفی رشتہ داروں کے نام پر تقسیم کرتے ہیں۔ وہ ان کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں پھول چڑھاتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس دن متوفی کی ارواح اپنے عزیزوں کو دیکھنے نکلتی ہیں اور ان سے تحفے قبول کرتی ہیں۔ بعد کو تمام مسلمان مرد اور عورت (اگر بحالت نجاست نہیں ہے)۔ نمازیں پڑھتے ہیں اور خدا کی رضا اور درازی عمر کی دعائیں مانگتے ہیں۔ وہ قرآن بھی پڑھتے ہیں۔ یہ بات اس لیے اہم ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آیندہ سال کی زندگی کا تعین کرتا ہے۔

رمضان :۔ مسلم مذہبی سال میں رمضان سب سے اہم مہینہ ہے۔ تا بہ حدِّ امکان لوگ پورا مہینہ روزہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ابتدائے صبح سے پہلے اور اندھیرا ہونے کے بعد کھا سکتے ہیں۔ لیکن درمیان میں پانی کا ایک قطرہ بھی جائز نہیں ہے۔ ان دنوں میں جتنا بھی ہو سکے خدا کی یاد اور نماز میں وقت صرف کرنا چاہیے۔ اس مہینہ کا ۲۷ واں دن خاص کر اہم ہے کیوں کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کو قرآن ملا۔ اس دن لوگ نئے کپڑے پہنتے ہیں، قرآن پڑھتے ہیں اور نمازیں ادا کرتے ہیں۔ جب تمام مسلمان مرد، عورتیں اور بچے نمازیں پڑھتے ہیں اور خدا سے رحم کی دعائیں مانگتے ہیں تو یہ کافی جوشیلا منظر ہوتا ہے۔ پورے مہینے کے روزے اس وقت ختم ہوتے ہیں جب نیا چاند نظر آتا ہے۔ دوسرا دن تقریب میں گذارا جاتا ہے جسے عیدالفطر کہتے ہیں۔ لوگ ناشتہ جلد کرتے ہیں اور حسب حیثیت نہا دھو کر اور ممکن ہو تو نیا کپڑا پہنتے ہیں۔ مرد لوگ عید کی نماز کے لیے مسجد کو جاتے ہیں۔ نماز کے بعد وہ اپنے دوستوں کے گھروں کو ملنے اور مبارکباد دینے جاتے ہیں۔ اس دن اور اس کے بعد کے دو دن تک دودھ اور کھجور کی

سیویوں کا میٹھا بنایا جاتا ہے اور اس کا کچھ حصہ دوستوں اور رشتہ داروں میں بھیجا جاتا ہے۔ صاحب استطاعت پلے 2 سیر اناج فی نفر غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

عیدالضحیٰ :- یہ تقریب ذی الحجہ کے دسویں دن منائی جاتی ہے لوگ صبح میں جلدی اٹھتے ہیں۔ اور مسجد کو نماز کے لیے بغیر ناشتہ کیے جاتے ہیں۔ جب وہ واپس ہوتے ہیں تو اللہ کے نام پر بکریاں قربان کرتے ہیں۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ خاندان کے ہر فرد کے نام پر ایک بکری کی قربانی دی جائے۔ لیکن جب مالیتی طور پر ممکن نہ ہو تو گھر کے پانچ افراد کے نام پر ایک ایک بکری کی قربانی ہونی چاہیے۔ بہرحال بہت سے غریب مسلمانوں کے لیے یہ بھی بہت زیادہ ہے اس لیے پورے خاندان کے لیے وہ صرف ایک کی قربانی کرتے ہیں۔ قربانی کے جانور کا گوشت پکایا جاتا ہے اور لوگ اسی سے ناشتہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ دوستوں سے ملنے اور مبارکباد دینے نکلتے ہیں۔ نفیس غذائیں اور گوشت کافی مقدار میں پکائے جاتے ہیں اور دوستوں اور رشتہ داروں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔

گاؤں کی تقاریب :- گذشتہ اوراق میں مختصراً ہندو مسلم خاندانی تقاریب کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ہندوؤں کے کچھ تہوار خاص کر دسہرہ اور ہولی الگ فرقہ جاتی ہیں کیوں کہ اس کی ایک صورت میں گاؤں کے ہندوؤں کی تمام جاتیں اس میں حصہ لیتی ہیں۔ دسہرہ کے جلوس میں مسلمان بھی شریک ہوتے ہیں۔ ہندو اپنے مسلمان دوستوں پر ہولی کا رنگ ڈالتے ہیں۔ اسی طرح ہندو محرم کے جلوس میں مسلمانوں کا ساتھ دیتے ہیں۔ عید کے دن مسلمان ہندو مسلم اپنے تمام دوستوں سے یکساں ملتے ہیں۔ لیکن کچھ تقریبات ایسی ہیں جنھیں گاؤں کی تقریبات کہنا چاہیے کیوں کہ وہ ہندو یا مسلمانوں کے مذہبی کیلنڈر میں نہیں پائی جاتیں اور عام طور پر پورے گاؤں کے لوگ نہیں مناتے ہیں۔ پوچما (POCHAMMA) میسما (MAISAMMA) بتکما (BATKAMMA) اس ذیل کی اہم تقاریب ہیں۔ پوچما اور میسما کی تقاریب پورے گاؤں کی طرف سے منائی جاتی ہیں۔ بتکما کا تہوار گاؤں کی ہندو عورتیں مناتی ہیں۔ اچھوت مالا اور مدیگا کی عورتیں جو اعلیٰ ذات کی عورتیں میں شامل نہیں ہو سکتیں اسے علاحدہ مناتی ہیں۔ اس میں جلال میاں کے میلے کو بھی شامل کرنا چاہیے جو مسلمانوں کی جانب سے ہوتا ہے مگر اس میں ہندو بھی کثرت سے شریک ہوتے ہیں۔

پوچما کا تہوار :- پوچما چیچک کی دیوی کی سالانہ پوجا شراون کے مہینہ میں جمعرات یا سنیچر کے دن گاؤں کی کیونٹی کی طرف سے منظور کی جاتی ہے۔ تقریب کا حتمی دن گاؤں کے بڑے بزرگ دیشکھ اور برہمن پجاری کے مشورہ سے مقرر کرتے ہیں۔

تقریب سے ایک دن پہلے مدیگا ڈھول بجاتے ہوئے گاؤں میں پھرتے ہیں اور دوسرے دن کے

پروگرام کا اعلان کرتے ہوئے لوگوں سے تیار رہنے کی خواہش کرتے ہیں کماری پوجا، موتیا لا اور بہالا کے دیولوں کو صاف کرتے ہیں اور سالالی (دھوبی) ان پر ایک ہاشی (چتاق) کرتے ہیں گاؤں کے لڑکے دیولوں کے سامنے پتوں کے دروازے بناتے ہیں۔ کماری (گاؤں کے ادنیٰ ذات) کی عورتیں جھاڑو دیتی ہیں اور ان جگہوں کے اطراف لال مٹی لگاتی ہیں۔

دوسرے دن سویرے سے لوگ پوجا کی تیاریاں شروع کرتے ہیں۔ ہر خاندان کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس دن کے لیے 'بونم' تیار کرے۔ کمہار سے نیا برتن لے کر اس دن وہ اس میں چاول پکاتے ہیں اور برتن کا بیرونی حصہ صاف کر کے اس کے چاروں طرف سیندور اور ہلدی لگا کر اس کا منہ بند کر دیتا ہے۔ اس بچے ہوئے برتن کو جس میں چاول ہوتے ہیں۔ 'بونم' کہتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ اسے اپنے گھروں میں تیار کرتے ہیں لیکن کچھ لوگ خود دیول کے پاس ایسا کرنا پسند کرتے ہیں۔

دوپہر کے فوراً ہی بعد مدیگا پوجا کے اپنے دیول کو جاتے ہیں جو قریب ہی ہے مگر پوری ذاتوں کے دوسرے دیول سے بالکل علٰحدہ، وہاں وہ اپنا بونم دیوی کو چڑھاتے ہیں۔ وہ اس کی پوجا کرتے ہیں۔ اور اس پر بکری، بھیڑ اور مرغیوں کی قربانی کرتے ہیں۔ اس وقت کچھ پر دیوی سوار ہو جاتی ہے لیکن انہیں جلدی واپس ہونا پڑتا ہے کیوں کہ دوسری ذاتوں کے جلوس میں ان کی حاضری ضروری ہوتی ہے۔ اس دوران میں کماری جو اس تقریب میں گاؤں کی جانب سے پجاری کا کام انجام دیتا ہے گاؤں بھر میں پھرتا ہے اور ہر مکان سے دیول میں چراغ جلانے کے لیے تیل اور پورے گاؤں کی جانب سے 'بونم' تیار کرنے کے لیے چاول جمع کرتا ہے۔ اس طرح جو چاول جمع ہوتا ہے اسے کماری عورتیں ایک بڑے برتن میں دیول کے قریب پکاتی ہیں۔

پوجا کے مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ پہلے گاؤں کی کسی نمایاں جگہ پر مدیگا ڈھول پیٹنا شروع کرتے ہیں۔ لوگ اپنے بونم کے ساتھ وہاں جمع ہونا شروع ہوتے ہیں کچھ لوگ اسے دیول تک اپنے سروں پر لاتے ہیں۔ دوسرے بیل گاڑیوں میں۔ ڈھول بجانے والے مدیگا جلوس کے آگے آگے چلتے ہیں جن کے پیچھے کچھ فاصلہ پر دلیکی اور دوسرے معزز لوگ اور گاؤں کے بڑے ہوتے ہیں۔ ان کے بعد گاؤں کے عام لوگ۔ ان لوگوں کے دیول پہنچنے تک چند افراد پر دیوی سوار ہو جاتی ہے۔ دیول میں پہلے کماری اس چاول کا بونم جو سب گاؤں سے جمع کیا گیا ہے دیوی پر چڑھاتے ہیں۔ یہ کرنے کے بعد وہ تھوڑی دیر کے لیے ہٹ جاتا ہے تاکہ برہمن اور کومٹی اپنا اپنا بونم چڑھا سکیں۔ اس کے بعد کماری وہاں پجاری کی طرح بیٹھ جاتا ہے اور تمام دوسرے ذاتوں کے لوگوں کے چاول کی نذر چڑھاتا ہے۔ اس کارروائی میں اعلیٰ ذات والوں کو

بطور خاص فوقیت دی جاتی ہے۔ روایتی درجہ بندی کے لحاظ سے ایک دوسرے سے کمتر ذات والے بیلے بعد دیگرے نذریں چڑھانے کے لیے بدلے جاتے ہیں۔ خود ایک ہی ذات کے اندر رہ کر بھی تعلیم، عمر اور دولت کے لحاظ سے بعض لوگ اعلیٰ حیثیت رکھتے ہیں اس لیے انھیں اپنے گروہ کے کم مرتبہ والے افراد پر فوقیت دی جاتی ہے۔ اس ضمن میں اکثر دشواریاں پیش آتی ہیں اور مختلف ذاتوں یا ایک ہی ذات کے مختلف خاندانوں میں کشیدگی اور مخاصمت کا سبب بن جاتی ہے۔ چاول کی نذر کے ساتھ ساتھ بکریاں، بھیڑ اور مرغیاں بھی مختلف خاندانوں کی طرف سے چڑھائی جاتی ہیں۔ گورلا کے گنڈ بیتے ایک مقررہ تعداد میں بھیڑ اور بکریاں ہر سال گاؤں کی کمیونٹی کو پیش کرتے ہیں اور اس وقت سامنے گاؤں کی طرف سے ان کے چڑھاوے کیے جاتے ہیں۔ چڑھائے ہوئے جانور کا سر اور اگلے پاؤں دیول کے سامنے چھوڑ دیے جاتے ہیں، اور اس کا باقی حصہ پونے کے ساتھ ہر خاندان اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ جب بھینٹ چڑھانے کا کام ختم ہو جاتا ہے تو لوگ اپنے گھروں کو واپس ہو جاتے ہیں اور چاول اور گوشت کی دعوت کھاتے ہیں۔
مسلمان بھی اس تقریب میں شریک رہتے ہیں وہ ہندوؤں کے دیوتاؤں کو نہیں مانتے لیکن گاؤں کے دیوتاؤں اور دیویوں سے اتنا ہی خائف رہتے ہیں جتنا کہ ہندو۔ بہرحال وہ پوجا میں کوئی حصہ نہیں لیتے لیکن ان کی جانب سے حجام یا دھوبی نذریں چڑھاتے ہیں۔

گنگا کا تہوار:۔ اشوین مہینے کے پہلے نو دن تک گلاس کی ہندو عورتیں گوری کی پوجا کرتی ہیں اور ناچ گانے کے ساتھ یہ تہوار مناتی ہیں۔ دو اعلیٰ ذات والی یعنی برہمن اور کومٹی کی عورتیں ناچ میں حصہ نہیں لیتیں لیکن آخری دن گاؤں کی دوسری عورتوں کے ساتھ وہ بھی پوجا کی آخری رسوم میں شریک رہتی ہیں۔ اسی طرح معزز خاندانوں کی عورتیں ناچ میں شرکت سے انکار کرتی ہیں اور اچھوت ہونے کے باعث مالا اور مدیگا عورتیں اعلیٰ ذات کی عورتوں کے ساتھ ناچ میں شریک نہیں ہو سکتیں۔ اس طرح دو اعلیٰ اور دو نیچ ذاتیں ان تقریبات کے بڑے حصوں سے علاحدہ رہتی ہیں اور یہی صورت شہری عورتوں اور معزز خاندانوں کی ہے۔ اس تقریب کا روایتی پس منظر کسی کو صاف معلوم نہیں۔ لوگ صرف اتنا جانتے ہیں کہ شیو کی بیوی گوری کو اس کے شوہر شیو نے ناراض کر دیا تھا اور اسی کو خوش کرنے کے لیے لوگ ناچتے ہیں۔

پہلے سات دن عورتیں زیادہ تر چھوٹے چھوٹے گروہوں میں اپنے رہنے کی جگہ اور گلیوں میں ناچتی ہیں۔ آخری دو دنوں میں گاؤں کے مختلف حصوں سے عورتیں بارہ تا تیس نفری جماعتیں بناتی ہیں اور اہم مکانوں کے سامنے ناچتی ہیں اور انھیں غلہ یا پیسوں کا مختصر سا تحفہ ملتا ہے۔ مثلاً

میں چار بجے کے قریب اپنی تھالیوں میں مختلف اقسام کے پھول خوبصورت طریقہ پر سجاتی ہیں اور ایک جلوس
میں تالاب کی طرف جاتی ہیں۔ اس وقت برہمن اور کوشٹی کی عورتیں بھی ان میں شامل ہوجاتی ہیں۔ تالاب
کے قریب یہ پھولوں کی تھالیاں بیچ میں رکھ دی جاتی ہیں اور عورتیں ان کے اطراف ناچتی ہیں۔ اس ناچ
میں برہمن اور کوشٹی کی عورتیں حصہ نہیں لیتیں جب ناچ ختم ہوجاتا ہے تو پھول پانی میں بہا دیے جاتے
ہیں اس کے بعد چنے اور گڑ کا بنا ہوا میٹھا بھی پانی میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اور عورتیں گھر واپس ہوتی ہیں۔
یہ آٹھویں اور نویں دن کیا جاتا ہے جو تہوار کے آخری دن ہوتے ہیں۔

تیسـتا کا تہوار: میستا گاؤں کے حدود کی حفاظت کرتی ہے اور کھیتوں کی زرخیزی کی ضمانت دیتی
ہے جب غلہ کی پیداوار خوب ہوتی ہے اور خاص شکریہ کا اظہار مطلوب ہوتا ہے تو اس دیوی کی تعظیم
میں وسیع پیمانہ پر تقریب منائی جاتی ہے۔ یہ تہوار کمیونٹی کی زندگی میں سالانہ تقریب کی حیثیت نہیں
رکھتا اور صرف تیسرے یا پانچویں سال منایا جاتا ہے۔ تقریب کے ایام باہمی مشاورت اور اتفاق سے
گاؤں کے بڑے لوگ مقرر کرتے ہیں۔ تفصیلات کا تعین اکثر گاؤں کی سبھا کرتی ہے اور وہی اس بات کا
بھی فیصلہ کرتی ہے کہ کن بنیادوں پر گاؤں کے مختلف خاندانوں سے چندہ وصول کیا جائے۔ جب تہوار
کے صرف چند دن باقی رہ جاتے ہیں تو اس کے لیے کچھ جوشیلے جوانوں کی نگرانی میں تیاریاں شروع کیجاتی
ہیں۔ اس تہوار کے لیے گاؤں کے کئی ذاتیں خاص قسم کا تعاون کرتی ہیں۔ مثلاً کمہار مٹی کے برتن فراہم
کرتا ہے اور پجاری کا کام انجام دیتا ہے۔ سالال (دھوبی) میستا کے دیول پر ایک بانسی کرتا ہے۔ منگالی
(حجام) سالالی کے ساتھ بکریاں بھیڑوں اور مرغوں کا چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔ وڈلا (بڑھئی) جھنڈے کی
لکڑیاں فراہم کرتے ہیں۔ کماری (لوہار) جھنڈے کی ان لکڑیوں کے لیے لوہے کے کیل کانٹوں کا انتظام
کرتے ہیں۔ سالے (جولاہے) جھنڈے کے لیے کپڑا لاتے ہیں۔ درزی جھنڈے کو سیتا ہے گونڈلا (تاڑی
نکالنے والے) پوجا کی ضرورت کے مطابق تاڑی کا خمیری عرق بہم پہنچاتے ہیں۔ گولا (گڈریے) سارے
گاؤں کی جانب سے چڑھانے کے لیے بکریاں اور بھیڑیں مہیا کرتے ہیں اور آخر میں مدیگا اپنے باجے
بجاتے ہیں۔ کاشتکار رقم کا انتظام کرتے ہیں۔ برہمن اور کوشٹی ترکاری کھانے والے ہونے کے سبب
نیز جانور کی قربانی سے پرہیز کرنے کے باعث اپنے حصہ کا چندہ ادا کرتے ہیں مگر دوسری طرح اس
تقریب سے دور رہتے ہیں۔ مسلمان اس کے مصارف کے لیے چندہ ادا کرتے ہیں اور پوجا کے وقت
موجود رہتے ہیں۔

تہوار تین دن تک رہتا ہے پہلے دن ایک مٹی کا برتن تاڑی کے خمیری عرق سے بھر کر اس پر

در اور ہلدی سے نشان لگا دیا جاتا ہے اور اسے میستا کے دیول کو مدیگا کے ڈھول اور بانسری کے ساتھ جلوس میں لے جاتے ہیں۔ کماری پجاری کی حیثیت سے دیوی پر اس کی نذر چڑھاتا ہے اور بعد کو اسے حاضرین میں تقسیم کرتا ہے۔ دوسرے دن کاشتکاروں کے گھرانے نیز کچھ دوسرے لوگ بھی دیول کے قریب چاول پکاتے ہیں اور میستا کی نذر کرتے ہیں۔ تیسرا دن آخری پوجا اور بھینٹ چڑھانے کے لیے مختص رکھا جاتا ہے لوگ ڈھول بجانے والے مدیگا کے پیچھے جلوس میں دیول کو جاتے ہیں۔ کماری خوشبو جلاتے ہیں اور گولا کی پیش کردہ بکریوں اور بھیڑوں کو گاؤں کی طرف سے بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ ان جانوروں کو سکالی اور منگالی کاٹتے ہیں لیکن ان کے سر اور اگلے پاؤں کو کماری دیوی پر بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ اس کے بعد ان خاندانوں کی طرف سے بھینٹ چڑھائی جاتی ہے جو کسی منت کے پورے ہو جانے یا دیوی سے کسی مراد کے پورے ہونے کی توقع پر بکریاں بھیڑ یا مرغیاں چڑھانے کے لیے لائے ہوں۔ اس وقت کچھ لوگوں پر دیوی سوار ہو جاتی ہے اور وہ مدہوشی کے عالم میں ہو جاتے ہیں۔ رات دیر گئے لوگ گھر واپس ہوتے ہیں اور چاول گوشت اور دوسری نفیس چیزوں کی دعوت کھاتے ہیں۔

جلال میاںؒ کا عرس :- گاؤں کے مسلمانوں میں ایسے مقدس حضرات کی تعظیم ہے جن کا تعلق ان کی بستی سے رہا ہے اور جنھوں نے کرامات دکھا کر مافوق الفطرت طاقت کا ثبوت دیا۔ نسیم مذہبی میلے منعقد کرنے کی روایت چلی آرہی ہے۔ ہر سرما کے موسم میں شامیرپیٹھ کے مسلمان جلال میاں کے مزار کے قریب جو ایک مقامی مسلم بزرگ تھے، میلا منعقد کرتے ہیں۔ اس میلے یا عرس کے دن مزار پر ایک سبز کپڑا بچھایا جاتا ہے۔ اور سبز رنگ کے علم اس کے قریب لہرائے جاتے ہیں۔ شامیرپیٹھ اور قریب کے گاؤں کے دوکاندار قریب کے کھلے میدان میں دکانیں سجاتے ہیں۔ دوپہر کے بعد جب لوگ وہاں جمع ہوتے ہیں تو مزار کے قریب عنبر جلائی جاتی ہے اور پھول اور غذائیں جلال میاںؒ کے لیے نذر کی جاتی ہیں۔ مُلّا مسلمانوں کی مذہبی کتاب سے کچھ پڑھتے ہیں۔ جب ممکن ہوتا ہے تو شہر سے مسلمان قوال مذہبی گیت گانے کے لیے بلائے جاتے ہیں۔ اس دن بھی کچھ لوگوں پر حال طاری ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو مشکلات اور شدید مسائل درپیش ہوتے ہیں وہ ان کا علاج اور حل ان سے دریافت کرتے ہیں جن پر جلال میاں کی روح طاری ہوتی ہے۔ اس میلے میں کبھی کبھی دیہاتی کھیل بازی گری کے کرتب، گاؤں کے نوجوانوں کے گانے اور ڈراما تماشے بھی شامل ہوتے ہیں۔ اگرچہ بنیادی طور سے یہ مسلمانوں کا میلہ ہے لیکن ہندو بھی اس میں بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔

کمیونٹی کے مذہبی سال کے اس سرسری جائزہ کے تجزیہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حقیقی طور پر ہندو

اور مسلمانوں کے رسوم کے دو علاحدہ علاحدہ طریقے ہیں جن میں بہت کم ربط پایا جاتا ہے۔ مسلمان گاؤں
کی عام رسوم میں شرکت کرتے ہیں لیکن وہ حقیقی طور پر کوئی پوجا نہیں کرتے پھر بھی وہ ہندوؤں کے ساتھ اس
عام طریقۂ اعتقاد میں شریک رہتے ہیں جو مذہبی رسوم سے متعلق ہے۔ ہندوؤں کے دسہرہ کے جلوس
میں مسلمان معاشرتی بنیادوں پر شریک ہوتے ہیں اور اسی طرح ہندو مسلمانوں کے محرم کے جلوس میں
شریک ہوتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ جلال میاں کے میلہ میں یکساں حصہ لیتے ہیں لیکن ہندو ایسا مذہبی
وجوہ سے نہیں کرتے بلکہ میلہ سے لطف اٹھانے کی توقع پر۔ ہندوؤں کے تہوار اور ان کی تقاریب پر نظر
غائر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ اس کمیونٹی میں بڑی تعداد میں کل ہند قسم کے تہوار منائے جاتے ہیں۔
لیکن ان میں بہت سے پیدائشی ثنائیہ والے برہمن اور کومٹی کی حد تک محدود ہیں۔ ان میں سے کچھ کو
دوسری اعلیٰ ذات والے یا اکثر ان ذاتوں میں صرف چند معزز خاندان والے مناتے ہیں۔ ان تہواروں سے
متعلق تقاریب اور پوجا کی سرانجام دہی ایسی ذاتوں میں جن کا درجہ سکالی اور منگالی (دیہی برہمن گروہ کے
علاوہ) سے اونچا ہوتا ہے، برہمن کرتے ہیں۔ استطاعت ہو تو سکالی اور منگالی برہمن کو بلاتے ہیں ورنہ
وہ ذات کے کسی پجاری سے کام لیتے ہیں جب کہ ایک طرف تمام ذات واری برہمن اور کومٹی زیادہ تر
اس زمرہ کے تہواروں میں بڑھ چڑھ کر دلچسپی لیتے ہیں تو دوسری طرف گاؤں کے عمومی رسوم کے وہ دورے
خاموش تماشہ بین ہوتے ہیں۔ گاؤں کے دو بڑے تہواروں میں جہاں کافی بین ذاتی تعاون ہوتا ہے
وہاں کماری بحیثیت پجاری کام انجام دیتا ہے نہ کہ برہمن۔ ہندوؤں کی بڑی تعداد کل ہند قسم کے تہواروں
میں سے نسبتاً چند ہی کو زیادہ جوش سے مناتی ہے لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ ذات واری درجہ بندی میں جو
لوگ اونچے زینہ پر ہیں وہ ان تہواروں کو زیادہ مناتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس فرقہ یا ذات کی جتنی اونچی
حیثیت ہوتی ہے اسی قدر زیادہ تعداد میں وہ تہوار مناتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہ نسبت
دوسری ذات کے ہندوؤں کے کومٹی ان تہواروں کو زیادہ مناتے ہیں۔ اس میں ایک استثنا برہمن کا ہے جو
اعلیٰ تر ذات رکھنے کے باعث چند تہوار کومٹی سے بھی بڑھ کر مناتا ہے۔ گاؤں میں مقامی مذہبی عقیدے اب
بھی زندہ اور اہم ہیں۔ ان میں وہ انتہائی بڑی ذاتیں صرف برائے نام شرکت کرتی ہیں لیکن دوسری
ذاتیں پوری طرح شریک ہوتی ہیں۔ کاشتکاروں کی ذاتوں میں کاپو گروہ جو ذات واری درجہ بندی
میں درمیانی حیثیت رکھتا ہے ہر دو زمروں کی رسوم میں مساوی جوش سے حصہ لیتا ہے۔

(4) دورِ حیات کی رسمیں:

سبھا کیمونٹی میں ہندوؤں کی کل جماعتوں کی رسومات کے بنیادی طریقے جن کا تعلق زندگی کے بڑے مراحل سے ہے، بالکل یکساں ہیں۔ لیکن رسموں کی انجام دہی میں جہاں تک چھوٹی چھوٹی تفصیلات کا تعلق ہے مختلف ذاتوں کے طریقہ کار میں کافی فرق ہے۔ مزید برآں خود ایک ہی ذات کے اندر رسوم اور تقاریب کی نوعیت ایک ہی جیسی نہیں ہے۔ کیوں کہ چند اعتبارات سے انفرادی گھرانے اپنی علاحدہ روایات رکھتے ہیں۔ ہماری تحقیق اور جمع مواد کے دوران ان مختلف النوع رسوم کی زمرہ بندی کا کام ہمارے لیے گو کسی قدر تکلیف دہ مگر نہایت دلچسپ رہا۔ لیکن یہاں ان کی نسلیاتی تفصیلات کا مکمل خاکہ پیش کرنا بے موقع ہوگا۔ اس لیے ہندوؤں کی سماجی مذہبی زندگی میں اس کے اہم نکات کا صرف ایک خاکہ پیش کیا جائے گا۔ چوں کہ مسلمان اپنے رسوم کی انجام دہی کے طریقوں میں ہندوؤں سے مطابقت نہیں رکھتے اس لیے ان کو علاحدہ بیان کیا جائے گا۔

پیدائش: بچے کی پیدائش کے وقت ماں اور خاندان کے دوسرے افراد رشتہ ناپاک ہو جاتے ہیں۔ پیدائش کے تیسرے یا پانچویں دن پرودو (PURUDU) کی رسمیں انجام دی جاتی ہیں جو ماں کے علاوہ تمام افراد خاندان کی رسمی ناپاکی دور کر دیتی ہیں۔ ماں اکیس تا تیس دن تک ناپاکی حالت میں رہتی ہے۔ اکیسویں دن ـــــ بعض ذاتوں میں تیسویں دن ـــــ بچے کے نام رکھنے کی تقریب منائی جاتی ہے۔ ماں نہلائی جاتی ہے بچے کے سر کے بال اتارے جاتے ہیں اور اسے جھولے میں ڈالا جاتا ہے۔ اگر یہ پہلا بچہ یا پہلا لڑکا ہے تو نام رکھنے کی تقریب میں رشتہ دار دوسرے مواضعے سے بھی شرکت کے لیے بلائے جاتے ہیں۔ گاؤں کے دوست اور پڑوسی ہر موقع پر بلائے جاتے ہیں۔ موقعہ کی مناسبت سے عورتیں گیت گاتی ہیں۔ اگر اس کا یقین ہوتا ہے کہ کسی مورث اعلیٰ نے دوبارہ جنم لیا ہے تو نومولود کا نام اسی پر رکھا جاتا ہے۔ بصورت دیگر خاندان کے بڑے بزرگ اہم اور با اثر رشتہ داروں سے مشورہ کر کے لڑکے کا نام رکھنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ پھر اس نام کا عورتوں اور مردوں کے مجمع میں اعلان کر دیا جاتا ہے۔ گانا بجانا اور دیر تک جاری رہتا ہے۔ تقریب کا خاتمہ رشتہ داروں اور مخصوص دوستوں کی دعوت پر ہوتا ہے۔

لڑکے کے مستقبل کے متعلق برہمن کی نجومی پیشین گوئی نیز ولادت کے وقت ستاروں کے محل اور افراد خاندان پر اس کے اثرات کے بارے میں مشورے کیے جاتے ہیں۔

اس موقع پر کومٹی، ریڈی کاشتکار نیز شہر سے تعلق رکھنے والے ذات کے ہندو بھی بلائے جاتے ہیں۔ تمام اعلیٰ ذاتوں میں حجام ذات کی عورتیں دائی کا کام انجام دیتی ہیں۔ اچھوت اپنی ذات کی

تجربہ کار عورتوں سے کام لیتے ہیں۔ چار دیگر ذاتوں کی خدمات ضروری ہوتی ہیں۔ بچے کے سر کے بال اتارنے کے لیے حجام کی، اکیسویں دن کی تقریب سے قبل کپڑے دھونے کے لیے دھوبی کی، پانی کی رسم میں نئے برتن فراہم کرنے کے لیے کمہار کی، گانے بجانے کے لیے مدیگا کی۔ ان خدمات کا معاوضہ نقد اور اشیاء کی صورت میں رواج کے مطابق ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں پہلی ولادت کے لیے حاملہ کو اس کے والدین کے گھر بھیج دیتے ہیں، بعد کی ولادتیں خود اس کے گھر میں کرائی جاتی ہیں۔ زچگی کے زمانہ میں پیشہ ور دائی اس کے پاس رہتی ہے۔ ولادت آسانی سے ہونے کے لیے اکثر اس کی کمر میں ایک تعویذ باندھ دیتے ہیں۔ پیدائش کے چند گھنٹوں کے اندر بچے کو نہلایا اور کپڑے پہنایا جاتا ہے۔ اس کا دادا یا کوئی عمر رسیدہ رشتہ دار دعائیں پڑھتا ہے۔ اس کے بعد ایک کھجور شہد میں ڈبوئی جاتی ہے۔ اور نومولود کے منہ میں اس کے ایک دو قطرے ٹپکائے جاتے ہیں۔ ایسا کرنے سے پیشتر بچے کو دودھ نہیں دیا جاتا۔ چھٹے دن 'چھٹی' کی تقریب منائی جاتی ہے۔ اس میں ماں باپ دونوں جانب کے رشتہ دار بلائے جاتے ہیں۔ وہ بچے کے لیے تحفے لاتے ہیں جن میں سنے کپڑے کے جوڑے، گڑیاں اور کھلونے اور کبھی چاندی کا ایک چمچہ بھی ہوتا ہے۔ بچے کو نئے کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ ساتویں دن سر کے بال اتارے جاتے ہیں اور بزرگ اس کا نام رکھتے ہیں۔ خاندان کی استطاعت کے مطابق چھٹے اور ساتویں دن عزیزوں اور دوستوں کی دعوت کی جاتی ہے۔ چالیس دن تک ماں کو زندگی کے روزمرہ کاموں سے علٰحدہ رکھا جاتا ہے۔ چالیسویں دن اسے نہلایا جاتا ہے۔ دائی کو اس دن اس کا معاوضہ دیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ پھر دعوت ہوتی ہے اور ماں اور بچے کو تحفے دیے جاتے ہیں۔

قبل بلوغ کی رسمیں :۔ ہندوؤں میں برہمن اور کومٹی لڑکوں کے سن بلوغ کو پہنچنے سے پیشتر مقدس تاگے کی رسم انجام دیتے ہیں۔ ان رسوم میں برہمن پجاری کا کام انجام دیتے ہیں۔ حرفتی ذاتوں کے پنچ برہما گروہ والے بھی یہ رسم انجام دیتے ہیں۔ لیکن وہ برہمن کو نہیں بلاتے۔ ان کی ذات کا پجاری یہ تقریب انجام دیتا ہے۔

مسلمانوں میں دو تا دس سال کی عمر میں لڑکے کا 'ختنہ' ہونا ضروری ہے۔ اس موقعہ پر چند رشتہ داروں کو بلایا جاتا ہے۔ لڑکے کو پھولوں کا ہار پہنایا جاتا ہے اور پھر ختنہ کیا جاتا ہے۔ عام طور پر لڑکے کو اس وقت کچھ تحفہ دیا جاتا ہے۔ دوسری قبل بلوغ کی رسم 'بسم اللہ' کی تقریب لڑکے اور لڑکی دونوں کے لیے ہے۔ اس سے مذہبی بچوں کے لیے مذہبی تعلیم کی ابتداء ہوتی ہے کیوں کہ اس وقت سے حرف شناسی کرائی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ بچے قرآن پڑھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ خاص طور پر میں تمام

مسلمان بچوں کے لیے بسم اللہ کی تقریب منائی جاتی ہے۔ گو کہ بہت ہی چند ہی مقدس کتاب پڑھنا سیکھتے ہیں۔

رسم بلوغ:۔ ہندوؤں میں لڑکی کی پہلی ماہواری دھوم سے منائی جاتی ہے اسے پانچ دن تک علیحدہ رکھا جاتا ہے جس کے بعد اسے نہلایا جاتا ہے اور نئے کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ تین تا دس دن تک گھر کے نیز خاندان کے دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہے آخر الذکر کے لیے گاؤں کی عورتیں لڑکی کو جلوس کے ساتھ لے جاتی ہیں اور بدیگا باجا بجانے کے لیے بلائے جاتے ہیں۔ برہمن اور کومٹی کے سوا تمام دیگر ذاتوں میں ہر دوپہر کو پڑوس کی عورتیں اس لڑکی کے گھر میں جس کی رسم منائی جاتی ہے، گانے اور ناچنے کے لیے جمع ہوتی ہیں۔ مسلمانوں میں پہلی ماہواری کے وقت لڑکی کو سات تا گیارہ دن کے لیے علحدہ رکھتے ہیں۔ اس مدت کے بعد اسے نئے کپڑے دیے جاتے ہیں جو وہ نہا کے پہنتی ہے۔

سن بلوغ سے پیشتر ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں لڑکی کے کان اور ناک چھیدتے ہیں لیکن اس کام کا تعلق مذہبی رسوم سے نہیں ہے۔

شادی بیاہ:۔ کمیونٹی میں عام دستور کے تحت لوگوں کی شادیاں سن بلوغ کے بعد کی جاتی ہیں۔ صرف چند صورتوں میں کمسنی میں شادیاں ہوتی ہیں۔ بچپن کی شادی شاذ ہے۔ ہم نے (۲۸۰) شادیوں کی تحقیقات کیں جن میں صرف چودہ کو بچپن کی شادی کہا جاسکتا ہے۔

ہندوؤں میں معاملاتی شادیاں عام ہیں۔ جب اس موضوع پر گفتگو کی جاتی ہے تو لوگ بدیہی طور پر ممیرے رشتہ داروں میں شادیوں کو ترجیح دیتے ہیں لیکن ہندوؤں کی (۲۴۰) شادیوں کے تجزیوں میں ہمیں صرف اٹھارہ فیصد شادیاں ممیرے رشتہ داروں میں ملیں۔ باقی تمام شادیاں خاندانی رشتہ داری سے باہر معاملاتی طور کی پائی گئیں۔ مسلمانوں میں ممیرے، چچیرے اور دیگر رشتہ داروں سے دونوں طرف کی شادیاں جائز ہیں۔ اور انھیں بہت مناسب سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں میں شادیوں کے تفاتر ہم کافی جمع نہ کر سکے لیکن (۴۰) شادیوں میں سے جن کی ہم نے پوری تحقیقات کیں (۱۹) چچیرے ممیرے بھائی بہنوں میں شادیاں تھیں۔ کاشتکاروں میں نیز کسی قدر کم دوسرے لوگوں میں بھی لڑکی کے والدین کے لیے لڑکے کو جہیز دینا ضروری ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خدمت کے صلہ کی شادیاں کم ہوتی ہیں۔ جب لڑکے کے والدین اتنے زیادہ غریب ہوں کہ وہ متوسط قسم کے بیاہ کے معمولی مصارف بھی برداشت نہ کرسکیں جن میں دلہن اور دولہا کے زیورات اور کپڑوں کی خرید نیز شادی کی دعوت اور متفرق مصارف شامل ہوتے ہیں تو لڑکا ایک مقررہ مدت تک اپنے ہونے والے خسر کے ساتھ کام کرتا ہے۔ جس کے بعد آخر الذکر اس کی شادی لڑکی کے ساتھ اپنے صرفے سے کر دیتا ہے۔ دو خاندانوں کے درمیان

باہمی تبادلہ کی شادیاں جہیز کے مصارف سے بچنے کے لیے کی جاتی ہیں اور اس کے علاوہ دونوں شادیاں ایک وقت میں انجام دی جاتی ہیں تاکہ ایک ہی صرفہ میں دونوں کام ہو جائیں۔ بعض وقت فرار کے نتیجہ میں بھی شادیاں ہوتی ہیں لیکن انھیں سماج کے منضبط دستور کی خلاف ورزی سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی طرح کا سلوک کیا جاتا ہے۔

کسی ہندو کی شادی میں رسوم اور ان کی انجام دہی کا خلاصہ پیش کرنا دشوار ہے کیوں کہ ہر ذات اور ہر خاندان میں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں اس لیے یہاں صرف ایک عام خاکہ پیش کیا جا سکتا ہے۔

پجاری برہمن کی رائے سے جانبین ایک مبارک دن تجویز کرتے ہیں اور اسی دن دلہن کے گھر میں شادی کا انعقاد ہوتا ہے۔ دولہا کی بارات میں اس کے رشتہ دار اور دوست ہوتے ہیں جو اپنے گاؤں سے ایسے وقت روانہ ہوتے ہیں کہ شادی کی مقررہ تاریخ سے ایک دن پہلے دلہن کے گاؤں پہنچ جائیں۔ وہاں پہنچنے پر دلہن کے لوگ ان کا اچھی طرح استقبال کرتے ہیں اور ایک ایسے مکان میں ٹھہراتے ہیں جو ان کے استعمال کے لیے پہلے سے خالی اور صاف رہتا ہے۔ ایک دوسرے کا آپس میں جو ادب و لحاظ کیا جاتا ہے۔ اس میں ضروری ہے کہ دولہے کی ماں دلہن کو خوش رکھنے کی خاص کوشش کی جائے کیونکہ ان کی ذرا سی ناراضگی ایسی دشواری پیدا کر سکتی ہے جس سے رسوم کی انجام دہی معطل ہو جائے۔ جبکہ دولہے والے لوگ گھر میں ٹھہرنے کا بندوبست کرتے رہتے ہیں۔ دلہن والے پہلے کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔ جب سب تیار ہو جاتا ہے تو دولہے والوں کو مطلع کیا جاتا ہے۔ کھانے کے بعد اس دن اور کوئی بات کرنے کی نہیں رہ جاتی مہمان عارضی رہائش گاہ کو واپس ہو جاتے ہیں۔ اور میزبان دوسرے دن کی رسوم کی انجام دہی کے انتظامات میں مشغول رہتے ہیں۔ جب دوسرا دن آتا ہے تو دلہن کی ماں اور دوسری رشتہ دار عورتیں دولہے کی ماں اور دوسرے رشتہ داروں کے پاس پانی اور صابن لے جاتی ہیں تاکہ وہ اپنا منہ دھو لیں۔ تھوڑی دیر بعد ان کے پاس ناشتہ بھیجا جاتا ہے۔ اس دن کی پہلی بڑی رسم کل دیوتا (KULA-DEVATA)۔ دلہن کے خاندانی دیوتا کی پوجا ہوتی ہے۔ اس میں دولہا دلہن دونوں حصہ لیتے ہیں۔ دوسری بڑی رسم ' لگنم ' (LAGNAM) کی ہوتی ہے جو برہمن کے نجومی حساب کے مطابق مبارک ساعت میں انجام دی جاتی ہے۔ دولہے کے لوگ ایک جلوس میں دولہا کو شادی کے پنڈال میں لاتے ہیں۔ مقررہ وقت پر ' لگنم ' کی رسم ' مذہبی ' شلوک گا کر انجام دی جاتی ہے۔ دولہا دلہن کی گردن میں سیاہ منکوں کا ایک ہار باندھتا ہے یہ ہار اس کے شادی شدہ ہونے کی علامت ہے۔ اور اسے بغیر اس کے نہیں رہنا چاہیئے۔ الا اس کے کہ وہ بیوہ ہو جائے۔ وہ اسکے

پاؤں کی دوسری انگلی میں انگوٹھی بھی پہنتا ہے۔ منگل سوتر (MANGLA SUTRA) کالا دھاگہ باندھنے سے پہلے دونوں کو زندگی کے ہر پہلو پر باہمی جسمانی خوشی نیز معاشی اور روحانی تقاضوں میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا وعدہ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن بیاہ ابھی مکمل نہیں ہوا۔ اس پر مذہبی تکمیل کے لیے شیشا ہومن (SHESHA HOMAN) کی اہم رسم ادا ہونی چاہیے۔ اس کے لیے دولہا دلہن آگ کے سامنے بٹھائے جاتے ہیں۔ مقدس اشلوک پڑھے جاتے ہیں اور خوشبو جلائی جاتی ہے۔ اس سے بیاہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد دولہا دلہن کھانے کے لیے آمنے سامنے بٹھائے جاتے ہیں۔ لکڑی کی چوکی جس پر وہ بیٹھتے ہیں اس کے اطراف کی زمین پر مختلف رنگوں کے نقوش بنائے جاتے ہیں۔ کھاتے وقت دونوں کو چند لقمے ایک دوسرے کی تھالی میں پھینکنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ پھر بہت سی چھوٹی رسمیں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک میں نئے شادی شدہ جوڑے کو ایک دوسرے کا نام لے کر مخاطب کرنے کو کہا جاتا ہے۔ دلہن کو اس سے تکلف کرنا پڑتا ہے کیوں کہ عام طور پر ایک بیوی اپنے شوہر کا نام زبان پر نہیں لاتی۔ اسے ایک گڑیا دی جاتی ہے بچے کی علامت کے لیے اس سے کہا جاتا ہے کہ کھانا پکانے یا گھریلو کام کے بہانے وہ اسے اس کے باپ کے سپرد کر دے۔ دوسرے دن چند چھوٹی رسومات کے بعد لڑکی اپنے شوہر اور اس کے والدین کو دے دی جاتی ہے۔ یہ رخصتی دلدوز اور غمگین گیتوں کے ساتھ کی جاتی ہے۔ باپ لڑکی سے کہتا ہے کہ آئندہ اسے اپنے خسر کے گھر کو اپنا گھر سمجھنا چاہیے۔ خیال، الفاظ یا کام کے ذریعہ کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جو اس کے باپ کی سبکی کا باعث ہو۔ اس کے بعد وہ لڑکی کے خسر سے التجا کرتا ہے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اس کی خطائیں، غلطیوں اور قصوروں سے درگذر کیا جائے۔ اور اسے اپنے خاندان کے طریقوں سے واقف کرایا جائے۔ لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ اپنے نئے گھر میں اسے بہت سی رسوم، خاندانی دیوتاؤں کی پوجا اور دعوتوں میں حصہ لینا پڑتا ہے۔ تین یا سات دن کے بعد وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں ایک مختصر سے وقفے کے لیے واپس آتی ہے۔

تمام ذاتوں میں شادی کی تقاریب کا عام نہج سنسکرتی رسوم کے زیر اثر ہے، لیکن برہمن تمام ذاتوں کی شادیوں میں کام نہیں کرتا۔ اسے کومٹی، زرعی ذاتیں، کماری، گولا سالے اور رنگوندلا بلاتے ہیں۔ حجام اور دھوبی استطاعت ہو تو برہمن کو بلاتے ہیں ورنہ اپنی ہی ذات کے پجاری سے کام چلا لیتے ہیں۔ پنچ برہما گروہ خود اپنے پجاری رکھتے ہیں۔ دوسرے تمام گروہ جن کا مقام ذات واری درجہ بندی میں کمتر ہے تقاریب کو انجام دینے کے لیے اپنی ہی ذات کے کسی تجربہ کار فرد کو بلا لیتے ہیں۔ اس لیے از خود مقدس لفظوں کا پڑھنا اور شادی کے پیچیدہ مسائل کا مقدس

کتابوں کے بموجب انجام پاتا ان تقاریب تک محدود رہتا ہے جنھیں برہمن انجام دیتے ہیں۔ دوسری ذاتوں
میں اگرچہ کہ طریقہ کار وہی ہوتا ہے لیکن سنسکرت کے اشلوک نہیں ہوتے۔ دیگر پیشہ ور ذاتیں جن کے تعاون
کی اس تقریب میں ضرورت ہوتی ہے حسب ذیل ہیں۔ حجام، کمہار، مدیگا اور بڑھئی۔ حجام معاملت کے
دوران جانبین کی مدد کرتا ہے پیغامات لے جاتا ہے۔ دعوت نامے تقسیم کرتا ہے۔ بال کاٹنے اور داڑھی
بنانے کی پیشہ ورانہ خدمت انجام دیتا ہے اور خود شادی کے دوران رات میں اہم رسوم کے وقت مشعل
بردار ہوتا ہے کمہار رسوم کی اہم ضروریات نیز کھانے پکانے کے لیے بڑی تعداد میں مٹی کے برتن فراہم
کرتا ہے۔ شادی کی تقریبات مدیگا کے گانے بجانے کے بغیر انجام نہیں دی جاتیں۔ ضرورت کے مطابق
بڑھئی شادی کی رسم کے لیے ستون اور لکڑی کی دوسری چیزیں تیار کرتا ہے۔ ان پیشہ ور ذاتوں کو شادی
کی رسوم کے دوران مختصر سی ادائیگیاں کی جاتی ہیں۔ البتہ تقریبات کے اختتام پر متعلقہ خاندان اپنی استطاعت
کے مطابق ان کی محنت کا صلہ بالآخر ادا کرتا ہے۔

طلاق شدہ اور بیوہ کی دوسری شادی بجز برہمن اور کومٹی کے دوسری ذاتوں میں ہو سکتی ہے۔
طلاق یا بیوی کو نکال دینے کا طریقہ بہت عام نہیں ہے (۳۸۰) شادیوں کے منجملہ جن کا ہم نے مطالعہ کیا صرف
(۹) صورتیں طلاق یا بیوی کو چھوڑ دینے کی پائی گئیں۔ ایسی تمام صورتوں میں گاؤں کی اور فرقہ کی سماجیں
سمجھوتہ کے لیے دخل دیتی ہیں اور جھگڑے والی جماعتوں کو ان کے فیصلے ماننے پڑتے ہیں۔ برہمن بیوہ کی دوسری
شادی نہیں ہوتی۔ ہندوؤں میں کثرت ازدواج کی اجازت ہے لیکن ایسا شاذ ہی ہوتا ہے۔ ہم نے اپنی
تحقیقات کے دوران گاؤں میں کثرت ازدواج کے صرف سات ہندو گھرانے پائے۔

مسلمانوں میں اسلامی رواج کے مطابق شادی کی معیاری رسوم انجام دی جاتی ہیں جن میں کچھ علاقائی
اور مقامی فرق ہوتا ہے۔ شادی کا پیغام لڑکے کے لوگوں کی جانب سے ہوتا ہے اور جب اس سے اتفاق
کر لیا جاتا ہے تو نکاح (شادی کی رسم) کی تاریخ یہ لوگ کسی مسلمان شادی کرانے والے مولوی (قاضی)
کی صلاح سے مقرر کرتے ہیں۔ اصل شادی کے چار دن پہلے سے ابتدائی رسوم کا آغاز کیا جاتا ہے۔ تقریب
منجا کی رسم سے شروع ہوتی ہے جس میں دونوں طرف کی عورتیں اپنے اپنے گھروں میں ہلدی پیستی ہیں اور
اس کا رنگین پانی اپنے گروہوں میں ایک دوسرے پر چھڑکتی ہیں۔ دوسرے دن دولہے والے دلہن
کے گھر اس کے لیے تحفے لے جاتے ہیں۔ ان تحفوں میں زیورات کپڑے اور کنگن ہوتے ہیں۔ اس کے بعد
ایک ذمہ دار شخص دولہے کی جانب سے دلہن کو پھولوں کا ہار پہناتا ہے اور اس کے تھوڑی دیر بعد
اس کی ماں کی اجازت سے اس کے دانتوں اور لبوں پر مسی لگائی جاتی ہے۔ یہ شادی کی اصلی رسوم

کے ابتداء کی علامت ہوتی ہے۔ تیسری صبح کو دلہن والے (ماں کے علاوہ) دولہے کے گھر جاتے ہیں۔ وہ دولہے
کے لیے تحفے لے جاتے ہیں اور دلہن کی چھوٹی بہن یا چچازاد بہن دولہے کو پھولوں کا ہار پہناتی ہے۔ لڑکی اور لڑکے
کو ایک دوسرے کے مقابل بٹھاتے ہیں لیکن درمیان میں پردہ ہوتا ہے۔ دلہن کی سگی بہن یا چچازاد بہن
دولہے سے چھوٹی انگلی آگے بڑھانے کے لیے کہتی ہے تاکہ اس میں حنا لگائی جا سکے۔ وہ یہ کرنے سے انکار کرتا
ہے جب تک کہ وہ (دلہن) یہ وعدہ نہ کرے کہ اس کی باندی بن جائے گی۔ جب دولہا اسے اپنی انگلی دیتا
ہے تو وہ اسے پکڑ لیتی ہے اور صرف اس وقت چھوڑتی ہے جب وہ (دولہا) اس کا غلام ہو جانے کا وعدہ کرتا ہے
اس کے بعد دلہن کو ہلدی لگائی جاتی ہے اور اسے شادی کے کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ وقت مقررہ پر
دولہے کو گھوڑے پر یا سجائی ہوئی گاڑی میں اس کے اقربا لاتے ہیں لیکن صدر دروازہ بند ہوتا ہے اور
اسے دلہن کے بھائی اس وقت کھولتے ہیں جب انھیں کچھ انعام مل جاتا ہے۔ قاضی نکاح کے مقررہ الفاظ
پڑھ کے شادی کی تقریب سرانجام دیتا ہے۔ ایک دستاویز پر دولہے کے دستخط لیے جاتے ہیں جس میں
شادی کی تمام شرائط بشمول رقم 'مہر' مندرج ہوتے ہیں جسے بیوی کو علیحدہ کرنے کی صورت میں
اسے ادا کرنا پڑے گا۔ اس کی تکمیل کے وقت دلہن گھر کے اندر رہتی ہے۔ اس کے بعد اس کے باپ اور
چند ذمہ دار بزرگ اس کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں "تمہارا نکاح ______ سے مبلغ ...... مقررہ 'مہر' کے
ساتھ کیا جاتا ہے۔ کیا تم اس کی بیوی ہونا منظور کرتی ہو۔" اس کی رضامندی ضروری ہے۔ اگرچہ
وہ اکثر اس رضامندی کو 'ہاں' کہہ کر نہیں بلکہ رو کر ظاہر کرتی ہے۔ دولہے کی ماں سیاہ دانوں کا ایک ہار
اس کے گلے میں پہناتی ہے اور ایک نتھ اس کی ناک میں۔ اس کے بعد ہنسی مذاق کی رسمیں ہوتی ہیں۔ دونوں
کو ایک سجائے ہوئے بستر پر بٹھایا جاتا لیکن بیچ میں ایک پردہ رہتا ہے اور وہ ایک دوسرے پر چاول
پھینکتے ہیں۔ تب پردہ ہٹا دیا جاتا ہے اور ان کے درمیان ایک آئینہ رکھ دیا جاتا ہے۔ دولہے سے قرآن
کی کچھ آیات پڑھتے اور آئینہ میں اپنی دلہن کی صورت دیکھنے کو کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد دلہن کو رسمی
طور پر اس کے والدین دولہے کے خاندان کے صدر کو سپرد کر دیتے ہیں۔ گھر جانے کا جلوس دولہے والوں
کی طرف سے ہوتا ہے اور نوشادی شدہ جوڑا ایک سجائی ہوئی گاڑی میں جاتا ہے۔ دولہے کے گھر اور بھی
رسمیں ہوتی ہیں جہاں دونوں ایک دوسرے کا پاؤں دھوتے ہیں۔ ان تمام دنوں میں دعوتیں ہوتی رہتی
ہیں جن میں دوست اور رشتہ دار مدعو ہوتے ہیں۔ آخری دن ایک بڑی دعوت کا انتظام کیا جاتا ہے۔ ایک
یا دو دن بعد دلہن کو اس کے ماں باپ کے گھر لے جاتے ہیں۔ یہاں دولہے والوں کا بڑے اعزاز کے
ساتھ استقبال کرتے ہیں اور شاندار دعوت کی جاتی ہے۔

اسلام میں کثرت ازدواج جائز ہے۔ ایک شخص چار بیویاں تک رکھ سکتا ہے۔ تاہم ہماری تحقیقات کے وقت شامیر پیٹھ کی کل (344) مسلم آبادی میں صرف تین گھرانے کثیر الازدواج کے تھے انکے سماجی نظام اور رواج میں طلاق کی اجازت ہے۔ نیز ازدواج کے معاہدہ میں نان نفقہ کی فراہمی کے شرائط مندرج ہوتے ہیں لیکن علحدگی یا فرار کی صورت میں ان شرائط کی حقیقی طور پر پابندی نہیں کی جاتی۔ اور معاوضہ جو ادا کیا جاتا ہے وہ معاہدہ کی مجوزہ رقم سے واقعتاً کم ہوتا ہے۔ جبکہ پہلے بتایا جا چکا ہے نکاح کی رسم قاضی انجام دیتا ہے جس کو شہر سے اسی غرض کے لیے بلایا جاتا ہے۔

موت :۔ ہندو اور مسلمان دونوں موت کے جسمانی اسباب کو سمجھتے ہیں۔ اس کو عام طور پر قدرتی اسباب سے متعلق سمجھا جاتا ہے مثلاً۔ بیماری یا بڑھاپا۔ لیکن ان تمام صورتوں میں جن میں موت غیر معمولی واقعات یا طریقہ پر واقع ہوتی ہے تو اسے مافوق الفطرت وغیرہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مثلاً دیوتاؤں کی خفگی اور آباو اجداد کی ارواح، اور سحر اور کالا جادو۔

تمام ہندو ذاتوں میں مرے ہوئے بچے گاڑے جاتے ہیں۔ برہمن اور کومٹی عام طور پر اپنے مردوں کو جلا دیتے ہیں بجز اس کے کہ موت سانپ کاٹنے کے باعث یا چیچک نکلنے سے ہوتی ہو۔ دیگر بڑی ذات والوں میں جلانے اور گاڑنے کے دونوں طریقے رائج ہیں۔ عام طور پر بوڑھے امیر اور با اثر لوگوں کے مردے جلائے جاتے ہیں۔ نیچ ذات والوں مثلاً ساکالی، منگالی اور مادر کلا نیز مالا اور مدیگا کے یہاں بھی مردوں کا گاڑنا زیادہ عام ہے۔ موت کے فوراً بعد گاؤں کے رشتہ داروں اور دوستوں نیز پڑوس کے گاؤں والوں کو بھی اطلاع دی جاتی ہے۔ لاش کو دھوتے ہیں، کپڑے پہناتے ہیں اور لکڑی یا بانس کی چارپائی پر باندھ دیتے ہیں۔ اس کو نئے کپڑے سے ڈھکا جاتا ہے اور پھولوں سے سجایا جاتا ہے۔ اگر گھر والوں میں استطاعت ہوتی ہے تو مدیگا بلائے جاتے ہیں جو جلوس کے آگے آگے چلتے ہیں اور باجا بجاتے ہیں۔ چارپائی چار آدمی اپنے کاندھوں پر لے جاتے ہیں۔ جب وہ آہستہ آہستہ قبرستان یا مرگھٹ کی طرف بڑھتے ہیں تو لوگ کچھ غمگین آوازیں نکالتے ہیں مثلاً صرف خدا کا نام سچا ہے سچے رہو تو تمہاری نجات یقینی ہوگی۔ جب ایک شخص کو جلانا ہوتا ہے تو اس مردیا اس عورت کا لڑکا یا لڑکا نہ ہونے کی صورت میں چھوٹا بھائی یا کوئی قریبی رشتہ دار ساتھ ایک مٹی کا برتن لے جاتا ہے۔ جس میں آگ ہوتی ہے۔ گھر اور تدفین کے مقام کے بیچ تھوڑی دیر کے لیے چارپائی کو زمین پر آرام کے لیے رکھ دیتے ہیں اور پھر آگے چلتے ہیں۔ چتا پر یا قبر میں رکھنے سے پیشتر متوفی کا لڑکا یا قریبی رشتہ دار چتا یا قبر کے اطراف پانی چھڑکتے ہوئے تین چکر لگاتا ہے لاش تب چتا پر چارپائی کے ساتھ

رکھ دی جاتی ہے۔ یا چارپائی سے نکال کر قبر میں رکھ دی جاتی ہے۔ کوئی قریبی عزیز چتا کو آگ لگاتا ہے۔ بصورت ثانی وہ مٹھی بھر مٹی قبر میں ڈالتا ہے۔ تدفین کی صورت میں تمام حاضرین قبر بھرنے میں ہاتھ لگاتے ہیں۔ جب چتا آدھی جل جاتی ہے یا جب قبر بھر جاتی ہے تو لوگ راستہ میں نہا کر گھر واپس ہوتے ہیں۔

مرنے والے کی روح کو کیا ہوتا ہے؟ اگر موت کسی مبارک دن اور مبارک وقت میں واقع ہوئی تو روح سیدھے اس عظیم ہستی کے پاس چلی جاتی ہے۔ عام طور پر یہ گیارہ یا تیرہ دن تک مکان کا چکر لگاتی ہے۔ خاص کر صدر دروازہ کی چھت کے اوپر۔ یہ کہاوتی بیان ہے۔ لیکن رواجی رجحان واعتقادات کے تجزیہ سے واضح ہوتا ہے کہ۔ (۱) تدفین یا جلانے کی جگہ وہ شخص بھوت جیسی شکل میں رہتا ہے۔ (۲) روح خدا کے پاس چلی جاتی ہے۔ جہاں سے وہ مرنے والے کی زندگی کے اعمال کے مطابق سورگ یا نرک میں بھیج دی جاتی ہے۔ (۳) کبھی کبھی مرنے کے چند ہی دنوں کے اندر یہ دوسرا جنم انسان یا کسی اور ذات میں لیتی ہے۔ (۴) مقررہ رسوم کی انجام دہی کے ذریعہ اسے مکان میں اجداد کی ارواح کے ساتھ رہنے کے لیے واپس بلایا جا سکتا ہے۔ ان میں سے چند توضیحات ایک دوسرے کے متضاد نظر آتی ہے لیکن لوگ ان پر بیک وقت اعتقاد رکھتے ہیں۔

مرنے کے تیسرے دن پاکی کی پہلی رسوم انجام دی جاتی ہیں۔ جن میں مکان صاف کرنا، گھر کے تمام چادروں اور کپڑوں کو دھونا۔ اور مٹی کے تمام برتنوں کا جو پکانے یا پانی جمع کرنے کے لیے استعمال کیے گئے، پھینک دینا شامل ہے۔ گیارہویں یا تیرہویں دن پاکی کی مزید رسوم انجام دی جاتی ہیں۔ جو گھر کے افراد کی رسمی ناپاکی دور کر دیتی ہیں۔ اس دن متوفی کی روح کو پانی اور غذا دی جاتی ہے قریبی رشتہ دار سر کے بال صاف کروا لیتے ہیں اور نہاتے ہیں (باپ یا ماں کی موت پر سر، مونچھ اور داڑھی کے بال منڈانے چاہئیں) اور دعوت دی جاتی ہے۔ اعلیٰ ذات والے رسم کی انجام دہی کے لیے برہمن بلاتے ہیں جو قریب کے گاؤں سے آتا ہے۔ دوسرے اپنی ذات کے رواج کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اعلیٰ ذات کے لوگ جلی ہوئی چتا کی جگہ سے ہڈیاں جمع کرتے ہیں اور پاک دریا میں بہا دیتے ہیں۔ عام طور پر گوداوری میں جو شاید پیٹھ سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ لیکن استثنائی صورتوں میں دریائے گنگا میں کیوں کہ سارے ہندوستان کے ہندوؤں میں یہ دریا سب دریاؤں سے زیادہ مقدس سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے پترا پاس میں پندرہویں دن اجداد کی ارواح کو پانی دیا جاتا ہے اور موت کے بعد پہلے پترا پاس کے دوران متوفی کی روح کو واپس آنے کی دعوت دی جاتی ہے اور دوسرے اجداد کی روح کے ساتھ اسے مکان کے ایک کونے میں

ار رکھا جاتا ہے۔

غیر معمولی موت کے لیے خاص طریقہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ عورت حاملہ ہونے کی حالت میں مرجائے ایک نوجوان جنسی تشنگی کے ساتھ مرجائے یا کوئی ایسا شخص مرتا ہے جس کی انتہائی دلی خواہش تشنہ رہ گئی ہو تو ان سب کو قلبی دنیا میں بحال ہونے میں دشواری کا سامنا ہوگا۔ اور ان کی ارواح اس رہتی دنیا کو اوقات معینہ میں واپس آتی رہیں گی۔ سبھی وہ لوگ ہیں جو اکثر بھوت بن جاتے ہیں۔ گاؤں میں مستقلاً رہتے ہیں اور کمیونٹی کی عام زندگی دشوار کردیتے ہیں۔ ان کے برے اثرات سے بچنے کے لیے خاص مہارت درکار ہوتی ہے۔

موت سے متعلق مسلمانوں کے طریقے ہندوؤں سے مختلف ہیں۔ لاش کے انگوٹھوں کو ایک دھاگے سے باندھ دیتے ہیں۔ شکم کے اوپر نمک کی ایک تھیلی رکھی جاتی ہے۔ تاکہ پھول نہ سکے تکفین و تدفین کا انتظام کرنے کے لیے رشتہ دار اور دوست جمع ہوتے ہیں۔ جسم ڈھانکنے کے لیے ایک نیا کپڑا خریدا جاتا ہے اور لکڑی کا وہ چوکھٹا جسے 'ڈولا' کہتے ہیں جو ان کے فرقہ میں قبرستان تک جنازہ لے جانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، منگوایا جاتا ہے۔ مرد کی لاش کی تدفین کپڑوں کے تین ٹکڑوں میں اور عورت کی پانچ میں کی جاتی ہے، کافور کا سفوف متوفی کی پیشانی، آنکھ، ہتھیلی اور پاؤں پر چھڑکا جاتا ہے پھولوں کو بھرنے کا بھی رواج ہے۔ رشتہ دار اور احباب متوفی کا آخری دیدار کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد لاش ڈولے میں رکھ دیتے ہیں۔ اسے چار آدمی اٹھاتے ہیں اور ذکور رشتہ دار اور احباب مسجد میں لے جاتے ہیں۔ چلتے وقت وہ 'اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' کہتے رہتے ہیں۔ وہاں جنازہ کی نماز پڑھائی جاتی ہے اور پھر قبرستان کی طرف جلوس روانہ ہوتا ہے۔ لاش کو قبر میں رکھتے ہیں۔ قرآن سے کچھ آیتیں پڑھتے ہیں اور پھر قبر بھر دی جاتی ہے۔ وہ تمام لوگ جو ڈولے کے ساتھ جاتے ہیں قرآن کی آیتیں پڑھتے ہوئے قبر میں کچھ مٹی ڈالتے ہیں۔ یہ ختم ہونے کے بعد سب تدفین کی جگہ سے چالیس قدم ہٹتے ہیں اور متوفی کے لیے فاتحہ پڑھتے ہوئے اور قادر مطلق سے فضل کی دعا مانگتے ہوئے واپس ہوتے ہیں۔ مرنے کے دو دن بعد تک چولہے میں آگ نہیں جلنی چاہیے اور مرحوم کے خاندان کے لیے کھانا قریب کے رشتہ دار بھیجتے ہیں۔ تیسرے دن مسجد میں فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور بعد کو متوفی کے رشتہ دار اس کی قبر پر پھول چڑھانے جاتے ہیں۔ اس کے بعد کھانا ہوتا ہے۔ متوفی کی برسی کے وقت قبر پر پھر پھول چڑھائے جاتے ہیں دعائیں کی جاتی ہیں اور متوفی کی یاد میں کھانا کھلایا جاتا ہے۔

(5) مذہب مصیبت اور بیماری میں

گذشتہ ابواب میں کیوتنی کی زندگی کے اہم رسوم کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی جن میں اولاً وہ تقریبات اور رسومات تھے جو سال بھر میں منائے جاتے ہیں اور دوسرے وہ رسوم اور پابندیاں جن کا تعلق زندگی کے اہم مرحلوں سے ہوتا ہے۔ ان ادوار کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے کیوں کہ ان پابندیوں کی بنا پر صحیح راستۂ حیات پر ہے جو خاندان کی بھی سلامتی اور خوشحالی کا باعث ہوتا ہے اور موت کے بعد فرد کے لیے بھی مناسب مستقبل کی راہ دکھاتا ہے۔ معمولی حالات زندگی میں اُن تہواروں کے علاوہ کیوتنی میں بہت کم روحانی یا اعتقادی جدوجہد پائی جاتی ہے لیکن مسلسل دشواریاں، غیر معمولی بیماریاں اور اموات کی زیادتیاں لوگوں کے خیالات کو مافوق الفطرت عامل کی طرف منعطف کر دیتی ہیں۔ ایسے واقعات کو مافوق الفطرت قوتوں کی مداخلت کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے اور اس کا علاج جادوئی مذہبی طریقوں سے کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

عام بیماریوں کو زیادہ تر جسمانی کمزوری کا باعث سمجھا جاتا ہے اور ان کا علاج جڑی بوٹیوں سے [illegible] جدید ادویہ لاکے کیا جاتا ہے۔ سردی، زکام، دردِ سر، بخار، درد شکم، خارش، سوزاک اور آتشک کو عام بیماریوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور دواؤں سے ان کے علاج کی کوشش کی جاتی ہے لیکن مسلسل دردِ سر، میعادی بخار، ہاضمہ کی خرابی، بچوں میں ہڈی کی اور دوسری گھلا دینے والی بیماریاں، ماہواری کی خرابی اور بار بار اسقاطِ حمل وغیرہ جیسی شکایات کو مافوق الفطرت کی طرف سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں دوائیوں سے علاج نیز روحانی طاقتوں کی مدد بیک وقت آزمائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ایسے مصائب جیسے فصل کی بربادی، کامل اندھاپن، کاروبار میں بار بار کی ناکامی، بچوں کی یکے بعد دیگرے اموات اور ایک قلیل سی مدت میں ایک ہی خاندان میں بہت سی اموات ہو جانا، ان سب کو بدنصیبی اور ضرر رساں فطری قوتوں کی طرف سے سمجھا جاتا ہے۔ چیچک، چیچک اور طاعون کو ہمیشہ مختلف دیویوں کے غضب سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے ان بیماریوں کے لیے پوجا ہی واحد علاج سمجھا جاتا ہے۔ اور مریض کو کوئی دوا نہیں دی جاتی ہے۔

ان [illegible] اجداد کو نے [illegible] جو ان دشواریوں، مصائب اور اموات کا سبب ہوتے ہیں [illegible] میں انہیں ذیل سے منسوب کیا جاتا ہے۔

(1) اجداد کی ارواح کا غضب (2) ناساعد ستارے (3) بھوت اور ارواح (4) دیوتاؤں کا غصہ (5) کالا جادو اور سحر -

اگر اجداد کی ارواح کو نظر انداز کیا جائے اور ان کو ان کا حصہ نہ دیا جائے تو کوئی چھوٹی بڑی مشکل پیدا کر کے وہ خاندان کو متنبہ کر دیتے ہیں۔ یہ اس خاندان کے افراد کے سر ہوتا ہے کہ اس تنبیہ کو سمجھیں اور اجداد کی خفگی کے سبب کو دور کریں۔ اگر ایسا نہ کریں تو اکثر برے نتائج اور ناقابل تلافی نقصانات ہو جاتے ہیں۔ جس شخص کے ستارے ناساعد ہوتے ہیں اس کا راستہ بدبختی اور بدقسمتی گھیرے رہتی ہے۔ ہسٹریا، بیہوشی اور ارواح کا سوار ہونا بھوت اور ارواح کی دشمنی کے نتائج ہوتے ہیں۔ گاؤں کی دیویاں اپنی تنگ مزاجی کے لیے مشہور ہیں اور معمولی سی بھول پر بھی فوری سخت بدلہ لیتی ہیں۔ ہندوستان کے دیوتا نسبتاً ٹھنڈے مزاج کے ہیں۔ اپنی شان میں بڑی گستاخی پر ہی لوگوں کو سزائیں دیتے ہیں۔ عداوت کالا جادو یا افسون کے استعمال کا سبب ہو سکتی ہے جو مستقل بیماری اور بدنصیبی کی صورتوں میں اصل مصیبت کی جڑ بن جاتی ہیں۔

ان میں سے اکثر اسباب کے لیے ماہرین کے نسخوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی کبھی اجداد کی ارواح اپنی ناراضی کسی فرد خاندان کو خواب میں بتاتی ہیں۔ اکثر بھوت جو کسی شخص پر سوار ہوتا ہے اپنی شناخت اسی ستم رسیدہ کے ذریعہ کرتا ہے۔ لیکن دوسری صورتوں میں صحیح تشخیص ضروری ہے۔ اجداد کی روح خفا کیوں ہے؟ اس کو منانے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ منحوس ستاروں کا برا اثر کس طرح پلٹایا جا سکتا ہے؟ صرف برہمن ہی یا مقامی مذہبی بزرگ ان سوالات کے جوابات دے سکتے ہیں۔ ارواح اور بھوت کے برے اثرات کو زائل کرنے کے لیے کسی ماہر فن کی خدمات حاصل کرنی ضروری ہوتی ہیں۔ اسی طرح دشمنی رکھنے والے جادوگر یا افسوں ساز کے مقابلہ کے لیے اس سے زیادہ طاقتور جادوگر کی ضرورت ہوگی۔

اجداد کی ارواح کو منا لینا اتنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ جب ان کی ناراضی کا سبب معلوم ہو جائے تو ان کو خوش کرنے کے لیے بطور معذرت کے شاستر پوجا کر لی کافی ہوتی ہے۔ دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے برت، توبہ اور کھانے کی نذر کافی سمجھی جاتی ہے۔ دیویوں کا منانا زیادہ مشکل ہوتا ہے اور ان کے لیے مرغی یا بکری کی بھینٹ چڑھانی پڑتی ہے۔ منحوس ستاروں کے لیے برت، پوجا اور برہمن کی ہدایت کے مطابق کچھ رسمیں انجام دینی پڑتی ہیں۔ عام طور پر ان تقریبات کے بعد برہمن اور غریبوں کو دان دیا جاتا ہے۔ بھوت اور ارواح کو قابو میں رکھنے اور کالا جادو اور افسوں کے اثرات

زائل کرنے کے لیے مختلف طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو بھوت کے تمام قابل قبول مطالبے پورے کرنے چاہییں لیکن اگر وہ اس کے بعد بھی شرارت پر تلا ہے تو اسے باندھ کر قید میں رکھنا چاہیے۔ افسون اور ٹونا کے خلاف سخت تدابیر اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ ان پر دو اقسام یعنی بھوت شیر کا یا جادو یا افسون کے خلاف کارروائی کے لیے تین طریقے استعمال کیے جاتے ہیں: منتر مطیع اور تیرا یا منتر (پوشیدہ طریقے اور بندشیں) اور چیتلا کریا (CHETLA KRIYA) (کالے جادو کا رد عمل)۔ ان سے عامل بعض صورتوں میں کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن مشکل معاملات میں تجربہ کار فن والوں کی مداخلت کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان ماہران فن کی تکنیک پوشیدہ رکھی جاتی ہیں۔

شامیر پیٹھ میں گیارہ آدمی اس تکنیک سے واقفیت کے دعویدار ہیں اگرچہ ان میں سے تین ہی کو اصلی اور موثر طاقت کا حامل مانا گیا ہے۔ ایک شخص جو چیتلا کریا میں مہارت کا دعویدار تھا کہ اس میں کالے جادو اور اس کو رد کرنے کی کافی طاقت تھی۔ اس تحقیق کے دوران مر گیا۔

پنڈت (؟) جو توں پر جادوگر ہونے کا شبہ تھا جن میں سے دو کو اونچی ساحرہ مانا گیا۔ بھوتوں کے اعداد و شمار حاصل کرنا دشوار تھا لیکن ہم نے چالیس سے زیادہ کا اندراج کیا۔ چار بھوتوں کا خاص ڈر تھا۔ گاؤں کے شمال مغربی جانب جو ٹیلہ ہے اسے بیشمار بھوتوں کا مسکن سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اب وہاں ایک ریڈی عورت کا بھوت رہتا ہے جو حاملہ مر گئی تھی۔ یہ مشہور ہے کہ اس نے کئی عورتوں اور بچوں کو ہلاک کیے۔ مدیگا کی ایک عورت جس نے ان کی بستی کے ایک کنویں میں کود کر خودکشی کی، وہ بھی بھوتنی بن گئی۔ پہلے وہ گاؤں سے باہر چلی گئی اور اپنی لڑکی کو ستانے لگی۔ لیکن وہاں سے وہ بھگا دی گئی اور اب یہ یقین کیا جاتا ہے کہ وہ پھر شامیر پیٹھ میں آ گئی۔ بہرحال گاؤں کے لیے وحشتناک ایک ریڈی کاشتکار کا وہ بھوت ہے جو گاؤں کے مشرقی جانب رہتا ہے۔ قوی دل نوجوان بھی دوپہر، شام یا رات گئے اس جگہ جانے سے ڈرتے ہیں۔ ایک نوجوان مسلمان کے متعلق جو کنوارا مرا، کہا جاتا ہے کہ اس نے بہت سی نوجوان عورتوں کو چھیڑا۔ ان بھوتوں کو قابو میں رکھنے کے لیے اب تک کوئی قابل لحاظ روک تھام نہیں کی گئی۔ بھوتوں کو مطیع کر لیا گیا ہے۔ درج ذیل زمرے کے لوگوں کے بھوت تھے۔

(۱) ایسے لوگ جو جنس اور دولت اور اولاد پر بہت فریفتہ تھے

(۲) وہ جو اپنی جنسی خواہشات کو پورا کیے بغیر مر گئے

(۳) حاملہ عورتیں۔

(۴) وہ لوگ جن کی اموات درخت پر سے گرنے، پانی میں ڈوبنے یا بجلی گرنے سے ہوئیں۔

(5) جنہوں نے خودکشی کی۔

(6) جو کسی سے انتہائی نفرت کرتے ہوئے مرے۔

(7) لوگ جن کو قتل کیا گیا۔

مافوق الفطرت قوتوں کی پیدا کردہ سخت دشواریوں کو دور کرنے کے لیے مذکورہ بالا عملیات کرنے پڑتے ہیں۔ چھوٹے قسم کی مشکلات پر قابو پانے کے لیے نیز نسبتاً معمولی قسم کی خواہشات کو پورا کرنے کیلئے دوسرے طریقوں سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ کوئی خاص قسم کی خواہش پوری کرنے کے لیے (یا کسی مشکل کو آسان کرنے کے لیے) مخصوص دیوتا یا دیوی کی تعظیم میں کسی دن برت رکھ لینا عام طریقہ ہے۔ اور عورتیں ایسا عمل اکثر کرتی ہیں۔ چنانچہ جب ٹ ' عدالتی مقدمہ میں پھنس گیا تو وہ اور اس کی بیوی دونوں پیر کے دن برت رکھتے۔ اور خاندان کے دیوتا سے عدالتی فیصلہ اپنے موافق ہونے کے لیے التجائیں کرتے۔ کسی خواہش کے پورا ہونے کے بدلے میں کھانے کی نذر کرنا، بھینٹ چڑھانا، یا کسی دن ایک خاص وقت تک برت رکھنا، منت کے یہ طریقے بھی مستعمل ہیں۔ سے سا (E R) کی لڑکی سخت بیمار تھی اور اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ سے سا (E R) اس دیوی کے دیول کو گئی جس کا تعلق اس کے خاندان سے تھا، اور کہا "ماتا ہم نے ہمیشہ تیری پوجا کی ہے میری لڑکی مرنے کے قریب ہے۔ میں اس کا اپنے سے پہلے چلا جانا برداشت نہیں کر سکتی۔ اسے بچالے۔ میں تیری تعظیم میں دو بکریوں کی بھینٹ دوں گی۔" لڑکی اچھی ہو گئی اور سے سا (E R) نے وعدہ کے مطابق دو بکریوں کی بھینٹ چڑھائی۔ س، ایک کومتی عورت فکر مند تھی کیونکہ اس کی لڑکی کا شوہر غلط راہ جا رہا تھا اس نے اپنے خاندان کے دیوتا سے وعدہ کیا کہ "جو روٹھ رہا ہے اسے اگر تم جوڑ دو گے تو میں تین مہینوں تک ہر پیر کو برت رکھوں گی اور ہر برت کے دن تم پر نذر چڑھاؤں گی" تھوڑی مدت بعد وہ شوہر اس کی لڑکی کی طرف پھر متوجہ ہونا شروع ہوا اور ماں نے جو اپنی بات کی پکی تھی اپنا قول پورا کیا۔ جب خواہشات پوری نہیں ہوتیں تو لوگ اپنی قسمت کو روتے ہیں۔ اپنے سابقہ اعمال پر الزام دھرتے ہیں اور دیوتاؤں کے ناموافق رجحان سے مفاہمت کر لیتے ہیں۔ "ہم صرف دعا مانگ سکتے ہیں اور پوجا کر سکتے ہیں یہ دیوتاؤں کی مرضی پر منحصر ہے کہ ہماری سنے یا نہ سنے ہم اور کیا کر سکتے ہیں؟ ہم ان سے جھگڑا کیسے کر سکتے ہیں" ایسا ہی ایک متوسط آدمی کا ان تمام صورتوں میں اندازِ جواب ہو گا۔ جہاں مافوق الفطرت طاقتیں دعاؤں اور نذروں سے رضامند نہ کی جا سکیں۔

مسلمان بھی بھوت الدید اور ارواح پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کا طرزِ عمل اسی طرح کا ہے جیسا کہ

ہندوؤں کا۔ ان کے علاوہ وہ قرآن کی آیتیں پڑھتے ہیں اور پیروں اور بزرگوں کی مدد کے خواستگار ہوتے ہیں۔ چھوٹی تکالیف اور مشکلات کے رفع کرنے کے لیے وہ مقدس لوگوں سے تعویذ کی بڑی خواہش کرتے ہیں۔

باب پنجم

خاندانی تعلقات کا تانا بانا

ہندوستان کی دیہی کمیونٹی کے سماجی ڈھانچہ میں خاندان کو سب سے اہم مقام حاصل ہے۔ اس کی محض یہ اہمیت نہیں ہے کہ اس کے خاص معاشی فرائض ہیں اور سماجیت اور سماجی کنٹرول کی ایجنسی کے طور پر اس کا نمایاں رول ہے بلکہ اس کو عام ہندوؤں میں بہت ہی مخصوص رسوماتی اہمیت بھی حاصل ہے۔

کلاسیکل ہندومت میں زندگی کے چار مدارج بتائے گئے ہیں:۔

(1) کنوارہ یا تجرد کی زندگی BRAHMCHARYA (2) خاندانی زندگی GRAHAST- ASHRAM (3) تارک سنسار زندگی VANA PRASTHA اور (4) ترک دنیا SANAYAS

پہلی منزل میں احساسات اور خواہشات پر قابو پا کر یکسوئی حاصل کی جاتی ہے تاکہ تحصیل علم کے لیے خود کو وقف کیا جا سکے۔ یہ زندگی کا تعمیری دور ہوتا ہے۔ اور کسی شخص سے یہ امید کی جاتی ہے کہ اس دوران وہ صحیح طریقہ پر سماجی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ دوسری منزل پر وہ زندگی کے دور میں داخل ہو جاتا ہے اور سماجی ذمہ داریوں میں حصہ لینا شروع کرتا ہے سب سے شادی کرتا ہے اور صاحب اولاد ہوتا ہے۔ یہ تخلیقی زمانہ ہوتا ہے اور زندگی کا بیشتر حصہ اسی میں صرف ہوتا ہے۔ آخری دو غور و فکر کی منزلیں ہیں۔ یہ دنیاوی ساز و سامان اور دنیاوی تعلقات کو بالآخر ترک کر دینے کی تیاری کا دور ہوتا ہے۔ اور اس شخص کو چاہئے کہ اپنے میں دنیا سے بے تعلقی کا رجحان پیدا کرے اور خدا کے لیے اپنے آپ کو وقف کرے۔ جب یہ حاصل ہو جائے

تو اس کے لیے ایسا وقت آجاتے گا کہ وہ اپنی تمام ملکیت اور تعلقات سے قطع تعلق کر سکیگا۔ موجودہ دور کے ہندوستانی دیہاتوں میں بہت کم ایسے لوگ ہیں، جو اس سماجی فلسفہ کو جو آشرموں ASHRAMS یا منزل حیات کے طرز عمل کا پس منظر ہے، کو سمجھتے ہوں یا بیان کر سکتے ہوں۔ لیکن اس کا پورا نچوڑ ان تک پشتہا پشت سے زبانی روایات اور مختلف مذہبی کرویوں کی تعلیمات کے ذریعہ پہنچا ہے۔ اور اس طرح ان کے طرز فکر اور افکار و کردار میں جاگزیں ہو چکا ہے۔ ہندوستان کے دیہاتی علاقوں میں لڑکوں کی بے راہ روی سماجی طور پر نامناسب سمجھی جاتی ہے۔ شادی کو عام طور پر فطری اور ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ صرف معذور اور اپاہج ہی غیر شادی شدہ رہتے ہیں۔ گو لوگ بڑھاپے میں اپنے گھر بار سے شاز ہی دست بردار ہوتے ہیں لیکن بوڑھے مرد یا عورت جو دنیاوی ساز و سامان سے بیحد لگاؤ رکھتے ہیں ان پر بڑی لعن طعن ہوتی ہے اور اکثر ان پر جملے کسے جاتے ہیں "کیا مرنے کے بعد یہ لوگ اپنی دولت اس دوسری دنیا کو لے جائیں گے؟" اسی زمانہ میں انھیں مذہب کا خیال آتا ہے اور وہ سوچنے لگتے ہیں کہ آئندہ زندگی میں روح کا کیا حشر ہوگا۔ اسی لیے اس زمانہ میں وہ عام طور پر مقامات مقدسہ کی زیارت کرتے ہیں۔ ایک معنی میں "آشرموں" کے فلسفہ کی اساس یہ بتائی جاتی ہے کہ گاؤں کے ہندوؤں کی زندگی اور خیالات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ گاؤں کے مسلمان اپنے ہندو پڑوسیوں کے ساتھ ان سماجی رجحانات میں شریک ہیں۔ اسلام قبول کرنے کے ساتھ انھوں نے اپنا مذہبی عقیدہ بدل دیا ہے لیکن زندگی کے سماجی اور ثقافتی دائرہ میں وہ اب بھی ہندوؤں ہی جیسے بنیادی رجحانات رکھتے ہیں۔ اپنے گھریلو اخلاقیات اور تصورات میں یہ دونوں گروہ کافی یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

گاؤں کے لوگوں کے لیے شادی اور خاندان دونوں کی ضرورت از خود واضح ہے۔ یہ ضروری ہے کہ خاندان کا سلسلہ آگے چلتا رہے۔ ایک نرینہ وارث ہونا چاہیے۔ ایک غیر شادی شدہ شخص جو عمر کی زیادتی کے باعث شادی کے قابل بھی نہ رہا ہو قابل رحم ہوتا ہے۔ ایسے میاں بیوی جن کے لڑکا نہ ہو خوش نہیں رہتے۔ بے اولاد ہونے اور کسی عورت میں اولاد نرینہ پیدا کرنے کی نااہلی کے باعث گھرانے میں کثیر الازدواجی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ گاؤں کی تمام ذاتوں اور سماجی گروہوں میں شادی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ ۲۴۹۴ افراد کی کیمونٹی میں آبادیاتی سروے سے پتہ چلا کہ صرف دو اشخاص ایسے تھے جو غیر شادی شدہ تھے۔ اور وہ دونوں عورتیں تھیں۔ ان میں سے ایک گونگی بہری اور دوسری مرگی کی بچپن سے مریضہ تھی۔ اس کے علاوہ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ بلاشبہ چور ہے۔ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے لیے خاندان کا سلسلہ جاری رہنا ایک اور وجہ سے بھی ضروری ہے۔

اپنے متوفی والدین اور اجداد کی روحوں کے لیے پانی دینے کی تقریب صرف لڑکا ہی انجام دے سکتا ہے۔ جس کے بغیر ان کی روحوں کو سکون نہیں مل سکتا۔ اچھوت ذاتیں نیز نیم قبائلی گروہوں میں بھی کسی قدر تبدیل کے ساتھ یہ رسم جاری ہے۔ مسلمان نہ تو اس پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ان کے پاس اس قبیل کی کوئی رسم ہے لیکن لاولدی کی صورت میں انھیں احساسات کے ساتھ وہ ہندوؤں کے شریک ہیں۔

خاندانی ڈھانچہ

'پدرتبی' اور 'پدرمقامی' مختصر یہ مشترک خاندان ہی قاعدہ کے مطابق گھرانے کی وہ اکائی ہے جو دیہی ہندوستان کے اس حصہ میں پائی جاتی ہے جب ایک داماد اپنی بیوی کے ماں باپ کے ساتھ رہنے لگتا ہے تو کہیں کبھی کبھی 'مادر مقامی' طرز کی مثالیں ملتی ہیں۔ لیکن ایسا شاذ ہی ہوتا ہے۔ اور زیادہ تر ان چند بیٹیوں اور لڑکوں تک محدود ہے۔ جن کے والدین بڑے غریب ہوتے ہیں اور اس لیے ان کے لڑکے بیوی حاصل کرنے کے لیے لڑکی کے گھر میں بوجہ منسوبیت نوکری کرتے ہیں اور بعد کو خسر کے ساتھ رہنے لگتے ہیں۔ مشترک خاندان کو سماجی روایات کی حمایت حاصل ہوتی ہے

مندرجہ ذیل تختہ ایک مثالی مشترک خاندان کا خاکہ پیش کرتا ہے۔

آبائی والدین اجداد

بھائی اور ان کی بیویاں	خود، بیوی	غیر شادی شدہ بہنیں
بھتیجے اور بھتیجیاں	لڑکے اور ان کی بیویاں	غیر شادی شدہ لڑکیاں

پوتے پوتیاں

کسی ایسے خاندان کی اکائی کا پتہ لگانا واقعی دشوار ہے جہاں ایک ہی چھت کے نیچے پانچ نسلیں مل جل کر رہتی ہوں۔ آندھرا پردیش کے مواضع بالخصوص تلنگانہ میں کسی ایسے خاندان کا ملنا دشوار ہے جس میں وحدانی خاندانوں کی تین نسلیں ایک ہی مکان میں رہتی ہوں۔ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں میں چھوٹے قصبے اور شہروں کے اندر ایسے بڑے مشترک خاندان اب بھی ملتے ہیں لیکن گاؤں میں یہ اکثر دکھائی نہیں دیتے۔ حقیقی طور پر ملک کے اس حصہ میں مشترک خاندان کی نسبتاً چھوٹی اکائیاں ہیں اور بیشتر ان میں والدین، ان کے شادی شدہ لڑکے، ان کی بیویاں اور بچے یا بھائی۔ ان کی بیویاں اور بچے شامل ہوتے ہیں۔ اگرچہ مشترک خاندان کو مثالی خیال کیا جاتا ہے لیکن یہ بات عام ہے کہ لڑکے شادی کے چند ہی سال کے اندر اپنے والدین سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اس علیحدگی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک اور

مختصر خاندان شروع کرتے ہیں جس میں ابتدا میں صرف میاں بیوی ہوتے ہیں۔ جیسے جیسے لڑکوں کی تعداد بڑھتی ہے ابتدائی خاندان وسیع ہوتا جاتا ہے۔ جب لڑکے بڑے ہو جاتے ہیں، شادیاں کر لیتے ہیں اور اپنی بیویوں کے ساتھ والدین کے گھر میں رہتے ہیں تو اس گھر کی اکائی کو پھر ایک مرتبہ مشترک خاندان کے زمرہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں (۱۲۰) خاندانوں کی سوانحی تفصیلات کا مطالعہ کیا گیا۔ (۴۳) فیصد ایسی صورتیں تھیں جن میں شادی سے دو سال کے اندر لڑکوں نے اپنے والدین سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ (۲۶) فیصد شادی سے دو اور تین سال کے اندر الگ ہو گئے تھے۔ شادی سے تین سال بعد مگر پانچ سال کے اندر (۲۰) فی صد نے علیحدگی اختیار کی تھی۔ صرف (۲۲) فی صد لڑکے ایسے تھے جو شادی کے پانچ سال بعد بھی اپنے والدین کے ساتھ رہ رہے تھے۔ چونکہ اکثر شادیاں بالغوں میں ہوتی ہیں اس لیے حقیقی طور پر ازدواجی زندگی شادی کی تقریب مکمل ہونے کے بعد ہی یا زیادہ سے زیادہ اندر بعض شش ماہ شروع ہو جاتی ہے۔ مندرجہ بالا تجزیہ کے لیے حقیقی ازدواجی زندگی کی ابتدا سے شادی کا سال شمار کیا گیا۔

اس کے علاوہ ان کے تاریخی تجزیہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بیشتر صورتوں میں ترقی کا طریقہ یکساں رہا ہے۔ شادی کے بعد ایک سال کے لگ بھگ لڑکا اپنے والدین کے ساتھ رہتا ہے۔ اور اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ رہتی ہے۔ اس دوران گھریلو جھگڑے اور نا اتفاقیاں شروع ہو جاتی ہیں اور وہ علیحدہ ہو جانے کی بابت سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ بعض صورتوں میں ایسا دوسرے سال کے دوران ہوتا ہے اور دیگر صورتوں میں تین تا پانچ سال لگ سکتے ہیں۔ جو لوگ معاملات پانچ سال تک سنبھال سکتے ہیں وہ آرام سے ایک ہی چھت کے نیچے اور بھی زیادہ مدت تک رہتے ہیں۔ بہرحال بعض صورتوں میں علیحدگی دس پندرہ سال ساتھ رہنے کے بعد بھی سنی گئی ہے۔

کوئی نوجوان شادی شدہ اپنے والدین یا بھائیوں سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد بھی عام طور پر اپنے خاندان یا خاندانوں سے قریبی تعلقات باقی رکھتا ہے۔ تاہم چونکہ علیحدگی کی فوری وجہ اکثر جھگڑا یا رائے میں سخت اختلافات ہوتی ہے اس لیے کچھ زمانہ تک علیحدہ ہونے والے خاندانوں میں تعلقات میں کشیدگی برقرار رہتی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں بات چیت بھی نہ رہے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ جھگڑے کی تلخی کم ہوتی جاتی ہے اور اسی لیے بڑے خاندانوں کی مختلف شاخوں میں میل ملاپ پھر پیدا ہو جاتا۔ جب اصل خاندان اور اس کے ملحقہ خاندان میں تعلقات پھر برقرار ہو جاتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کے معاملات اور مسائل میں دلچسپی لینا شروع کرتے ہیں۔ رسومات، دعوتیں اور

اس کے ملحقہ خاندان میں تعلقات پھر برقرار ہو جاتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کے معاملات اور مسائل میں دلچسپی لینا شروع کرتے ہیں۔ رسومات، دعوتیں اور تہوار ان سب کو اکٹھا کر دیتے ہیں۔ خاندان کے ملاپ کے لیے ایسی رسوم جن کا تعلق زندگی کے اہم مراحل سے ہوتا ہے۔ ایسے مواقع پیدا کرتی ہیں۔ خاص طور پر موت کے ساتھ پر پرانے جھگڑے اور غلط فہمیاں عام طور پر بھلا دی جاتی ہیں اور تمام قریبی رشتہ دار آخری رسوم کی ادائی کے لیے جمع ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد جو رسومات ہوتی ہیں ان میں خاندان کی جملہ شاخوں کی موجودگی لازمی سمجھی جاتی۔ اور اس موقع پر کسی کی بھی غیر حاضری کو بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ یہ چیز غیر موجود رہنے والوں میں اور خاندان کے دیگر افراد میں ہمیشہ کے لیے قطع تعلقات کا باعث بن سکتی ہے۔

اس ضمن میں اس طرف اشارہ کیا جانا ضروری ہے کہ کمیونٹی میں 'خاندان' کی اصطلاح کے مترادف ایک تصور پایا جاتا ہے جس میں تین مختلف سماجی اکائیوں کا مفہوم مضمر ہوتا ہے جو کسی حد تک ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ (۱) ابتدائی خاندان یا گھر (۲) توسیع (یافتہ) خاندانی اکائی (۳) اس سے وسیع تر گروہ جس میں پدری قریبی رشتہ دار شامل ہوں۔ مختلف صورتوں میں خاندان کی ساخت مختلف ہوتی ہے۔ بہت سی صورتوں میں اس میں صرف میاں بیوی ان کے لڑکے اور غیر شادی شدہ بیٹیاں شامل ہوتی ہیں۔ دوسری صورتوں میں ایک یا دونوں والدین، غیر شادی شدہ بھائی اور غیر شادی شدہ بہنیں اس میں شامل ہوتے ہیں۔ شادی کے بعد بھائی اور لڑکے اکثر اپنا علیحدہ گھر بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح والدین جو اپنے بیٹے سے دس یا بیس سال پیشتر علیحدہ ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھ پھر رہ سکتے ہیں۔

پدا منشی (PADO MANSHI) یا لغوی معنوں میں بڑا آدمی ایک ایسے خاندان کی مختلف شاخوں کا صدر ہوتا ہے جو 'توسیعی' خاندان یا ملحقہ خاندانوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ نیز وسیع تر معنوں میں خاندان میں اس اصطلاح کے وہ قریبی رشتہ دار شامل ہو سکتے ہیں جو ملحقہ خاندانوں سے ایک درجہ کسی حد تک شمار کیے گئے۔

ذیل کے خاکے میں (صفحہ ملاحظہ) بگیر بیان رشتہ داروں کو بتایا گیا ہے جن کا تعلق ملحقہ خاندانوں سے ہے اور فقط قریبی افراد کو ظاہر کرتے ہیں۔ صرف غیر شادی شدہ لڑکیاں خاندان کی رکن ہوتی ہیں۔ شادی کے بعد وہ اپنے شوہر کے خاندان کی رکن ہو جاتی ہیں۔ ہر ابتدائی خاندان کو کسی وسیع خاندان کا علیحدہ جزو یا ملحقہ خاندانوں کی اکائی سمجھا جاتا ہے۔ اپنی روزمرہ کی زندگی میں ملحقہ خاندانوں کی دوسرے اکائیوں کی گرفت سے حقیقتاً آزاد ہوتا ہے۔ عام طور پر بڑا شخص صرف رسومات اور تقریبات کے موقع پر ہی ملحقہ خاندانوں کے اندرونی معاملات کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے اور یہ امید کی جاتی ہے کہ اس کی کوئی شاخ اس وقت تک کوئی اہم فیصلہ نہیں کرے گی جب تک ملحقہ خاندانوں کے سن رسیدہ اراکین سے مشورہ نہ کر لیا گیا ہو۔

ملحقہ خاندان اور نزدیکی قرابت دار
پدری رشتہ دار
دادا کے بھائی
دادا کی بہنیں
چچیرے بھائی بہن
باپ کے بھائی
باپ کی بہنیں
پھوپھیرے بھائی بہن
چچیرے بھائی بہن
بھائی
چچیرے بھائی بہن کی اولاد
بھتیجے بھتیجیاں
بھتیجوں کی اولاد
بھتیجیوں کی اولاد
دادا دادی
باپ ماں
خود بیوی
بہنیں
بیٹے
بیٹیاں
پوتے پوتیاں
نانا نانی
ماں کے بھائی
ماں کی بہنیں
چچیرے بھائی بہن
بھتیجے بھتیجیاں
پوتے پوتیاں
مادری رشتہ دار
نانا کے بھائی
نانا کی بہنیں
ماں کے چچیرے بھائی بہن
ممیرے بھائی بہن
چچیرے بھائی بہن کی اولاد
چچیرے بھائی بہن کی اولاد
بھتیجوں کی اولاد
بھتیجیوں کی اولاد

زمین کی خرید و فروخت، عدالتی کاروائی شروع کرنا، مہاجنوں سے کوئی بڑا قرض حاصل کرنا، گاؤں کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہنا اور کسی دوسرے مقام پر جا بسنا اور سماجی مذہبی تقاریب کی ساعت اور تاریخ مقرر کرنا وہ باتیں ہیں جن میں ملحقہ خاندانوں کے اہم اراکین سے قبل از وقت مشورہ لینا ضروری سمجھا جاتا ہے بہرصورت 'پداشسی' یا بڑے آدمی یعنی ملحقہ خاندانوں کے صدر کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اکثر اس کی اجازت اور دعائیں حاصل کرنا دشوار نہیں ہوتا لیکن جو لوگ اسے نظر انداز کر دیتے ہیں بلاشبہ ان پر سماجی تنقید کی جاتی ہے۔ اگر بڑے بزرگ نوجوان افراد کو بہت گستاخ پاتے ہیں تو وہ اپنی باتوں میں اس پر اپنی بے اطمینانی اور ناراضگی کا اظہار گاؤں کے دوسرے لوگوں سے کرتے ہیں۔ اپنے خاندان کی کسی شاخ کی سماجی مذہبی رسومات میں ان کا شرکت سے انکار گاؤں میں، تقرری کی سختی کر دے گا۔ اور سماج کے لوگوں کی نکتہ چینیاں عام طور پر ان نوجوان افراد کے خلاف ہوں گی جنھوں نے بڑوں کو نظر انداز کیا۔ اگر کسی شاخ کے معاملات خراب ہوں تو ملحقہ خاندانوں کے بڑے بزرگوں سے مداخلت کی توقع کی جاتی ہے۔ کسی ایک شاخ کی بدنامی یا ناز یبا حرکت سے اس کا امکان ہے کہ تمام ملحقہ خاندانوں کا نام خراب ہو جائے۔ اس لیے سماجی روایت بڑوں پر یہ ذمہ داری عائد کرتی ہے کہ وہ خطاکار افراد کو صلاح و مشورہ دیں، تنبیہ کریں۔ کوئی نوجوان شخص جو بہت خراب ہو چکا ہے، جوا کھیلتا ہے یا اسی قسم کی دوسری برائیوں میں پڑ گیا ہے تو وسیع خاندان کے بزرگ اس کی تنبیہ کرتے ہیں۔ اگر وہ اپنی بیوی کو قابو میں نہیں رکھ سکتا یا ان دونوں کی لڑائیاں اکثر اور کھلے عام ہونے لگیں تو پڑوسی اس کی اطلاع تو بسیع خاندان کے بڑوں کو دیتے ہیں اور ان سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنا اثر کام میں لائیں گے اور معاملہ درست ہو جائے گا۔ ان تمام صورتوں میں ان کی مداخلت اپنی حدود میں ہوگی۔ اور وہ اس کا مطالبہ کر سکتے ہیں کہ ان کا مشورہ سنا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔

کسی خاندانی اکائی میں مردوں میں جو سب سے معمر ہوتا ہے وہی عام طور پر صدر مانا جاتا ہے۔ اس کی بیوی یا اس کے بعد عمر میں بڑے مرد کو دوسرا درجہ ملتا ہے۔ ہر فرد ما جبرو ہر بیٹا اختیاری بیوی ماں کو صدر خاندان شمار کرتا ہے تاہم بہت سی صورتوں میں صدر خاندان حقیقتاً وہ بیٹا ہوتا ہے جس کی رہنمائی اور نگرانی میں زمین کی کاشت کی جاتی ہے۔ یا خاندانی صرف یا پیشہ چلایا جاتا ہے۔ والدین اس کے بچپن اور سن شعور کو پہنچنے تک معاملات اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں لیکن جیسے جیسے بڑھاپا آتا ہے وہ کاروبار سے الگ ہوتے جاتے ہیں۔ عام حالات میں وہ خاندان کے صدر رہتے ہیں لیکن ان کے لڑکوں کو خاندانی جائداد اور پیشے کے انتظام میں تھوڑا بہت چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ جیسا چاہیں

کریں۔ جب تک باپ خاندان کا حقیقی صدر رہتا ہے گھر کے اندرونی معاملات ماں کے سپرد رہتے ہیں۔ بیٹے اس کی اطاعت کرتے ہیں اور بہویں اس کی ہدایات پر عمل کرتی ہیں۔ بہو اپنی ساس کی کسی خواہش کو پورا کرنے میں کوتاہی یا ناپسندیدگی کا اظہار کرے تو نتیجہ میں ہمیشہ جھگڑے اور الجھاؤ پیدا ہوتے رہیں گے اور بہت سی صورتوں میں نوبت بالآخر علیحدگی تک پہنچ جائے گی۔ عام قاعدہ کے مطابق بیٹے اور بیٹیوں کے درمیان ترجیح اول الذکر کو دی جاتی ہے لیکن اگر بہنیں عمر میں زیادہ بڑی ہیں تو ان کے چھوٹے بھائیوں سے امید رکھی جاتی ہے کہ وہ ان کی عزت کریں گے اور بات مانیں گے۔

شامیر پیٹھ کی دیہی کمیونٹی میں جہاں ذات اور درجہ کے کافی اختلافات ہیں اور تعلیم اور شہری روابط میں بھی کافی فرق ہے۔ اس بات کی امید فطری ہو جاتی ہے کہ خاندانی تصورات اور مختلف گروہوں کی اخلاقیات میں، افکار اور تصورات میں آبادی کے مختلف طبقات میں بڑی مشابہت پائی جاتی ہے لیکن خاص سماجی حالات میں ان کے رجحانات اور ردعمل میں مختلف سطحوں پر قابل لحاظ تضاد پایا جاتا ہے۔

اس قسم کے تقابل کے لیے گاؤں کی آبادی کو وسیع معنوں میں تین طبقات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے کہ۔

(۱) اوپری طبقہ: اس طبقہ میں حسب ذیل شامل ہوں گے:۔ دوبارہ جنم لینے والے برہمن اور کومٹی۔ متمول ریڈی اور مسلمان۔ اور وہ لوگ جو شہر سے روابط رکھتے ہیں یا جن کی تعلیم شہر میں ہوئی۔

(۲) درمیانی طبقہ: تمام معمولی کاشتکار۔ نیز اس گروہ میں اعلیٰ پیشہ ور ذاتیں اور مسلم تجارتی کاروبار کرنے والے شامل ہیں۔ اور یہ گاؤں کا سب سے بڑا طبقہ ہے۔

(۳) نچلا طبقہ: آبادی کے تمام غریب لوگ مثلاً اچھوت مالا اور مدیگا نیم قبائلی وڈے اور کلاہ نیز غریب مسلمان کو بھی اس طبقہ میں رکھا جاسکتا ہے اپنے شہری تعلقات اور تعلیم کے باعث نیز اپنے مذہب کی مناسبت سے اعلیٰ سطح کے لوگ بہت باعزت شمار کیے جاتے ہیں اور اعلیٰ سطح پر بلند اور معیاری برتاؤ کے حامل ہوتے ہیں۔ دیگر دو طبقات کی آبادی جو ان ہی معیارات کو پیش نظر رکھتی ہے قریبی طور پر اعلیٰ سطح کے مثالی نمونوں سے مشابہ ہے۔

یہ تینوں طبقات اس کو کام، تعاون اور مفاہمت کو خاندان کے لیے ایسے ضروری اوصاف میں شمار کرتے ہیں جسے پوری کمیونٹی کے لیے مثال خیال کیا جاسکے۔ مثالی خاندان کو "کل کے لیے ایک اور ایک کے لیے کل" کے اصول پر کام کرنا چاہیے۔ خاندان کے مختلف اراکین کو چاہیے کہ وہ ایک منظم

جماعت کی طرح کام کریں اور آپس میں باہمی اعتماد اور سمجھوتہ رکھیں۔ رواداری، دوستی نیز لین دین کا احساس خاندان کی بھلائی اور خوشحالی کے لیے اس کے اراکین میں ہونا ضروری ہے۔ دوسری جانب نااتفاقیاں، جھگڑے اور منافرت کا فقدان خاندان کے زوال کا باعث بن جاتے ہیں۔

تینوں طبقوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ خاندان کے ڈھانچہ کی بنیاد چار اصولوں پر ہوتی ہے۔ جو حسب ذیل ہیں :۔

(1) سن رسیدگی کا احترام۔

(2) رشتہ داروں کے مراتب کا احترام

(3) ذکور کی برتری

(4) چند خاندانی امور کا خاندان کے ذمہ دار افراد تک محدود رکھنا یا زیادہ سے زیادہ اندرونِ خاندان ہی رکھنا۔

اس کے علاوہ تینوں طبقوں میں باہمی سمجھوتہ کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے کیوں کہ خاندان میں صحیح تعلقات کی برقراری کا یہ ایک اہم ذریعہ ہے۔ خاندانی دشواریوں پر قابو پانے کے لیے افہام و تفہیم کو سب سے بہتر سمجھا جاتا ہے اور اس کے بعد بہتر چیز بروقت جائداد کی تقسیم اور علیحدگی ہے۔

اعلیٰ طبقہ والے اشخاص نہ صرف اس طریقہ کار پر یقین رکھتے ہیں بلکہ وہ واقعی شعوری طور پر اس کے حصول کے لیے مکمل کوشش کرتے ہیں۔ ایک برہمن اگر وہ ان شریفانہ اطوار کو چھوڑ کر نچلے طبقے کے لوگوں کی جانوروں جیسی خصلتوں کی تقلید کرے تو کمیونٹی میں وہ اپنی عزت کھو بیٹھے گا کوشی۔ تجار اور مہاجنوں کی خوشحالی صرف اس وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب تک پورا خاندان اس کے لیے مل کر کوشش کرے۔ متمول کاشتکاروں کا خاندان ایک جماعت کی طرح محنت کرکے اپنے مالی موقف میں مزید اضافہ کر سکتا ہے۔ اس کا اطلاق ہندو اور مسلم زراعت پیشہ دونوں پر یکساں ہوتا ہے۔ شہری روابط رکھنے والے اور تعلیم یافتہ اشخاص بھی مزید ترقی کی خواہش رکھتے ہیں اور اس کے لیے خاندان کے اندر استحکام، باہمی تعاون اور مفاہمت لازمی ہے۔ یہاں خاندان کے مختلف افراد کے ساتھ بلحاظ ان کی عمر اور رشتہ دارانہ حیثیت صحیح قسم کے سلوک پر زور دیا جاتا ہے۔ اختلافات کو معیاری طریقوں سے ظاہر کرنا چاہیے۔ بڑوں کے متعلق یا ان سے مخاطبت میں گالی یا فحش کلامی سے کام لینا نہیں چاہیے۔ ان کے ساتھ کسی قسم کا جسمانی تشدد بعید از قیاس ہے۔ اور یہ چیز خاندان کے دوسرے اراکین میں بڑی ناپسندیدگی کا باعث ہوتی ہے۔ اس طبقہ کی عورتوں

کو عام طور پر گھر کے اندر رکھا جاتا ہے۔ مسلمانوں میں عورتیں سخت پردہ کرتی ہیں۔ ہندوؤں میں بلحاظ دستار ان کے لیے یہ مناسب نہیں سمجھا جاتا کہ باہر جا کر کام کریں اس طرح وہ زیادہ گھروں ہی تک محدود رہتی ہیں۔ وہ گھر کی زینت بھی جاتی ہیں تاہم سماج میں ذکور کی برتری مسلم بھی جاتی ہے۔ اس طبقہ میں خاندانی راز کی باتیں دھیمے لہجہ میں کی جاتی ہیں اور ان کے افشاء کو روکنے کے لیے تمام ممکنہ تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ اگر میاں بیوی جھگڑا کریں تو ان کے غصہ کی آوازیں گھر کے باہر نہیں سنی جانی چاہئیں۔ اگر شوہر بیوی کو پیٹنا شروع کرے تو اس کے رونے کی آواز اتنی تیز نہیں ہونی چاہیے کہ محلہ پڑوس متوجہ ہو جائیں۔ افراد خاندان کی چوری چھپی محبت کی داستانیں اور سازشیں اگر روکی نہ بھی جاسکیں تو کم از کم ان کو پوشیدہ رکھنا چاہیے۔ اور ایسی روک تھام کی کوشش ہونی چاہیے کہ وہ کھلی بدنامی کا باعث نہ بن جائیں۔ ایسے خاندانوں میں خاندان کے بڑے بزرگوں کی مداخلت اور ثالثی جھگڑوں کی تصفیہ میں اکثر موثر ثابت ہوتے ہیں۔ اگر غلط فہمیاں اور اس کے نتیجہ میں دشواریاں ناقابل حل معلوم ہوں تو جائداد کی خوش اسلوبی سے تقسیم کردی جاتی ہے اور ایسے افراد جو الگ ہونا چاہتے ہیں ان کو علیحدگی کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ یہ سب منظم طریقہ پر کیا جاتا ہے اور اس بات کی ممکنہ کوشش کی جاتی ہے کہ خاندانی اختلافات افواہ کا موضوع نہ بن جائیں۔

جب ہم درمیانی طبقے کے حقیقی کردار پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے معیارات بڑی حد تک متوسط ہوتے ہیں۔ استحکام کی اہمیت سمجھی جاتی ہے لیکن خاندان کے لیے رعایت اور شخصی قربانی کی خواہش لوگوں میں اس قدر قوی نہیں ہے کہ یہ واقعی طور پر موثر ہو سکے۔ سن کا کچھ لحاظ کیا جاتا ہے لیکن غصہ کی حالت میں بدزبانی کی بوچھاڑ والدین اور چچا وغیرہ پر بھی ہو سکتی ہے غصہ پر قابو نہ پایا جائے تو ان کے اوپر تھوکا بھی جاسکتا ہے۔ یا ان پر خاک پھینکی جا سکتی ہے (جو ان کے لیے تدفین کی نشانی ہے اور بالواسطہ ان کی موت کی تمنا) یا ان پر ہاتھ بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔ بعد کو ایسی ناشائستہ حرکت کے لیے معافی ضرور مانگی جائیگی لیکن ایسا بے حس خطاکار ذرا سے اکسانے پر یہی حرکت پھر کر سکتا ہے۔ اس قسم کا چلن چند افراد تک محدود رہتا ہے اور سماجی طور پر اس پر نکتہ چینی کی جاتی ہے لیکن اسے گوارا بھی کر لیا جاتا ہے۔ ان صورتوں میں بھی ذکور کی برتری پر زور دیا جاتا ہے لیکن عورت بھی کام پر جاتی ہے اور تعظیم کی زنجیروں میں بندھی نہیں رہ جاتی۔ اگر اس کا شوہر کسی غیر لوگوں کے سامنے پیٹنا شروع کرے تو وہ سر تسلیم خم نہیں کرے گی بلکہ بعض وقت وہ بھی اسے تھپڑ مار دے گی۔ نیز وہ اپنی ناراضگی اور مصیبت کا اظہار اپنے والدین کے گھر بھاگ کر کرے گی۔

اکثر صورتوں میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ خاندانی راز پنہاں رکھے جائیں لیکن جب غصہ چڑھ جاتا ہے تو باپ بیٹا یا دو بھائی ، لیکن زیادہ تر ساس اور بہو بیٹی اس میں کھلے بندوں صحن میں یا گاؤں کی گلیوں میں لڑتے ہیں اور جب دل کھول کر طرفین میں گالیوں کی بوچھار ہوتی ہے تو ان کی بلند آوازوں میں رازہائے پنہاں کا اعلان ہو جاتا ہے ۔ خاندانی اختلافات میں خیالی طور پر اور کبھی کبھی کھلے بندوں رنجشیں ہوتی ہیں لیکن جائداد کی تقسیم اور علیحدگی مکمل ہو جانے کے بعد بھی آپس کے لعن طعن اور سخت الفاظ کی لے دے اکثر صورتوں میں کئی مہینوں تک چلتی رہتی ہے ۔

نچلے طبقہ میں معیارات اتنے کم ہوتے ہیں کہ حقیقت میں ان کا پتہ لگانا دشوار ہو جاتا ہے ۔ اس طبقہ میں جائداد کی تقسیم اور علیحدگی اس قدر عام ہوتی ہے کہ خاندانی استحکام کا تصور کم ہوتے ہوتے فی الحقیقت بے معنی ہو جاتا ہے ۔ رسومات کے مواقع پر سن و سال کے لحاظ سے یا رشتہ داری کے مراتب کے اعتبار سے لوگوں کی عزت کی جاتی ہے لیکن روزمرہ کی زندگی میں ان امور کا لحاظ قطعاً نظر انداز کیا جا سکتا ہے ۔ اگرچہ اصولاً عورت کا درجہ کمتر ہے لیکن اس طبقہ میں اسے بہت آزادی حاصل ہے ۔ وہ مزدوری پر کام کر سکتی ہے اور اسے نقل و حرکت کی آزادی ہوتی ہے ۔ اس کی جنسی کوتاہیوں کو زیادہ سختی سے نہیں دیکھا جاتا ۔ اگر شوہر اسے مارے تو وہ بھی شوہر کو مار سکتی ہے ۔ اگر شوہر اسے زور سے گالیاں دے تو وہ اس سے بھی زیادہ زور سے چیخ سکتی ہے ۔ وہ اپنے شوہر کو چھوڑ سکتی اور سماجی بدنامی کے بغیر دوسرا شوہر نسبتاً باآسانی تلاش کر سکتی ہے ۔ اعلیٰ طبقہ کے لوگوں میں ایسی صورت واقع ہو تو ان کی حیثیت گر جائے گی اور درمیانی طبقہ والوں میں اس پر بری طرح نکتہ چینیاں ہوں گی ۔ خاندانی رازوں کو خود خاندان والے اپنی لڑائیوں میں افشا کر دیتے ہیں ، سمجھوتہ ، مداخلت اور ثالثی سے ہو تو جاتا ہے لیکن چند دن بعد اسے نسبتاً آسانی سے نظر انداز بھی کیا جا سکتا ہے ۔

غالباً اس اظہار کی ضرورت نہیں کہ مندرجہ بالا تینوں طبقے نہ تو معین ہیں اور نہ کلیتہً علیحدہ ۔ جدید تعلیم اور رسل و رسائل کے جدید ذرائع ـــ بالخصوص سینما ـــ سے اعلیٰ طبقے کے نوجوانوں میں اکثر انفرادی خود پسندی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جو خاندانی استحکام کے بجائے اس کے انتشار کا باعث بن جاتے ہیں ۔ تنظیم ، شہری روابط ، دیہاتی طریقوں سے بیزاری اور سماجی [illegible] معیار کے مطابق زیادہ عزت حاصل کرنے کی تمنا بعض صورتوں میں نچلے طبقے والے خاندانوں میں بھی اسی سمت میں تغیر پذیری کے محرک بن جاتے ہیں ۔

(٢) خاندان میں بین شخصی تعلقات

میاں بیوی:۔ سماج کی روایتی قدروں کے مطابق شوہر کو ایک ایسا مقتدر متنفس ہونا چاہئے جو گھریلو معاملات پر حاوی رہ سکے۔ گھر کا صدر ہونے کی حیثیت سے اسے بیوی بچوں سے اپنی عزت اور فرمانبرداری کا متقاضی ہونا چاہئے۔ بیوی کو اسے اپنا آقا سمجھنا چاہئے۔ اور فرمانبرداری سے اس کی خدمت کرنی چاہئے۔ یہ شوہر کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنے زیر پرورش افراد کی ضروریات کے لیے معقول انتظام کرے اور بیوی کا فرض ہوتا ہے کہ وہ گھر کو کفایت اور خوبی سے چلائے۔ ایک مثالی گھر میں شوہر ہر قسم کے بڑے فیصلے اپنی بیوی اور بڑے لڑکوں کی مشاورت سے کرتا ہے۔ مگر خاندان سے متعلق تمام معاملات کا آخری تصفیہ شوہر کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ شوہر کو اپنی بیوی کے کام اور اس کے چلن پر نظر رکھنی چاہئے اور بچوں کی مناسب پرورش کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے۔ بیوی کو اپنے شوہر کی خدمت وفاداری اور لگن سے کرنی چاہئے۔ شوہر کا درجہ برتر ہے اور بیوی اس کی ماتحت ہے اس کو برتر ماننے کی علامت کے طور پر بیوی شوہر کی عزت اس کا پاؤں چھو کر کرتی ہے۔ وہ شوہر کے کپڑے دھوتی ہے اور اس کی تھالی کا بچا کھالیتی ہے شوہر ایسا نہیں کرسکتا۔ جب بیوی غلطی کرتی ہے تو شوہر اسے ڈانٹتا ہے۔ نیز گالی بھی دے سکتا ہے۔ اور مار بھی سکتا ہے۔ تاہم ایک اچھی بیوی سے یہ امید نہیں کی جاتی کہ وہ اس کو الٹا جواب دے گی۔ شوہر کی غلطی بھی ہو تو اسے اپنی قسمت تحمل اور فرمانبرداری سے مان لینی چاہئے۔ جب شوہر مر جاتا ہے تو اس تہذیبی طرز کی آئینہ داری بیوی کے رونے سے ہوتی ہے۔ جب وہ یہ بین کرتی ہے:

"میرا آقا کہاں ہے؟ میرا مالک کہاں ہے؟ اب میری کون کفالت کرے گا؟ وہ ڈھال جو میری حفاظت کرتی تھی چلی گئی" اب میں بالکل بے سہارا ہوں!

اسی کو آئیڈیل سمجھا جاتا ہے۔ گاؤں میں ہر شخص زن و شوہر کے مجوزہ تعلقات کو تقریباً ان ہی الفاظ میں بیان کرے گا۔ لیکن حقیقت کچھ اور ہی ظاہر کرتی ہے اور خاندان کے حقیقی حالات کا قریب سے مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوگا کہ یہ نمونے کم و بیش سماجی افسانے ہیں۔ شوہر بلاشبہ برتر درجہ رکھتا ہے اور بہت سے خاندانوں میں اس کا رتبہ اونچا رہتا ہے لیکن حقیقی طور پر وہ کہیں بھی پوری طرح حاکم مقتدر اور بزرگ خاندان کی حیثیت نہیں رکھتا اس کے علاوہ زندگی کی ایک منزل سے دوسری منزل میں داخل ہونے کے ساتھ ہی زن و شوہر کے بین شخصی تعلقات کی نوعیت بدل جاتی ہے

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جوڑوں کی ازدواجی زندگی والدین کے سامنے میں شروع ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں کم از کم پہلے چند مہینوں تک یہ فرض کیا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی طرف خاص توجہ کرینگے۔ مرد اپنے باپ یا بڑے بھائی کی ہدایت کے مطابق کام کرتا رہتا ہے اور عورت اپنی ساس کے احکام بجالاتی ہے۔ دن میں ان کے لیے بمشکل ملنے اور باتیں کرنے کا موقع ہاتھ آتا ہے اور تاریکی کے پردے میں وہ ملتے ہیں — ممکن ہو تو علیحدہ کمرہ میں — تو والدین کے کمرہ کا قرب انھیں یہ آزادی نہیں دیتا کہ وہ زور سے محبت کی باتیں کریں۔ ضرورتاً ان کی باتیں کانا پھوسی میں ہوتی ہیں۔ تہذیبی اطوار کا یہ تقاضہ ہے کہ کئی راتوں تک بیوی اپنے شوہر کی ابتدائی دست درازیوں کی مزاحمت کرے۔ وہ جنسی معاملات کے متعلق سے اکثر بالکل ناواقفیت کا حیلہ کرتی ہے اور جب شوہر قریب آتا ہے تو خوف اور بیزاری ظاہر کرتی۔ دو تین ہفتہ بعد بیوی زیادہ تعاون کرنے لگتی ہے۔ بعد کے کئی مہینوں تک ان کی زندگی میں جنسیت کا غلبہ رہتا ہے۔ ان میں اتفاقیہ گفتگوئیں ہو جاتی ہیں لیکن پہلے مہینوں میں گھریلو معاملات ان میں خارج از بحث رہتے ہیں۔ شوہر عام طور پر اس سے گاؤں کی اور اپنے اعزہ کی باتیں کرتا ہے اور وہ اس سے شہر سے متعلق اپنے تجربات بیان کرتا ہے۔ لڑکی اس سے گاؤں میں اپنے بچپن کی سہیلیوں اور رشتہ داروں کی باتیں کرتی ہے۔ اس زمانہ میں اگر اس کی ساس اسے ستاتی بھی ہو تو وہ اپنی بے آرامی اور مشکلات کی شکایت اپنے شوہر سے نہیں کرے گی طریق زندگی کے وہ مخصوص طرز جو ایک لڑکی غیر شعوری طریقہ پر بڑی عمر والی عورتوں کی گفتگو سے اخذ کرتی ہے یا دانستہ طور پر ماں کی ہدایت سے حاصل کرتی ہے وہ یہ ہیں کہ جب تک تمہارا شوہر پوری طرح تمہارے زیر اثر نہ ہو اس کو اس کی ماں سے علیحدہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ جب تمہاری گرفت اس پر مضبوط ہو جائے تو اسے جیسی چاہو رکھو لیکن تمہاری طرف سے کوئی بے وقت کی کوشش اس کے دل میں تمہاری بابت شکوک پیدا کر دے گی۔ چنانچہ جب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ شوہر پر اس کا اثر نسبتاً زیادہ ہو چکا ہے تو وہ اس برے سلوک کا جو اس کی ساس اور دوسری رشتہ دار عورتیں اس سے کرتی ہیں، اپنے شوہر سے شکایت کرنی شروع کر دیتی ہے۔ اب شوہر ایک مخمصہ میں پھنس جاتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ایسا شخص جو اپنی بیوی کی بہت سنتا ہے سماجی حقارت و تمسخر کا نشانہ بن جاتا ہے۔ اب اگر وہ اپنی بیوی کی طرف داری شروع کرے تو اس کے بزرگوں کا خیال عام طور پر اس کے خلاف ہو جائے گا اور خود اس کے ہم عمر لوگ بھی اس کی زن مریدی کے قصے جو زیادہ تر خیالی اور مضحکہ خیز ہوں گے پھیلانا شروع کرینگے۔ دوسری جانب وہ اس بات کو

محسوس کرتا ہے کہ کسی ایک نہج پر ہر شخص کو طرف داری کرنی پڑتی ہے۔ اور اس کے عیب جو خود بھی
اپنی زندگی کے کسی موڑ پر ایسا کر چکے ہیں ساس کی حیثیت واقعی دشواریوں میں گھر جاتی ہے جب اس کے
اوپر دونوں جانب سے بیک وقت دباؤ پڑتا ہے۔ جب ماں اس سے اس کی بیوی کی شکایت کرتی ہے
اور بیوی اس کی ماں کی ـــ بیشتر بیٹے ان شکایات، اور الزامات کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور کسی
کی بھی طرف داری سے انکار کرتے ہیں۔ دوسری صورت میں وہ ماں کی طرف داری کرتے ہیں یا کم از
کم ایسا کرنا ظاہر کرتے ہیں۔ ماں کے اطمینان کے لیے بیٹا بیوی کو ایک دو بار ڈانٹے گا۔ اگر بیوی نے
اس کو برا سمجھا تو رات کی ملاقات میں وہ اس سے بات کرنے سے گریز کرے گی۔ شوہر کو پھر اسے منانے
کی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اکثر وہ اس سے یہی کہتا ہے کہ جو کچھ اس نے کہا اسے برا نہیں ماننا چاہئے
کیوں کہ اس کا مطلب یہ نہیں تھا یا بعض وقت وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ صرف ماں کی تسلی کے لیے دکھانے
کی ڈانٹ تھی۔ اس وقت بیوی کو یہ موقع ملتا ہے کہ ساس اور دوسری مکار رشتہ دار عورتوں
کی برائیوں کے باعث اسے جو گھر میں مصیبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ ان سب کو ایک ایک کر کے
بیان کرے۔ ایک مشترک خاندان میں ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں لیکن بہت سی صورتوں میں چند سال
بعد میاں بیوی اپنا ایک علیحدہ گھر بسانے کے لیے اصل خاندان سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

ایک علیحدہ گھر بسا لینے کے بعد میاں بیوی کے فطری ذہن میں نمایاں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اب اپنے معاملات
چلانے کی ان دونوں کو پوری آزادی ہوتی ہے۔ بلاشبہ اس صورت میں شوہر کو کسی کی زیر نگرانی کام نہیں
کرنا پڑتا لیکن مشترک خاندان کے تحت جو تحفظ حاصل ہوتا ہے اب وہ باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح بیوی
کو ساس کی ماتحتی نہیں کرنی پڑتی۔ اس کے باوجود اسے گھر چلانے کے متعلق سارا کام کرنا پڑتا ہے۔
شوہر اب گھر کا اصل صدر ہوتا ہے۔ اس لیے اسے خاندان کی پرورش کا انتظام کرنے کے لیے سخت محنت
کرنی پڑتی ہے۔ خاندان کی روزی کا بڑا حصہ اس کی کوششوں سے حاصل ہوتا ہے۔ البتہ بعض
صورتوں میں بیوی بھی اس کی مدد کرتی ہے۔ بہت سے خاندانوں میں گھر کی کمائی کا تھوڑا حصہ
بیوی بھی لاتی ہے۔ لیکن عورت کا بڑا کام گھر کو چلانا اور کفایت سے خانہ داری کا انتظام کرنا ہے
اسے کسی حد تک مکان کو صاف ستھرا رکھنا چاہئے۔ لڑکوں کی اور مویشیوں کی اچھی داشت ہونی
چاہئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مقررہ وقت پر افراد خاندان کے لیے کھانے کا انتظام ہونا چاہئے۔
عام طور پر عورت باہر کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتی۔ ایسے معاملات جو خانہ داری کے
انتظام سے غیر متعلق ہوتے ہیں، شوہر کی ذمہ داری سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح شوہر سے بھی

یہ امید نہیں کی جاتی کہ وہ گھر کے چلانے میں بہت زیادہ مداخلت کرے گا۔ پھر بھی ان دونوں صورتوں کے لیے اہم فیصلے باہمی مشوروں کے بعد ہی کیے جاتے ہیں۔ تحقیق شدہ واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بہت سی صورتوں میں معاملات پر قابو رکھنے والی بیوی باہر کے انتظامات میں بھی موثر طریقے پر مداخلت کرتی ہے اور تھوڑی سی مدت میں شوہر کو یہ تجربہ ہو جاتا ہے کہ نہ صرف اس کا مشورہ لینا بلکہ اس پر اعتماد کرنا بھی مناسب ہوگا۔ دوسری طرف ایسی مثالوں کی بھی کمی نہیں ہے جن میں بیوی گھر کے فرائض میں متواتر غفلت برتنے کے باعث شوہر کی سخت سست باتیں سنتی ہے اور اسے خانہ داری کے معاملات بھی شوہر کی تفصیلی ہدایات کے مطابق انجام دینے پڑتے ہیں۔ بچوں کی پرورش اور ان کی تعلیم بنیادی طور پر ماں کی ذمہ داری ہے لیکن باپ سے بھی امید کی جاتی ہے کہ وہ اس کے لیے اپنا کچھ وقت دے گا اور اس سمت توجہ کرے گا

میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کی مشغولیات پر نظر رکھتے ہیں۔ بد احتیاطی اور بے جا اسراف، بے انتہا شراب خوری، جوے بازی اور شوہر کی بیوی کی طرف بے توجہی برتتے ہوئے زائد از دواجی جنسی سازشیں۔ بیوی ان سب باتوں کو باریک نظروں سے دیکھتی ہے اور نکتہ چینی کرتی ہے۔ اگر نرم اشارے کارگر ثابت نہ ہوں تو وہ لعن طعن اور دھمکیاں دینا شروع کرتی ہے۔ بیوی کے حربوں میں سب سے زیادہ زود استعمال اور کارگر حربہ اس کی یہ دھمکی ہے کہ وہ اپنے والدین کے گھر بھاگ جائے گی۔ وہ اکثر اپنے غصہ اور ناراضگی کا اظہار بچوں اور امور خانہ داری کی طرف بے توجہی سے کرتی ہے۔ اگر اس کے بعد بھی اس کی مرضی کے مطابق بات نہیں سدھرتی تو وہ کھلے بندوں اعتراض کرنا شروع کرتی ہے۔ جو اکثر بڑے جھگڑے اور بحث و تکرار کے بعد ہی ختم ہوتے ہیں۔ دوسری جانب معمولی قسم کے لوگوں میں یہ عام طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ عورت فطری طور پر بے وفا ہوتی ہے اور خاص استثنائی صورتوں کو قبول کرتے ہوئے بھی یہ لوگ اسی بات پر زور دیتے ہیں کہ شوہر کو اور خاندان کے دیگر ذمہ دار افراد کو اس پر گہری نظر رکھنی ضروری ہے۔ عورت کی طرف شبہ خاص کر دو باتوں کے متعلق کیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ ممکن ہے کہ وہ کسی عاشق سے ناجائز تعلقات رکھتی ہو اور یہ کہ وہ چوری سے پیسہ اور غلہ اپنے میکے والوں کے پاس بھیجتی ہو۔ اگر شوہر کو اپنی بیوی پر شبہ ہوتا ہے تو وہ اشارۃً ظاہر کرتا ہے اور مبہم الفاظ میں دھمکیاں دیتا ہے۔ بعد کے واقعات اگر اس کے شبہ کی تصدیق کر دیتے ہیں تو وہ سخت احتجاج کرتا ہے اور خوفناک قسم کی دھمکیاں دیتا ہے۔ اور بتانے کے لیے کہ اگر وہ اپنا رویہ نہیں

بدلے گی تو آیندہ کیا ہو گا۔ وہ اپنی بیوی کو مارتا بھی ہے۔ اگر اس کے بعد بھی تبدیلی نہ ہو تو آیندہ کے نتائج واقعی نہایت پیچیدہ ہو جاتے ہیں۔ بہر حال اس کا زیادہ تر انحصار شوہر کی شخصیت اور اس کے مزاج پر ہے۔ کچھ شوہر کھلی بدنامی سے بچنے کے لیے اپنی بیویوں کی اتفاقیہ فروگذاشت کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ دوسرے اس قدر بدظن ہوتے ہیں کہ ان کی بیویاں اپنے اطوار درست بھی کر لیتی ہیں پھر بھی وہ اس قسم کے واقعہ کو نہیں بھولتے اور طعنہ دیتے ہیں۔

مشترک خاندان میں بہو کو اس وقت تک کسی قسم کی آزادی نہیں ہوتی جب تک کہ وہ دو یا تین بچوں کی ماں نہ بن جائے۔ اس وقت تک وہ اپنے شوہر سے بات کرتے نہیں دکھائی دینی چاہیے۔ پیار دکھانے کی کوشش، مسکرانا یا ایک محبت بھری نظر ڈالنا۔ یہ باتیں نکتہ چینی کے لیے کافی ہیں اور اس جوڑے کے لیے "بے شرمی" کا کلنک لگا سکتی ہیں۔ ایسے خاندانوں میں شوہر ماں اور بیوی دونوں کی شکایات سن لیتا ہے مگر ان کے درمیان تعلقات کی مفاہمت ان ہی پر چھوڑ دیتا ہے۔

سابقہ حصہ میں گاؤں کی آبادی کے تین طبقوں میں خاندانی تنظیم کی اخلاقیات اور تصورات پر بحث کی جا چکی ہے۔ ان تینوں طبقوں میں شوہر کے اقتدار اور بیوی کی تربیت تسلیم و رضا مثالی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن صرف اعلیٰ طبقہ والے لوگوں کو ہی ہم ان قیاسات پر کاربند پاتے ہیں۔ یہاں بھی صرف خاندان کے وقار اور نیک نامی کو قائم رکھنے کے لیے شوہر مجبور ہو جاتا ہے کہ بیوی کی کچھ خطاؤں اور فروگذاشت کو نظر انداز کر دے تاکہ یہ باتیں طشت از بام نہ ہو جائیں۔ لیکن اگر معاملہ شائستگی کی حدود سے باہر ہو جائیں یا بیوی کی متواتر بدسلیقگی سے اس کا اندیشہ ہو جائے کہ یہ باتیں عام افواہ بن جائیں گی تو اس کے ساتھ سخت سلوک کیا جاتا ہے حتیٰ کہ اسے گھر سے باہر بھی نکال دیا جاتا ہے۔ اگر وہ ایک مرتبہ گھر چھوڑ دے تو اعلیٰ طبقہ والے گھروں میں اس کا دوبارہ داخلہ حقیقتاً نا ممکن ہو جاتا ہے۔ لیکن دیگر دو طبقوں میں اگرچہ غصہ بہت جلد آتا ہے اور منظر عام پر بھی بڑے جھگڑے ہوتے ہیں لیکن بعد کو مفاہمت اتنی دشوار نہیں ہوتی۔ یہ لوگ بیوی کی غلطیوں پر علانیہ بحث کرتے ہیں اور دوسروں کے سامنے بھی اس کا تمسخر اُڑایا جاتا ہے لیکن اسے آسانی سے معاف بھی کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ گھر چھوڑ نہیں کر لی تو اپنے گھرانے میں اسے پہلی جیسی حیثیت پھر حاصل ہو جاتی ہے۔

بیوی کا شوہر کے لیے اور شوہر کا بیوی کے لیے یہ طور طریق بحیثیت مجموعی کمیونٹی میں عام ہے۔ کچھ لوگ پرانے تجربہ کاروں کی طرح کہتے ہیں: "عورت پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے اور کوئی بھی نہیں

بنا سکتا کہ وہ کب اور کیسے بھاگ جائے گی۔ دوسرے اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ "بہت کچھ انحصار شوہر پر ہوتا ہے۔ اسے مناسب طرح اپنی بیوی کو قابو میں رکھنا چاہیے۔ اگر ایک مرتبہ وہ اپنی گرفت ڈھیلی کر دے تو وہ ہمیشہ کے لیے بے قابو ہو جائے گی۔" دوسری جانب عورتیں تمام مردوں کو سنگدل سمجھتی ہیں: "شوہر کو خوش رکھنا ناممکن ہے۔ آج وہ ایک چیز کو بہت پسند کریگا اور کل اسی پر اپنا غصہ دکھائے گا۔" "عورت کا مقدر ہی خراب ہے۔ ان میں جو بدقسمت ہیں ان پر روز مار پڑتی ہے اور جو خوش قسمت ہیں ان پر کبھی کبھی۔ لیکن کیا کوئی ایسی بھی عورت ہے جس کا شوہر اسے کبھی نہیں مارتا؟" اور پھر فلسفیانہ انداز میں وہ کہتی ہیں "اور کیوں نہیں؟ مرد کام کرتا ہے اور کماتا ہے۔ اگر ہم اسے خوش نہ رکھیں تو وہ ہمیں مارے گا۔ پھر ہمارا احتجاج کس کام کا؟ — اگر ایک مالک کے پاس سے ایک بیل بھاگ جائے تو کیا اس کا دوسرا مالک اسے ہل میں نہیں جوتے گا اور تیز چلنے کے لیے بے رحمی سے لکڑی نہیں چبھائیگا؟ اگر ہم ایک مرد کو چھوڑ کر دوسرے کے پاس چلی جائیں تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ بھی ہمارے ساتھ ویسا ہی سلوک نہیں کرے گا؟"

بیوی گھر کی پوری باتوں پر حاوی نہیں ہوتی لیکن اگر وہ ہوشیار ہو تو وہ چیزوں کا اس طرح انتظام کرے گی کہ اس کا شوہر شاذ ہی اس کی رائے کے خلاف ہوگا۔ آہستہ آہستہ وہ گھر کے اندر کلیدی حیثیت حاصل کرے گی۔

بالآخر دو اہم سوالات پیدا ہوتے ہیں: مرد کس طرح کی بیویاں چاہتے ہیں اور عورتیں زیادہ تر کس طرح کے شوہر چاہتی ہیں۔ اگرچہ شخصی مساوات کے مدنظر افراد کے مطمع نظر اور ان کی پسند و ناپسند میں لازمًا اختلافات ہوں گے۔ تاہم کمیونٹی کے مختلف طبقوں میں چند اوصاف کا پایا جانا مناسب سمجھا جاتا ہے۔ سب سے بڑھ کر ایک بیوی کو خوش مزاج ہونا چاہیے اور اس کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اپنے شوہر کو خوش رکھے۔ اس میں ہوشیاری ہونی چاہیے اور وہ اس قابل ہونی چاہیے کہ اپنے شوہر کو ناراض کیے بغیر اس کو غلط راستہ پر چلنے سے باز رکھ سکے۔ یہ فراست اس کے حق میں خاندان کے دیگر افراد سے عام تعلقات قائم کرنے میں نہایت سودمند ہوگی۔ نادان بیویاں شکایتیں کرتی ہیں، روتی دھوتی ہیں اور گھر کی غلامی کرتی رہتی ہیں۔ لیکن جو ہوشیار ہیں وہ اپنی خوش اخلاقی سے سب کو اپنا بنا لیتی ہیں۔ بیوی کو گھر کا اچھا کام کاج کرنے والی اور مناسب باورچن بھی ہونا چاہیے اس کی کفایتی خوبیوں سے خاندان میں اسے بالآخر کلیدی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔ جو رقم اسے حوالے کی جائے اسے اس کو نہایت سمجھ سے صرف کرنا چاہیے۔ اسے اتنی کافی سمجھ ہونی چاہیے کہ اپنے

زیورات خرید سکے۔ اور کچھ وظیفہ بھی رکھ سکے تاکہ اتفاقی ضرورت کی پابجائی ہو سکے۔ اپنے شوہر کے علم کے بغیر جس قدر زیادہ بچا سکے اتنا ہی بوڑھی عورتیں اس کی قدر کرینگی۔ جنسی خواہشات میں اسے بالکل بے رغبت نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن اس کے لیے بے چینی بھی نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن عورت پیش قدمی کرے تو یہ بات ناپسندیدہ ہوگی۔ خود عورتیں بھی عورتوں کی زائد جنسی خواہشات پر معترض ہوتی ہیں کیوں کہ یہ ایسی بے حیائی سمجھی جاتی ہے جو شائستگی کی حدود سے باہر ہو جاتی ہے۔ شوہر یہ نہیں پسند کرتے کہ ان کی بیوی مشکوک اور سخی ہو۔ عورتیں اس بات سے اچھی طرح واقف ہوتی ہیں۔ ہمارے ایک مخبر کے الفاظ میں "اگر ہم زیادہ عیب جوئی کریں تو ہمارے الفاظ کی وقعت کم ہو جائے گی اور ہمارے شوہر خواہ ہم کچھ بھی کہیں سننا پسند نہیں کرینگے"

عورت کے لیے مثالی شوہر ایک ایسا آدمی ہوگا جو محنت سے کام کرتا ہو اور اتنی روزی حاصل کر لیتا ہو کہ گھر والوں کو کھلا سکے اور اچھے کپڑے پہنا سکے۔ اگر وہ بیوی کے لیے زیورات خرید سکے تو اور بھی قابل تعریف ہوگا۔ اس کو اپنے بیوی بچوں میں دلچسپی لینی چاہیے اور ان کے آرام اور بہبودی کا خیال رکھنا چاہیے۔ اگرچہ عورتیں اس بات کو تسلیم کر لیتی ہیں کہ کوئی شوہر بیوی کے لیے بالکلیہ قابل اعتماد نہیں ہوتا پھر بھی کسی باہر کی عورت سے وہ اس کے مستقل یا نیم مستقل تعلق پر نفرت کرتی ہیں۔ اگر اس کی داشتائی گھر کے لیے بے انتہا مصارت کا باعث ہوتی ہے تو وہ اس پر احتجاج بھی کرتی ہیں۔ کوئی عورت یہ پسند نہیں کرتی کہ اس کے شوہر پر "زن مرید" کا ٹیکہ لگ جائے۔ لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتیں کہ شوہر بے انتہا سخت اور غصہ ور ہو۔ بہت سی عورتوں نے اس تجویز کو کسی قدر مضحکہ خیز سمجھا کہ شوہر کو نرم مزاج ہونا چاہیے۔ جو چیز ان کو سب سے زیادہ پسند ہے وہ یہ ہے کہ شوہر اپنی جگہ اٹل اور دوست دار ہو۔ ایسا شخص جو کسی لت میں پھنسا نہ ہو اور کمیونٹی میں اپنے شخصی اطوار کی بنا پر مشہور ہو وہ بلاشبہ اپنی بیوی کے لیے فخر کا باعث ہوگا۔

والدین اور اولاد: عام طور پر اولاد کا رویہ اپنے والدین کی طرف ادب اور فرمانبرداری کا ہونا چاہیے۔ اپنی زندگی کی ابتداء ہی میں بچے کو روایتی طور طریق پر چلنا سیکھنا چاہیے جو مختلف درجوں کے لوگوں کے سامنے اپنی عمر اور رشتہ داری کی حیثیت سے ادب کے لیے ضروری ہیں۔ والدین لڑکوں کی انتہائی عزت کے مستحق ہوتے ہیں اور تقاریب کے مواقع پر آخرالذکر کو چاہیے کہ ان کا پاؤں چھو کر ان کی عزت کا اظہار کریں۔ باپ اور ماں میں اول الذکر علامتی طور پر اقتدار کا بڑا درجہ رکھتے ہیں لیکن آخرالذکر کا اپنے بچوں کے ساتھ ہر وقت رہنے کے باعث ان میں گہرا آمیزہ

مفاہمت کے رشتے بڑھ جاتے ہیں۔ دونوں کی عزت کی جاتی ہے لیکن باپ کا ڈر زیادہ ہوتا ہے۔
عام طور پر ماں بچوں کی پرورش کی ذمہ دار ہوتی ہے لیکن باپ سے بھی اُن پر کڑی نظر رکھنے کی
امید کی جاتی ہے۔ اور اگر ماں کی بیجا رعایتیں بچوں کو خراب کرنے لگیں تو اسے ان کی درستی کا
ذریعہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ بچوں کی دیکھ بھال کرنے کی ذمہ دار ماں ہے۔ وہ انھیں
نہلاتی ہے کپڑے پہناتی ہے اور کھانا کھلاتی ہے۔ ان کی بیماری میں ان کی تیمارداری کرتی ہے۔
گھر کا معمول کام کرتے ہوئے بھی وہ بچوں پر نظر رکھتی ہے اور اس بات کا اطمینان کر لیتی ہے کہ
بچے شرارتوں سے دور رہتے ہیں۔ تقریباً پانچ برس کی عمر تک بچوں کی زندگی ماں کے ارد گرد رہتی
ہے۔ وہ اپنی حفاظت اور مدد کے لیے ماں ہی سے رجوع ہوتے ہیں۔" جب باپ خوش مزاجی کے
موڈ میں ہوتا ہے تو وہ بچے سے دُلار کرتا ہے لیکن اس کی روزمرہ کی ضرورت ماں ہی پورا کرتی ہے"۔
یہ کہا جاتا ہے کہ باپ مسکراتے بچے سے پیار کرتا ہے لیکن ماں ہی اسے چپ کراتی ہے جب وہ رونا
شروع کرتا ہے۔

والدین اور لڑکوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت، لڑکوں کی عمر اور حیثیت کے ساتھ
بدلتی رہتی ہے۔ زمانہ شیر خواری اور ابتدائی لڑکپن کے دور کا روایتی طریقہ و پرورش لڑکپن اور
سن بلوغ کے درمیانی دور سے بالکل مختلف ہے۔ اسی طرح جب بیٹے اور بیٹیاں نوجوانی اور بلوغ
کے دور میں داخل ہوتی ہیں تو والدین اور لڑکوں کے تعلقات میں نمایاں تبدیلی ہو جاتی ہے۔

روایتی اُدارہ کے مطابق بیٹا ایک دولت ہے اور بیٹی ایک ذمہ داری ہے۔ بیٹا والدین کا ہوتا
ہے اور بیٹی آئندہ لازماً کسی اور خاندان کی ہو جاتی ہے۔ بیٹی کی پرورش کو پڑوسی کے درخت کو
پانی دینے کے مماثل سمجھتے ہیں۔ اس کے ساتھ پوری محنت کی جاتی ہے مگر اس کا پھل کسی اور کو ملتا
ہے۔ ایک بڑا خاندان جس میں بہت سے بیٹے ہوں اس میں ایک بیٹی کی بھی ضرور خواہش ہوتی ہے۔
ایک ایسا خاندان جس میں بہت ساری لڑکیاں ہوں اور لڑکے نہ ہوں خوش نہیں رہتا کیوں کہ
بیٹے کا وجود تقریبات اور رسومات دونوں کے لیے اہم ہے۔ بیٹوں کے لیے اس ترجیح کے باوجود
فی الحقیقت کلی طور پر بچوں سے سلوک میں جنسی بنیادوں پر کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔

عام قاعدے کے مطابق چھوٹے بچوں سے پیار کا سلوک کیا جاتا ہے۔ جب تک بچہ چار یا پانچ
سال کا نہ ہو اس کی بڑی ذمہ داری ماں ہی پر رہتی ہے۔ وہ جب بھوک سے رونا شروع
کرتا ہے ماں اسے دودھ پلاتی ہے۔ بچہ اپنی ماں کے ساتھ رات میں سوتا ہے اور جب

چاہے دودھ پی سکتا ہے۔ بچے کو کھلانا ماں کا بنیادی فرض ہے جب وہ چھ آٹھ مہینہ کا ہو جاتا ہے تو بڑی بہنیں، رشتہ کی عورتیں اور گھر کے مرد اس کام میں اس کا ہاتھ بٹانے لگتے ہیں اور کبھی کبھی اس کے منہ میں کھانا بھی کھلا دیتے ہیں۔ دوسرے عزیزوں کا بچے کو کبھی کبھی کچھ کھلا دینے سے ماں سے اس کی محبت میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ ماں بچے کو چار پانچ سال تک اپنا دودھ پلاتی رہتی ہے۔ بچہ کو باقاعدہ ابتدائی تربیت دینے یعنی کھڑا ہونا، چلنا بات کرنے کی عادت سکھانے میں ماں کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔

بہر حال معصوم بچہ خاندان کے لیے خوشی کا باعث ہوتا ہے اور بڑے لوگ اس سے اکثر کھیلتے ہیں اور گود میں لیتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک بچہ کو ہنسانے کے لیے مسخرانہ صورتیں بناتا ہے اور آوازیں نکالتا ہے۔ مختلف طریقوں سے پیار کرتا ہے اور بچے کی بے معنی آوازوں کی نقالی سے خود بھی بہت خوش ہوتا ہے۔

اس حالت میں حقیقی تبدیلی اس وقت آجاتی ہے جب بچے کی عمر پانچ چھ سال کی ہو جاتی ہے۔ اب والدین کو سخت ہو جانا چاہیے اور اسے تربیت دینی شروع کر دینی چاہیے۔ اس زمانہ میں بچہ باپ کو مقتدر اور قابل اطاعت انداز سے دیکھتا ہے اور اس سے ڈرنے لگتا ہے۔ وہ آزادی جو اسے ابتدائی زمانہ طفلی میں حاصل تھی اب اس میں کافی کمی کر دی جاتی ہے۔ اب اچھی چال اور مناسب عادات پر اصرار ہوتا ہے۔ شرارت کرنے پر وہ کئی طمانچے بھی کھاتا ہے۔ چھوٹے بچہ کی دیکھ بھال میں ماں بڑے بچے کو اپنے طور پر وقت صرف کرنے کو چھوڑ دیتی ہے۔ دن کے وقت وہ اپنے ہم سن بچوں کے ساتھ زیادہ تر گھر کے باہر کھیلتا ہے۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی ہے اس کی تربیت بھی سخت ہوتی جاتی ہے۔ ابتداً اسے تکلیف دہ ہونے یا بے سبب رونے کے باعث سزا دی جاتی تھی لیکن اب خود اسے اس کا امتیاز کرنا پڑتا ہے کہ کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔ اور جو باتیں نہیں کرنی چاہئیں بچے کو ان کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ان میں گھر کے اندر پیشاب نہ کرنا اور صفائی رکھنا، بے وقت کھانا بار بار نہ مانگنا، چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کو مارنا، چوری نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا اور گالیاں نہ بکنا جیسی باتیں شامل ہیں۔ عام طور پر ہلکی سزائیں ماں دیتی ہے جو اپنے بچوں کی چھوٹی غلطیوں اور قصوروں کی دیکھ بھال کرتی ہے تمام بڑی خطاؤں اور اپنے احکام کی مسلسل عدول حکمی کی اطلاعیں ماں، باپ کو دیتی ہے۔ اکثر اوقات ماں کی یہ دھمکی ہی کہ وہ باپ کو اس کی خبر کر دیگی، نافرمان لڑکے کو درست کر دیتی ہے۔ حقیقی نقطہ نظر سے بہت سی مائیں باپ کے تصور کو لڑکوں کے لیے خوفناک بنا دیتی ہیں۔ اور بعض صورتوں میں بچے واقعی کانپنے لگتے ہیں جب انھیں کسی نافرمانی یا نامناسب چلن کی بنا پر باپ کے سامنے پیش کیا

جاتا ہے۔ باپ اپنے بچوں کو جو سزائیں دیتا ہے وہ اکثر ہوتی ہیں لیکن سخت تر۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ باپ کی جانب لڑکوں کا رویہ صرف ڈر کا ہوتا ہے۔ کیوں کہ ظاہر ہے یہ غلط ہوگا۔ ڈر اور ادب دونوں ضرور ہوتے ہیں لیکن اعتماد اور دوستی کے احساسات کے ساتھ اگرچہ مشکلات زیادہ تر ماں ہی سے بیان کی جاتی ہیں اور اسی سے مدد چاہی جاتی ہے لیکن باپ سے بھی رجوع کیا جا سکتا ہے۔ بہت سے باپ اپنے بچوں کو سنگھ طرح کے کھیل سکھاتے ہیں ان کے کھیلنے کے لیے چھوٹے کھلونے بناتے ہیں۔ کبھی کبھی انہیں سیر کرانے لے جاتے ہیں ان کے لیے مٹھائی اور چھوٹی موٹی چیزیں خریدتے ہیں اور مانگنے پر کچھ پیسے بھی دیتے ہیں۔

بچپن کے آخر میں اور بلوغ کے دوران لڑکیاں ماں کے قریب سے قریب تر ہو جاتی ہیں اور زیادہ تر زنانہ قسم کے کاموں میں مشغول رہتی ہیں۔ بیٹے ماں سے قریبی اور دوستانہ تعلقات قائم رکھتے ہیں۔ لیکن اس کا اقتدار ان پر آہستہ آہستہ کم ہوتا جاتا ہے۔ وہ اسے پھسلانا اور دم دلاسا دینا سیکھ لیتے ہیں۔ وہ اس کی کمزوری سے واقف ہوتے ہیں اور اسے ستانے کے نئے طریقے نکال لیتے ہیں۔ وہ اکثر ان باتوں سے باپ کو خبردار کرنے کی دھمکی دیتی ہے لیکن بیٹے اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ بڑی حد تک یہ دھمکی پوری نہیں کی جائے گی۔ اس زمانہ میں باپ اپنے بیٹوں کی تربیت کا زیادہ دلچسپی سے مطالعہ کرتا ہے اور جب اس کے پاس شکایت آتی ہے تو وہ معقول سزائیں دیتا ہے۔ روایتی طور پر یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب لڑکے سخت ہونے لگتے ہیں اور ان پر حکمرانی کرنا دشوار ہو جاتا ہے اسی لیے اسی دور میں اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ ان کو اپنے قابو میں رکھنے کے لیے باپ ہوشیاری اور استقلال سے کام لے۔ ان کے صحیح قسم کے ساتھی ہونے چاہئیں اور ان کو اس بات کی اجازت نہیں ہونی چاہیے کہ اپنا سارا وقت کھیل اور شرارت میں صرف کریں اگر وہ گاؤں کے مدرسہ کو جائیں تو پھر بھی ان کو کچھ وقت اپنے روایتی پیشہ پر صرف کرنا چاہیے۔ اپنے بڑوں کو کام میں لگا دیکھ کر اور ان کی مدد کرنے سے انھیں ان بنیادی باتوں کو سیکھ لینا چاہیے جو بہر امکان آئندہ زندگی میں ان کا پیشہ ہونگی۔ لوگ کہانیوں مثالوں اور گیتوں کے ذریعہ بالواسطہ تعلیم میں والدین راست اور قابل فہم ہدایتوں سے اضافہ کرتے ہیں۔ ماں اپنی بیٹی کو ایک اچھی بہو بننے کی تربیت دیتی ہے۔ وہ اس سے اکثر کہتی ہے شوہر کا گھر تمہارے والدین کے گھر سے بالکل مختلف ہوگا۔ یہاں تم بیٹھی ہو تو تمہارے لیے کھانا لاکے رکھ دیتی ہے لیکن وہاں اگر تم اتنا کام بھی کرو کہ تمہارے اعضاء ٹوٹنے کے قریب ہو جائیں تو پھر بھی تعریف کا کوئی ایک لفظ نہیں نکالے گا۔ اور اگر تم کام نہ کرو تو ستانے والی تمہاری ساس اور نندیں نہ صرف تمہیں گالیاں دینگی بلکہ تمہارے والدین کو بھی بدترین الفاظ میں یاد کرینگی۔ کہانیوں اور ریادوں کے ذریعہ وہ اپنی بیٹی کے دماغ میں اس بات کی صاف تصویر بٹھا دیتی ہے کہ جب وہ اپنا میکا گھر چھوڑے گی

اور اپنے دوسرے اور اصل گھر میں داخل ہوگی تو اس کو وہاں کیلئے تیار کرے گا۔ جب لڑکی کی شادی کا وقت قریب آتا ہے تو اس کا اپنی ماں سے لگاؤ اور بڑھ جاتا ہے۔ اگر باپ لڑکی کی کسی چال کو واقعی طور پر ناپسند کرتا ہے تو اس سے براہِ راست گفتگو کرنے کی بجائے وہ معاملہ کی اطلاع ماں کو دے گا اور اسی کے ذریعہ لڑکی پر اثر ڈالے گا۔ البتہ چھوٹی باتوں میں وہ اس سے براہِ راست باتیں کرے گا۔ اسی طرح بڑے لڑکوں کی صورت میں جب معمولی تنبیہ سے بڑھ کے کوئی شدید کارروائی کرنی ہو اور سخت زبان استعمال کرنی کی ضرورت ہو تو اس معاملہ میں ماں نہیں باپ ہی ہاتھ لگائے گا۔

جب بچے شباب اور سنِ بلوغ کو پہنچتے ہیں تو لڑکوں اور والدین کے درمیان شخصی تعلقات کے طریقوں میں مزید تبدیلی ہوتی ہے۔ اس وقت تک لڑکیوں کی شادی ہو چکی ہوتی ہے اور اپنے والدین کا گھر چھوڑ کر اپنے شوہروں کے گھروں میں بیویوں کی جگہیں لے لیتی ہیں۔ تین یا چار سال تک وہ اپنے والدین کے گھر سے ایک طرح کا باقاعدہ تعلق قائم رکھتی ہیں اور اس کے لوگ بھی نئی جگہ، نئے ماحول میں اس کی فلاح اور مطابقت میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ بعد کو لڑکی اپنے گھر کے معاملات میں زیادہ منہمک ہو جاتی ہے اور بچپن کے دوستوں نیز والدین کے گھر کی یاد میں پس پشت ہو جاتی ہے۔ بعد کے سالوں میں تقریبات کے مواقع پر وہ اپنے والدین کے گھر واپس ہوتی ہے مگر کسی قدر اجنبی کی طرح۔ یہ نہیں کہ والدین اپنی بیٹی کی بہتری کے متعلق بالکل بے پروا ہو گئے یا یہ کہ لڑکی انہیں بالکل بھول گئی۔ لیکن فاصلہ جو انہیں علیحدہ کرتا ہے اور زمان و مکاں میں ان کے جذبات کی گرمی اور چمک کو آہستہ آہستہ کم کر دیتا ہے جو وہ ایک دوسرے کے لیے رکھتے تھے۔ دوسری جانب ان کے بیٹے بھی شادیاں کرتے ہیں اور ان کی بیویاں ان کے گھر ساتھ رہنے آتی ہیں۔ اب وہ یہ سوچتے ہیں کہ اس سے باپ کی نگرانی کا دور ختم ہو گیا اور اب وہ اپنی کمیونٹی کے ایک آزاد رکن بن گئے۔ لیکن والدین لازمی طور پر یہی نقطۂ نظر نہیں رکھتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعد کے زمانہ میں بڑی کشمکش ہوتی ہے اور جانبین میں سمجھوتہ اور مطابقت کی ضرورت پڑتی ہے۔ لڑکے کا جذبہ ایک طرف باپ کے تعلق سے بیٹے کی اطاعت گذاری اور خود مختاری کی خواہش میں منقسم ہوتا ہے تو دوسری طرف ماں سے محبت جو ولادت کے وقت سے ساتھ رہنے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی اور بیوی کی کشش — دونوں میں کشمکش پائی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں والدین اپنے بیٹوں کو مار نہیں سکتے اور نہ انہیں سزا دے سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ انہیں مشورہ دے سکتے ہیں یا آگاہ کر سکتے ہیں۔ جب مکرر مشورے اور تنبیہوں کا متوقع اثر نہیں ہوتا تو دباؤ ڈال کے

یا مشورے کام لیا جاتا ہے۔ گاؤں کے بزرگ افراد دیگر اثر رکھنے والے لوگوں اور دوستوں کے ذریعہ بھی بیٹے پر دباؤ ڈالتے ہیں۔ ایسی کہانیاں مشہور ہیں کہ جن میں بیویوں کے اثر سے بیٹے اپنے والدین کی ذمہ داریوں سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ سماجی طور پر والدین کو نظر انداز کر کے بیوی کی باتیں تو مہو جانا بُرا سمجھا جاتا ہے اور بیوی کے کہنے پر والدین کی عزت اور ادب نہ کرنا، جس کے وہ مستحق ہیں، ناپسندیدگی پر خیال کی جاتی۔ والدین سے سلوک میں روایتی تعظیمی طریقوں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ شخصی ضروریات بالخصوص جن کا تعلق جنسیات سے ہو، والدین کی موجودگی میں زیر بحث نہیں لائی جاتیں۔ جب تک پوچھا نہ جائے اپنی طرف سے رائے زنی نہیں کرنی چاہیے۔ بزرگوں کی موجودگی میں میاں بیوی کو پیار کے طریقوں سے گریز کرنا چاہیے۔ ایک نوجوان باپ کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ والدین کی موجودگی میں وہ اپنے بچے کو پیار کرے اور اس کا بار بار بوسہ لے۔ آخری بات یہ کہ والدین کو گالی دینا چاہیے اور نہ انہیں مارنا پیٹنا چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہو اختلافات مصالحت کے ذریعہ سلجھا لیے جائیں۔ پھر بھی جب والدین اور لڑکوں کے نقطۂ نظر میں سخت اختلافات ہو جاتے ہیں تو ان کے درمیان لڑائی اور سخت الفاظ کا تبادلہ کوئی غیر معمولی بات نہیں۔

معمر اور ایسے والدین جو اولاد کے سہارے ہیں ان کے ساتھ سلوک کے متعلق روایتی طور پر واضح اور متعین قدریں موجود ہیں۔ بیٹا اگر اپنے بوڑھے والدین کے لیے کامل انتظام کرنے کے فرض میں کوتاہی کرے اور ان کے آرام کی طرف کافی توجہ نہ کرے، خاص کر بیماری کی صورت میں، تو وہ سخت سماجی ناراضگی اور اعتراضات کا مستوجب ہوگا۔ اس کی مثال بری بھی جائے گی۔ بزرگوں، خیر خواہوں اور دوستوں کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ بوڑھے والدین کے متعلق ذمہ داریوں کی طرف اس کو بار بار متوجہ کریں۔ اس نوعیت پر بوڑھوں سے یہ امید نہیں کی جاتی کہ وہ گھر کی خانہ داری کے انتظامات میں مداخلت کریں گے اور ان کی اس عدم مداخلت کے صلہ میں اولاد خصوصاً بیویوں پر رد عمل ہوتے تمام جھگڑے اور اختلافات بھول جاتے اور بوڑھوں کو ان کے آخری زمانہ میں ہر طرح کا ممکنہ آرام پہنچانے کی ذمہ داری عائد کی ہے۔

بہو:- بہو جو ایک بالکل مختلف خاندان سے اور اکثر دوسرے گاؤں سے آتی ہے شوہر کے گھر میں اپنے کو بالکل نئے ماحول میں پاتی ہے۔ اب وہ اس دورِ حیات میں داخل ہوتی ہے جس کے متعلق اس نے اپنے سنِ شعور کی ابتدا ہی سے بہت کچھ سنا تھا۔ اب اسے اس ساس، کا سامنا کرنا ہے جس سے وہ بلا شبہ ڈرتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ وہ بد طبیعت، ظالم اور سخت دل ہوگی۔ وہ جانتی ہے

مگر اس کے شوہر کی بہن چالاک اور دھوکے باز، اور اس کے بڑے بھائیوں کی بیویاں تکلیف دہ سازشی
ہوں گی۔ وہ اپنے شوہر سے محبت اور دوستی کی امید رکھتی ہے۔ لیکن اسے گاؤں کی عورتوں کی بار بار کی
بتاوتوں کا خیال رکھنا ہے کہ تمام مرد ناقابل اعتبار ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔
اسے اپنے شوہر کے چھوٹے بھائیوں اور چھوٹی بہنوں سے ہمدردی اور دوستی کی امید ہوتی ہے۔ آخرالذکر
سے صرف اس صورت میں کہ ابھی بڑی نہیں ہوئی ہیں اور اگر ہوئی ہیں تو تقریباً اس کی ہم عمر نہیں ہیں۔
ان کے علاوہ باقی تمام افراد خاندان کی یا تو اسے عزت کرنی پڑتی ہے یا ان سے دور رہنا پڑتا ہے۔ وہ
اپنے نئے گھر میں بڑے اندیشے اور ڈر سے قدم رکھتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ یہاں اس کے ہر کام پر کڑی
نظر رکھی جائے گی اور تنقید ہوگی۔ اور وہ اس بات پر یقین رکھتا تو اسے سکھایا جا چکا ہے کہ چاہے وہ کتنا
ہی اچھا کام کیوں نہ کرے اپنے نئے رشتہ داروں کو خوش رکھنا آسان کام نہ ہوگا۔ وہ اپنے والدین
کا گھر بھیگے بھرے دل سے چھوڑتی ہے اور اپنے شوہر کے گھر میں غلط فہمیوں اور غیر یقینی حالت میں
داخل ہوتی ہے۔

برخلاف اس کے کہ اس نے دماغ میں کیا تصور باندھا تھا اس کا استقبال کافی گرمجوشی سے کیا
جاتا ہے۔ اکثر گھروں میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ اس پر اچھا اثر مترتب ہو۔ کم از کم چند ہفتوں
تک اس میں نیاپن ہوتا ہے اس لیے اس کی طرف توجہ کی جاتی ہے اور اس کا خاطر خواہ خیال کیا جاتا ہے
ساس اور نند معترضانہ نظر سے اسے معاف تو نہیں کرتیں لیکن وہ اپنی نکتہ چینیاں ہمیشہ ایسے وقت کرتی
ہیں جب دلہن کہیں دور ہوتی ہے اور انہیں سن نہیں سکتی۔ لیکن یہ دور صرف چند ہفتے یا زیادہ سے
زیادہ دو تین ماہ جاری رہتا ہے۔ اس کے بعد اس کو گھر کے روایتی طریقوں سے واقف کرایا جانا
چاہیے اور سکھایا جانا چاہیے کہ گھر کس طرح کیسے کام ہوتے ہیں کیونکہ ہر گھر کی خصوصیات ہوتی ہیں جو واضح طور پر اسی کی ہوتی ہیں۔
اور اس کے طریقوں سے اپنے کو ہم آہنگ کرنے کے لیے دلہن کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان سے
واقف ہو اور ان کی عزت کرے۔ گھریلو کاموں میں اسے اپنا حصہ پورا کرنا سیکھ لینا چاہیے اور
صرف غیر رشتہ دار عورتوں کے اطمینان کی حد تک اسے انجام دینا چاہیے۔ اگر وہ اپنا اثر اچھا ڈالنا چاہتی
ہے تو اسے ساس اور گھر کی دیگر بڑی اور اہم عورتوں کے کاموں کو اپنے سر لے کے ان کا بوجھ ہلکا
کرنا چاہیے۔ ساس بہرحال خوش ہوگی اگر بات کو دلہن اس کا پاؤں دبانا شروع کرے۔ اچھی
مائیں اکثر اپنی لڑکیوں کو ان طریقوں سے واقف کراتی ہیں تاکہ ایسی ساس پر جس کو خوش کرنا
دشوار ہو، ابتداً اچھا اثر ڈالا جا سکے۔ لیکن بعض صورتوں میں بالکل مختلف طریقے اختیار کیے جاتے

ہیا۔ کچھ مائیں اپنی بیٹیوں سے کہتی ہیں کہ تم جتنا جھکو گی تمہاری ساس تم سے اتنا ہی زیادہ محنت کا م لے گی۔ اگر غلطی سے تم اس کے حصہ کا کام ایک دو دن کردو تو دوسرے دن سے یہ بھی باقاعدہ طور پر تمہارے فرائض کا حصہ بن جائے گا۔ بہترین طریقہ یہی ہے کہ ایسے تمام کام کرنے سے گریز کیا جائے جو عام طور پر کسی دوسرے کا ہے۔ یہ نظریہ بھی کچھ سچائی سے خالی نہیں ہے۔

آہستہ آہستہ جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور دلہن بہت زمانے تک نئی نویلی نہیں رہتی۔ اس کو اپنی باقی زندگی اسی مکان میں گزارنی ہے۔ اس لیے یہاں کے طریقوں سے اپنے کو ہم آہنگ کر لینا ضروری ہے۔ اس کے قدم قدم پر نظر رہتی ہے۔ گھر کے کاموں میں اس کے کاموں کو بڑی تنقیدی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ اور دیگر لوگوں کے خیالات کے پیش نظر اس کے کام کی مقدار اور خوبیوں کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ ساس اور نندیں اس کی باتوں اور برتاؤ پر گہری نظر رکھتی ہیں کہ کیا وہ اپنے والدین اور اپنے گھر کی بڑی تعریف کرتی ہے؟ اگر وہ ایسا کرتی ہے تو ساس یا کوئی ذکری نند ان کے تعلق سے کوئی افواہ ڈھونڈھ نکالے گی۔ اگر وہ اپنے باپ کے کھیتوں کی تعریف کرے یا اچھے کھانے جو وہ کھاتی تھی ان کا اتفاقاً ذکر کرے تو اس کی باتوں کو یاد رکھا جائے گا اور فوراً یا بعد کو مناسب موقع پر اس کو مطعون کیا جائے گا۔ اگر وہ نا سمجھی سے کہہ جائے کہ مجھے اپنے گھر کا چاول یاد آرہا ہے جو بہت خوش ذائقہ تھا، تو اسے کچھ اس قسم کا جواب ملے گا، 'ہاں ہم کو بھی معلوم ہے تمہیں اپنے والدین کے گھر میں چاول کے بجائے موتیوں اور ہیروں کی کشتیاں ملتی تھیں۔ اس مکان میں تو تمہیں مٹھی بھر ٹوٹے چاول اور دھان کا بھوسہ ملتا ہے' اگر بہو کی زبان سے اتفاقاً نکل جائے کہ وہ تھکن محسوس کر رہی ہے تو اس کے یہ معنی لیے جائینگے کہ سخت کام جو اسے کرنا پڑتا ہے اس کی شکایت کر رہی ہے۔ ساس اس کا الٹا جواب دے گی 'ہاں میری بھول! مجھے معلوم ہے تو کتنی نازک ہے۔ کیوں نہیں! اپنے والدین کے گھر میں تیرے ایک درجن نوکر تھے اور تجھے چاول کے دانے بھر بھی ہلنا نہیں پڑتا تھا۔ یہاں تو صبح سے آدھی رات تک کام کرنا پڑتا ہے۔ تیری شادی ایک شاہزادے سے ہونی چاہیے تھی۔ تو اس غریب مکان میں کیوں آئی' اسی طرح کھٹ پٹ چلتی رہتی ہے۔ ساس اور اس کی لڑکیاں شادی شدہ، یا غیر شادی شدہ، ایک جماعت بنا لیتی ہیں اور بہوؤں کی لازماً دوسری جماعت ہوتی ہے۔ لیکن یہ آپس میں نفاق رکھتی ہیں، کیوں کہ ان میں رقابت، حسد اور شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب سے باہمی تعلقات کے طور طریق جو رونما ہوتے ہیں وہ بہت پیچیدہ ہوتے ہیں۔ پیٹھ پیچھے چغل خوریاں اور کہانیاں چلتی

رہتی ہیں۔ وقتی دوستی ہٹتی اور بگڑتی رہتی ہے۔ ایک بہو جو اپنی ساس کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے محنت سے کام کرتی ہے۔ دوسری بہو اس سے رشک کرنے لگتی ہے۔ اور اس کے کام میں نقص نکالنے سے نہیں چوکتی۔ وہ ایسی چال چلتی ہے کہ کوئی غلطی ہو تو اس کا سارا الزام اول الذکر کے سر جاتا ہے۔ معمول اور منہ سے نکلی ہوئی اتفاقی باتوں کے بہت گہرے معنی لیے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف غصہ کی باتیں جو سادہ الفاظ میں ہوں، بربنائے معصومیت ہو سکتی ہیں۔ مشترک خاندان میں عورتوں میں سازشیں اور حسد، مردوں کے لیے دردِ سر ہوتی ہیں۔ مردوں کا کہنا ہے کہ خاندان میں جو باتیں ہوتی رہتی ہیں اگر ہم ان کا ایک جزو بھی سن لیں تو ہمارا سر پھر جائے۔ دوسرے فلسفیانہ انداز میں کہتے ہیں کہ ساس کو خدا نے اپنے بیٹوں کی گھر میں آنے والی بیویوں سے لڑنے ہی کے لیے دیا ہے۔ ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ آدمی اگر برداشت نہ کریں تو ہم سب دیوانہ ہو جائیں گے۔

یہ واقعی ایک نہایت مستحکم سماجی دستور ہے۔ ساس کے لیے کوئی بہو بھی بے عیب نہیں۔ اگرچہ وہ ان میں سے ایک کو دوسروں پر ترجیح دے سکتی ہے۔ بہو کے نقطہ نظر سے ساس ہمیشہ ساس ہی رہے گی یا بچھو اور یہ دونوں بچھو ڈنک رکھتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک بہ نسبت دوسرے کے زیادہ ڈنک مارتا ہے۔

میں نے اس طرف پہلے ہی اشارہ کر دیا ہے کہ ساتھ رہنے والے بھائیوں کی بیویاں کبھی کبھی مشترکہ طور پر اپنی ساس کے خلاف ہو جاتی ہیں مگر خود ان کے اندر باہمی حسد اور جھگڑے ہوتے ہیں۔ شوہر کی بہنیں جب چھوٹی ہوتی ہیں تو بھائی کی بیوی سے دوستی رکھتی ہیں لیکن جیسے ہی وہ بڑی ہوئیں کہ ان کے پر لگ جاتے ہیں۔ اور وہ چغل خور بن جاتی ہیں۔

بہو کو شوہر کے باپ اور اس کے بڑے بھائیوں سے معتدبہ فاصلہ پر ادب سے رہنا چاہیے۔ جب تک ناگزیر نہ ہو جائے یہ ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے اور اگر کبھی مجبوراً بات کرتے بھی ہیں تو کم سے کم الفاظ میں۔ ان کے درمیان جان پہچان یا دوستانہ گفتگو نہایت نازیبا سمجھی جاتی ہے۔ دوسری جانب شوہر کے چھوٹے بھائیوں سے اسے بے تکلفی سے پیش آنے کا حق ہوتا ہے۔ اور ایک خاص حد سے باہر نہ بڑھیں تو روایت اس کی اجازت دیتی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کریں۔ شوہر کے غیر شادی شدہ بھائی اپنی پریشان بھابی کے لیے دلاسا اور دوستی کا باعث ہوتے ہیں۔ لیکن جب وہ بڑے ہو جاتے ہیں تو اپنی بیویوں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، اور حقیقی زندگی کی جنگ و دو میں پہلے کی ملاقات اور دوست داری کے رشتے بھلا دیے جاتے ہیں۔

اولاد۔ سماجی نظریات کا یہ تقاضہ ہے کہ اولاد میں یکجہتی رہے۔ بالخصوص بھائیوں میں۔

ان میں ایک دوسرے سے محبت اور باہمی مدد کا جذبہ ہونا چاہیے۔ بڑے بھائی اور بہن خاص کر آخر الذکر کو چھوٹے بچوں اور اپنی ماں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری لینی چاہیے۔ حقیقی طور پر چھ سات سال کی عمر تک سب ایک دوسرے کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ بعد کو بہنیں آہستہ آہستہ اپنے زنانے قسم کے کاموں میں مشغول ہو جاتی ہیں۔ اس لیے سابق کی طرح اب وہ بچوں کے کھیلوں میں آزادی سے حصہ نہیں لے سکتیں لڑکوں کو بھی اپنے گروہی کھیلوں میں زیادہ دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح اولاد میں بین شخصی تعلقات بچپن کے زمانہ میں سب سے زیادہ ہوتے ہیں۔ لیکن بعد کو وہ اپنے طریقے اختیار کر لیتے ہیں۔ اور لڑکوں اور لڑکیوں میں فاصلہ بڑھتا جاتا ہے۔

بڑی اولاد چھوٹوں پر اپنا اختیار رکھتی ہے۔ جب ماں دوسرے کاموں میں مشغول ہو یا بیمار ہو تو بڑی عمر والی اولاد چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ خاص طور بڑی بہنیں ماں کے کاموں میں ہاتھ بٹاتی ہیں۔ اور اکثر بچے ان سے اس قدر مانوس ہو جاتے ہیں کہ وہ ان کو ماں کے بجائے سمجھنے لگتے ہیں۔ ہم عمر گروہ کے لڑکے گاؤں کے دیگر لڑکوں کے ساتھ معاملات میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، اپنے گروہ کا ساتھ دیتے ہیں اور اپنوں کا تحفظ کرتے ہیں۔ ان سے زیادہ عمر والے لڑکے اپنے چھوٹے بھائیوں اور چھوٹی بہنوں کی حرکات پر نظر رکھتے ہیں اور ان کی غلطیوں کی خبر والدین کو کرتے ہیں۔ بڑے لڑکے ان چھوٹوں کو جو ان کی نگرانی میں ہیں کبھی کبھی طمانچے بھی لگا سکتے ہیں۔ لیکن انھیں ایسا ہمیشہ نہیں کرنا چاہیے۔ اپنے چھوٹوں پر اس مختصر سے اقتدار کے لیے انھیں کچھ رعایتیں بھی کرنی پڑتی ہیں۔ جب ایک چھوٹا بچہ کسی چیز کے لیے رونا شروع کرے تو بڑے بھائی یا بہن کو اسے خوش کرنے کے لیے اپنا حصہ دے دینا چاہیے۔ "وہ چھوٹا ہے۔ وہ نہیں سمجھتا لیکن تم بڑے ہو اور ہر بات سمجھتے ہو۔ اسے چیز لینے دو۔ آخر وہ تمہارا بھائی ہے" ایسی باتیں والدین اکثر کرتے ہیں جب وہ بڑے لڑکے کو چھوٹے کی بات ماننے کے لیے ترغیب دیتے ہیں۔ جب لڑکوں میں لڑائی ہوتی ہے تو ہمیشہ ڈانٹ بڑے پر پڑتی ہے۔ کیونکہ والدین کہتے ہیں: "چھوٹا بچہ بے نام سب ضد کرے تو بات سمجھ میں آ سکتی ہے لیکن تم تو بڑے ہو تم کو سمجھ سے کام لینا چاہیے۔" چھوٹے بچے اکثر والدین سے بڑے لڑکوں کی شکایت کرتے ہیں تو یہ ان سے اس وقت معاملہ چکاتے ہیں جب والدین نہیں ہوتے۔ البتہ اگر والدین اپنے کسی لاڈلے بچے کی بہت زیادہ طرفداری کرتے ہیں تو دوسرے لڑکے ایسی ترکیب لگاتے ہیں کہ وہ اس کو کم چاہنے لگیں۔ چھوٹے بچے جب جاسوسی کرتے ہوئے پکڑے جاتے ہیں تو بڑے انھیں سزا دیتے ہیں۔ وہ ان کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، ان سے بات نہیں کرتے۔ جو اچھی چیزیں ہوتی ہیں

ان میں ان کا حصہ نہیں لگاتے، ور انھیں نئے طریقوں سے ستاتے ہیں۔ ایسے لڑکے کے لیے وہ ایک خراب نام رکھ لیتے ہیں یا اس کی کسی نرالی عادت کی طرف اشارہ کرتے رہتے ہیں جو اس کے لیے ہمیشہ کی پریشانی اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ جب ان کی عمریں چھ یا سات سال کی ہو جاتی ہیں تو بھائی بہن الگ الگ گروہوں میں بٹ جاتے ہیں۔ اس بات کو جانتے ہوئے کہ لڑکوں کا درجہ بڑا ہوتا ہے بھائی اپنے کو بہنوں سے برتر سمجھنے لگتے ہیں۔ وہ کوئی ایسا کام کرنا پسند نہیں کرتے جسے زنانہ کام سمجھا جا سکے۔ اور اگر مجبوراً ایسا کام کرنا پڑتا ہے تو وہ اس پر اپنی انتہائی ناپسندیدگی کا اظہار کیے بغیر نہیں رہتے۔ یہ کام وہ اپنے کھیل کے ساتھیوں سے پوشیدہ رکھ کر کرتے ہیں کیوں کہ اگر ان میں سے ایک بھی دیکھ لے تو یہ خبر فوراً پھیل جائے گی۔ اور دوسرے لڑکے جب ان سے ملاقات ہوگی تو تمسخر کے آوازے اور چٹکلے کسنے سے باز نہیں ہوں گے۔ اس نوبت پر وہ اپنی بہنوں پر اپنی برتری کا سکہ بٹھانے لگتے ہیں۔ اب لڑکوں کے کھیلوں میں آخرالذکر کو شریک نہیں ہونا چاہیے۔ اگر اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کوئی ایسا کام کر رہی ہیں جو بالخصوص مردانہ ہے تو ان سے کہا جاتا ہے "جاؤ اور اپنے برتنوں کو دیکھو گھر کے اندر بہت کچھ کام ہے"۔ اس مطالعہ کی غرض سے جو مواد تیار کیا گیا ہے اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ بھائی اور بہنوں میں کوئی مستقل اور جذباتی لگاؤ ہوتا ہے۔ اس طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ شادی کے چند سال بعد لڑکی اپنے والدین کے گھر کو تقریباً ایک اجنبی کی طرح آتی ہے۔ اس کے برخلاف شادی سے پہلے بہنوں میں بہت محبت ہوتی ہے لیکن ان کی صورت میں بھی شادی کے بعد یہ کم ہوتی ہوتی جاتی ہے۔

تمام بھائی یا تو اسی مکان میں رہتے ہیں یا اگر وہ علاحدہ بھی ہوتے ہیں تو اسی گاؤں میں رہتے ہیں۔ نقل مقام نسبتاً کم ہوتا ہے اور اگر ایک بھائی کہیں دوسری جگہ چلا بھی جاتا ہے تو گاؤں میں رہنے والے بھائیوں کے خاندانوں سے وہ اپنے تعلقات جاری رکھتا ہے۔ بھائی اگر علاحدہ بھی ہو جائیں تو روایات کے تقاضے یہی ہیں کہ ان میں یکجہتی قائم رہے۔ ضرورت کے وقت ان کو ایک ساتھ کھڑا ہونا چاہیے۔ اور ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ خاندانوں میں بہت سی غلط فہمیاں ہوتی ہیں جن کے نتیجے میں جھگڑے بھی ہوتے ہیں لیکن جب نازک حالات پیدا ہو جاتے ہیں تو وہ آپس میں تعاون کرتے ہیں اور مدد کی ضرورت کا وقت آ جائے تو ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ جو ایسے موقع پر پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور توقع کے مطابق ساتھ نہیں دیتے تو ان پر کمیونٹی کے لوگ اعتراض کرتے ہیں اور گاؤں کے بڑے بزرگ انھیں سر عام تنبیہ بھی کر سکتے ہیں

بہر حال بھائیوں میں بین شخصی تعلقات کا عام رجحان آپس میں گہری محبت اور جذبات نہیں رکھتا۔ مفاہمت سمجھی جاتی ہے لیکن اس کا حصول دشوار سمجھا جاتا ہے۔ تاہم تقاریب کے مواقع اور مصیبت کے لمحات میں رشتہ داری کے تعلقات انھیں بلا کم و کاست ایک دوسرے کے قریب کر دیتے ہیں۔

خاندان کے دیگر رشتہ دار

یہاں مختصر طور پر کچھ ایسے رشتہ داروں کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے جو دیگر زمرے سے تعلق رکھتے ہیں مگر مشترکہ خاندان کے ایک ہی مکان میں ساتھ رہتے ہیں۔ دادا، دادی کو بہت شفیق سمجھا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے پوتوں کو خراب کر دیتے ہیں۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ وہ لوگ جن کے متعلق مشہور تھا کہ سخت قسم کے باپ ہیں اپنے پوتوں کے ساتھ بالکل جداگانہ قسم کا سلوک کرتے ہیں۔ وہ ان کے ساتھ نرمی اور دوستی رکھتے ہیں اور ان میں کافی دلچسپی لیتے ہیں۔ پوتوں کو خوش کرنا اور ان کی باتوں سے خوش ہونا دادا دادی کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔ ہر وقت ہی وہ ان سے کھیلتے ہیں اور گود میں لیے پھرتے ہیں۔ جب بچوں کے ماں باپ ان پر خفا ہوتے ہیں تو بچے اکثر اپنے دادا، دادی کا سہارا لیتے ہیں۔ ایسے بہت کم دادا، دادی ہیں جو بچوں کے رویہ کی شکایت کرتے ہوں اور وہ شاذ ہی ان کو طمانچہ لگاتے ہیں۔

چچا سے باپ کی طرح اور چچی سے ماں کی طرح پیش آنا چاہیے۔ لیکن اس رشتہ میں بہت کچھ انحصار چچا کی عمر اور اس کی شخصیت پر ہوتا ہے۔ اگر اس کی عمر باپ کے بجائے لڑکوں کی عمر کے قریب ہے تو اسے معزز بڑا بھائی سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر وہ عمر میں باپ کی عمر کے قریب ہے تو لڑکے اس سے ڈرینگے اور اس کی عزت کرینگے۔ بچے چچا سے رابطہ ضبط اس کے کردار اور شخصیت کے مطابق رکھتے ہیں۔ کچھ چچا دوست ہوتے ہیں وہ ہمیں کافی آزادی دیتے ہیں اور والدین کی خفگی سے ہمیں بچاتے ہیں۔ ہم انھیں پسند کرتے ہیں اور خوشی سے ان کا چھوٹا موٹا کام کرتے ہیں۔ لیکن دوسرے مختلف ہوتے ہیں وہ ہمیشہ چیں بہ جبیں رہتے ہیں اور معمولی سی بات پر خفا ہو جاتے ہیں۔ ہم ان کا کام بھی کرتے ہیں لیکن بہت بادل ناخواستہ۔ ہم ان کے پیٹھ پیچھے منہ چڑھاتے ہیں۔ یہی باتیں چچی پر بھی صادق آتی ہیں۔ چچا کے بیٹے اور بیٹیوں کو بھائیوں اور بہنوں کی طرح سمجھنا چاہیے۔ اور مشترک خاندان میں ان کے ساتھ لازماً ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے بھتیجے اور بھتیجیوں کو اپنے بچوں جیسا سمجھنا چاہیے۔ اگرچہ حقیقی طور پر ایسا ہونا دشوار ہے لیکن بھائی کے بچوں کو نظرانداز کر کے اپنے بچوں کے ساتھ طرفداری اور زیادہ چاہت دکھائی جائے تو خاندان میں اس سے نااتفاقیاں پیدا ہو جائینگی۔

بیرون خاندان تعلقات:- شادی کے رشتہ دار قریبی تعلقات نہیں رکھتے۔ ان لوگوں سے صرف تقریبی اور رسمی مواقع پر ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ اور ایسی محفلوں میں ان طریقوں پر چلا جاتا ہے جو رواج کے مطابق ہوتے ہیں۔ ایک شخص اپنے خسر اور ساس کی عزت کرے گا اور ان کے پاؤں چھوئے گا لیکن اس سے ان کے تعلقات ہمیشہ رسمی قسم کے رہیں گے۔ اور ان میں شاذ ہی بے تکلفی یا جذباتی لگاؤ ہوگا۔ اسی طرح میاں بیوی کے متعلقہ ساس خسر میں بھی تعلقات نقطۂ رسمی ہوں گے۔ جب یہ لوگ تقریبات میں ملتے ہیں۔ یا ایک دوسرے سے ملاقات کرنے جاتے ہیں تو وہ نرمی سے گفتگو کرتے ہیں اور دانستہ طور پر ایسے بحث طلب امور سے گریز کرتے ہیں جو ناخوشگواری کا باعث ہو سکیں۔ اگر کسی لڑکی کا باپ اس وجہ سے مداخلت کرنے پر مجبور ہو جائے کہ اس کے شوہر کے گھر میں اس کی زندگی میں دشوار ہو گئی ہے تو وہ نہایت ہوشیاری سے کام لے گا اور بالواسطہ معاملہ کرے گا۔ صلح کن تصفیوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور ہر جھگڑے سے گریز کی کوشش کی جاتی ہے۔

خاندانی حدود کے باہر کسی شخص کے اور اس کے سالوں کے درمیان تعلقات خاص نوعیت رکھتے ہیں۔ چونکہ بیوی اس بات کو مرجح رکھتی ہے کہ جیسے میرے بھائی بہنوں میں۔ مثلاً یہ بات کی جاتی ہے کہ لڑکا اس طرح جیت میں رہتا ہے کہ اسے سالوں کے گھر سے بیوی ملے گی اور لڑکی یہ محسوس کر سکتی ہے کہ وہ اس کے گھر بہو کی حیثیت سے جائے گی۔ اپنی بیوی کے چھوٹے بھائیوں اور بہنوں سے ایک شخص کا مذاق کا رشتہ ہوتا ہے۔ جس کو رسوم نے مناسبت دی ہے۔ اظہار جو اسے دیا ہے وہ اسے اکثر استعمال کرتا ہے۔ دوسرے سسرالی رشتہ دار مثلاً نانا نانی ایسے دور ہو جاتے ہیں اور ان سے رابطہ اتنا کم ہوتا ہے کہ ان کے تعلق سے رواجی طریقہ منضبط نہیں۔

ایسے عزیزوں سے معاملہ میں جو خاندانی دائرہ سے باہر ہیں مجوزہ تہذیبی اخلاق پیش نظر رکھنے چاہئیں۔ تمام تقریبات کے مواقع پر انہیں دعوت دینی چاہیے۔ اور جب وہ آئیں تو ان کا اچھا استقبال کرنا چاہیے۔ خود تقریب میں ان کو ایسی اعزازی جگہ دی جانی چاہیے جو ان کی عمر اور عزیزداری کے رتبہ کے مطابق ہو۔ عزیزداری انہیں مہمان نوازی کا مستحق گردانتی ہے اور گھر کی آمدنی اور استطاعت کے بموجب ان کی مناسب خاطر ہونی چاہیے۔ جب وہ مہمان رہیں تو معمول کے مطابق ایسے مہمانوں کے اعزاز میں خاص کھانا تیار کیا جاتا ہے اور ہمیشہ اس کا بہترین حصہ ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ جتنے دن وہ گھر میں بہ مہمان رہیں ان کے آرام کی طرف پوری توجہ دینی چاہیے۔

مسلمانوں میں چچیرے، ممیرے عزیزوں سے شادیاں خالف اور متوازی دونوں رشتوں سے جائز ہیں بلکہ آخر الذکر کے لیے ترغیب ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے دو بھائیوں کے لڑکوں کے درمیان بین شخصی تعلقات ان طریقوں سے کچھ مختلف ہوتے ہیں جن کا بیان پورے کمیونٹی کے متعلق کیا جا چکا ہے چچیرے ممیرے لڑکے اور لڑکیاں بھائی اور بہن کی طرح کھیلتے ہوئے بچپن گذارتے ہیں۔ آٹھ نو برس کی عمر میں انھیں علاحدہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن یہ علاحدگی نہ سخت ہوتی ہے اور نہ کامل کیوں کہ اس کے بعد بھی وہ ملتے رہتے ہیں اور جب چاہتے ہیں ایک دوسرے سے بات چیت کا موقع نکال لیتے ہیں۔ لیکن جب رسمی طور پر شادی کے پیغامات شروع ہو جاتے ہیں تو لڑکی پردہ کرنے لگتی ہے۔ اور برقعہ پہننا شروع کرتی ہے۔ اس وقت سے یہ دونوں راست تعلقات نہیں رکھ سکتے۔ لیکن اگر ان میں شادی ہونے والی نہ ہو تو یہ پہلے کی طرح رہ سکتے ہیں۔ دونوں کے لیے صحیح قسم کا طریقہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو بھائی بہن سمجھیں۔

باب ششم

معیارِ زندگی

(1) کمیونٹی میں رتبہ جاتی تفاوت

شاہ میر پٹھر کی دیہی کمیونٹی میں ان کے مرتبہ کے تفاوت کی وجوہات حسبِ ذیل ہیں۔

(1) مذہب اور ذات (2) زمینی ملکیت (3) دولت (4) سرکاری ملازمت اور گاؤں کی تنظیم میں مرتبہ (5) عمر (6) امتیازی شخصی خصوصیات۔

مذہب کمیونٹی کو دو واضح گروہوں میں تقسیم کرتا ہے، ہندو اور مسلم، جو بلحاظ عقائد ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ ہندو مذہب پرانا اور از منۂ قدیم سے قائم ہے۔ گاؤں کے لوگوں کی اکثریت ہندو ہے۔ مسلمانوں میں اونچی اور نیچی ذات والے زیادہ تر وہ مقامی لوگ ہیں جنہوں نے مذہب تبدیل کیے۔ ہندو لوگ فطری طور پر اپنے مذہبی اعتقادات اور اس کی قدامت کی بنا پر اپنی برتری کا احساس رکھتے ہیں اور مختلف ذاتوں کے لوگوں کا غیر امتیازی طور سے مسلم کمیونٹی میں میل جول پسند نہیں کرتے لیکن 1948ء تک وہ ان احساسات کا اظہار کھلے بندوں نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کو ریاستی انتظامیہ کی پشت پناہی حاصل تھی۔ ریاست مسلمانوں کی حکمرانی میں تھی اور حکمران قوم ہونے کے باعث گاؤں کے مسلمان فطری طور بہتر موقف میں تھے۔ وہ ہندوؤں پر برتری جتاتے تھے اور گاؤں کے معاملات پر حاوی رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ عملی وجوہ کی بنا پر ہندو مجبوراً خاموش رہتے تھے لیکن مسلمان ان پر زبردستی بیدینی کا الزام دھرتے تھے۔ اس کا ردِعمل بھی ہوا۔ پولس ایکشن کے بعد جب مسلم جاگیردارانہ ریاست باقی نہیں رہی تو ہندوؤں نے مسلمانوں کے مذہب اور ان کے معاشرہ کی کھلی تحقیر کرکے بدلہ لیا۔ اب مسلمانوں کی باری تھی کہ خاموشی اختیار کریں اور ذلت اور توہین برداشت کریں۔ ہماری تحقیقات کے وقت ایسے جذبات زیادہ تر ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔ اور کوئی قابلِ لحاظ کشیدگی زیرِ مشاہدہ

نہیں آئی۔ بحیثیت گروہ ہندو اور مسلم دونوں اپنے کو مذہبی طور پر برتر سمجھتے ہیں۔ سماجی اور معاشی نقطہ نظر سے مسلمانوں کو ایک علٰحدہ ذات سمجھنا چاہیے جس کی سماجی حیثیت کم و بیش زراعتی ذاتوں کے برابر ہے۔

ذات سماجی تفاوت کے عامل کی حیثیت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس کے ڈھانچہ میں ذات پات کا نظام بلاشبہ مدارجی نوعیت کا حامل ہے۔ اعلیٰ ترین اور ادنیٰ ترین ذاتوں کے درمیان کئی ایک درمیانی طبقے ہیں۔ کسی شخص کے کسی خاص سماجی مرتبہ کا تعین بالعموم اس کی ذات کی بنا پر ہوتا ہے۔ کسی ذات میں پیدا ہونے ہی کا واقعہ اس کے لیے اچھی ابتدا کا باعث بن جاتا ہے۔ آئندہ باب میں مختلف ذاتوں کے اوصاف اور ان کی خصوصیات سے متعلق گاؤں کی کمیونٹی میں چند موجودہ نمونوں کا مطالعہ کیا جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود گاؤں کی کمیونٹی میں مختلف ذاتوں کی حیثیتوں کا تعین روایتی طریقوں سے ہوتا ہے۔

مذہب اور ذات کم و بیش معین اور مستقل عوامل ہیں۔ اگرچہ عقیدہ کی تبدیلی ممکن ہے اور خاص حالات میں ایک شخص اعلیٰ تر ذات سے ادنیٰ ترین میں شامل ہو سکتا ہے لیکن ایسی تبدیلیاں شاذ ہی ہوتی ہیں۔ بہرحال اپنی سماجی حیثیت تبدیل کرنے کے لیے کوئی یہ طریقہ اختیار نہیں کرتا۔ گاؤں میں عقیدہ کی تبدیلی کی ایک ہی صورت ہمارے سامنے آئی۔ وہ مدرسہ کے موجودہ ہیڈ ماسٹر کی ہے جو ابتدا میں برہمن تھا لیکن بعد کو اس نے اسلام قبول کر لیا۔ ذات کی تبدیلی کا کوئی واقعہ ہمارے علم میں نہیں آیا۔

بحیثیت مجموعی کسی زرعی سماج میں یہ امید کرنا فطری ہوگا کہ ایک فرد کی سماجی حیثیت میں زمین اور مویشیوں کی ملکیت کا حصّہ ہوتا ہے۔ کسی زمین رکھنے والے خاندان میں پیدا ہونا اس شخص کے لیے اس بات کی ضمانت ہو جاتی ہے کہ وہ آئندہ گاؤں کی کمیونٹی کا ایک معزز رکن ہوگا زمین کا حصول مادّی طور پر اس شخص کی سماجی حیثیت کو بھی متاثر کر دے گا جو غریب گھر میں پیدا ہوا اور اگر وہ نادانی نہ کرے تو اس سے اس کا وقار بھی بڑھ جائے گا۔ ایک اچھوت مالا کو اب گاؤں کے باثر کاشت کاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور اسے سبھاؤں میں عزت کی جگہ دی جاتی ہے۔ وہ اب بھی اچھوت ہے اور آئندہ بھی رہے گا لیکن گاؤں کے معاملات میں اس کی آواز بہت زیادہ اثر رکھتی ہے۔ وہ اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ اسے ادنیٰ اور معمولی سمجھا جائے چنانچہ وہ اپنی رائے اس وقت تک نہیں دیتا جب تک خاص طور پر طلب نہ کی جائے نیز بڑی ذات والوں کے

ساتھ صحیح طریقے سے پیش آسکیں تو ہیں ہو سکتا۔ اس طرزِ عمل کی وجہ سے پوری کمیونٹی اس کی عزت اور تعریف کرتی ہے۔ ایک اور بات یہ کہ دو ملیگا کاشتکار جو اچھوت ذات میں سے سب سے پہنچے ہیں اب خوشحال ہو چکے ہیں اور زمین کے مالک ہیں۔ اپنی ذات کے غریب تمام افراد کی طرح اب انہیں مجبور نہیں کیا جاتا کہ ادنیٰ کام بلا معاوضہ انجام دیں۔

جو عزت زمین کی ملکیت کی وجہ سے صادق آتی ہے وہی دوسری قسم کی دولت کی ملکیت پر بھی صادق آتی ہے۔ مختلف قسم کے مکانات، مختلف سماجی حیثیت ظاہر کرتے ہیں۔ دولت مند اور خوش حال لوگ زرِ کثیر سے پختہ تعمیر کیے ہوئے عالیشان مکان میں رہتے ہیں۔ متوسط خاندانوں کے پاس بنگلو طرز کے مکانات ہیں اور غریب لوگ گھرسی نما جھونپڑیوں میں رہتے ہیں۔ مکان کی مناسبت سے خانہ داری کے دوسرے لوازمات بھی ہوتے ہیں چمکتے ہوئے پیتل کے برتن۔ مختلف قسم کے فرنیچر اور ایسی ہی دوسری چیزیں خاندان کے وقار میں اضافہ کرتی ہیں۔ اس سلسلہ میں عورتوں کے سونے اور چاندی کے زیورات کی بھی بہت اہمیت ہے۔ اعلیٰ سطحوں کے خاندانوں کی عورتوں میں زیادہ قیمتی دھاتوں کے زیورات کے حصول کے لیے بڑا مقابلہ ہوتا ہے تاکہ کمیونٹی کی نظروں میں ان کا وقار بڑھا رہے۔ عموماً خاندان کے مالی ذرائع کی مناسبت سے کپڑا لگایا جاتا اور اس کے افراد کے کام ہوتے ہیں۔ کسی خاندان کی سماجی حیثیت کا اندازہ لگانے کے لیے ان امور کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے

موجودہ زمانہ میں سرکاری ملازمت کو اہم اور مناسب سمجھا جاتا ہے۔ اس سے ایک معقول اور مستقل آمدنی یقینی ہو جاتی ہے۔ اور بالاتر عہدہ داروں سے قریبی تعلقات کے امکانات ہوتے ہیں۔ چونکہ ریاست کے انتظامات میں روایتی طور پر جاگیردارانہ اقتدار رہا۔ اس لیے گاؤں کے لوگ ضلع کے چھوٹے عہدہ داروں کو بھی ڈر اور عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اسی طرح گاؤں کے چھوٹے عہدہ دار اور ادنیٰ ملازمین جن کا اول الذکر سے تعلق ہوتا ہے اس بات کا اثر ڈالنے کی کوشش کر سکتے ہیں کہ پڑوس میں بھی ان کا وقار قائم ہو جائے۔ ایسے افراد جن کی ملازمتیں بہت ادنیٰ ہیں اگرچہ کہ عام طور پر گاؤں کی کمیونٹی کی نظر میں عزت حاصل نہ کر سکیں، اپنی آمدنی کی حد تک اور اپنی ذات کے گروہ میں ان کا وقار کافی بڑھ جاتا ہے۔ جو لوگ گاؤں کی مقامی انتظامیہ میں کوئی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً گاؤں کے چودھری، گنادی اور گاؤں کے سبھا کے اراکین، تو یہ لوگ بھی اپنے عہدہ کی اہمیت کے لحاظ سے کافی وقار اور اثر رکھتے ہیں۔

عمر اب بھی رتبہ کے تفاوت کا اہم عنصر ہے۔ عام قاعدہ کے مطابق معمر اور بڑے لوگوں کی

عزت ہونی چاہیے۔ ان کے پاس سفید بالوں کی سند اور زندگی کے نشیب و فراز کا وسیع تجربہ ہے نوجوان افراد کو چاہیے کہ تمام اہم مسائل میں خاندان کے بڑے لوگوں سے مشورہ کریں اور ان کی رائے اور صلاح پر پوری توجہ دیں۔ ان صورتوں میں بھی جہاں رشتہ داری کے تعلقات اس قسم کی عزت کے متقاضی نہیں ہوتے نوجوانوں کے لیے یہ چیز مہذب سمجھی جاتی ہے کہ وہ بڑوں کا لحاظ کریں۔ اپنے خاندان اور ذات سے باہر بھی ہندوستانی سماجی تعلقات کا یہ تقاضہ ہے کہ دوسرے خاندانوں کے لوگوں کو بھی رشتہ داری کی اصطلاحوں میں ان کی عمر کے لحاظ سے دادا، چچا، بھائی کے الفاظ سے مخاطب کیا جائے۔ گاؤں کے بڑوں سے دانستہ بے اتفاقی اور بے ادبی پر سماج میں نکتہ چینیاں ہوتی ہیں۔

مزید برآں شخصیت کے نمایاں انداز اور غیر معمولی یا کسی مشکل ہنر میں مہارت بھی ایک فرد کے وقار میں اضافہ کا باعث ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں سماج میں اس کی حیثیت بدل سکتی ہے۔ تعلیم اور موثر گفتگو کی قابلیت بھی بلاشبہ ایک سرمایہ ہے۔ بین شخصی تعلقات میں نیز عام طور پر سماجی پیش رفت میں ایک شخص کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار بڑی حد تک اسی خصوصیت پر ہوتا ہے۔ شخصی خصوصیات کا ایک جزو زندہ دلی ہے جسے کافی پسند کیا جاتا ہے۔ وہ شخص جو دوسروں کو ہنسا سکتا ہو محفل کے لیے نہایت پسندیدہ شخص سمجھا جاتا ہے۔ ایک فرد کے وقار کو بڑھانے میں اس کی علم و ہنر میں مہارت بڑی مدد کرتی ہے۔ دو اشخاص جو سالے ذات سے تعلق رکھتے ہیں دیسی دوائیوں کے استعمال سے گاؤں کے ڈاکٹر مشہور ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے ان کا سماجی مرتبہ بلند ہو گیا ہے حالانکہ روایتی طور پر ان کی ذات اونچی نہیں ہے۔ سی۔ آر۔ ایک اچھوت مدیگا کو بھی کسی قدر سماجی عزت اس لیے حاصل ہے کہ وہ دیہی طرز کے گانے نظم کرتا ہے۔ دب، ایک حجام ہے اسے بھی مقامی شاعر ہونے کی ایک ایسی ہی شہرت حاصل ہے۔

اس نوبت پر چار دیگر عوامل کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے جو جنس، تعلیم، شہری تعلقات اور سیاسی روابط ہیں۔ ان میں پہلے کا تعلق سماجی ساخت سے ہے اور باقی تین نسبتاً نئے ہیں عام طور پر مرد کو عورت سے برتر سمجھا جاتا ہے۔ گاؤں کی مقامی تنظیم میں تمام عہدوں پر مردوں کا قبضہ ہے۔ چند خاندانوں کے علاوہ جن میں ذکور نہیں ہیں باقی تمام گھرانوں میں مرد ہی کو صدر خاندان مانا جاتا ہے۔ لیکن عورت کے رتبہ کا تعین زیادہ تر دیگر عوامل سے ہوتا ہے۔ خصوصاً اس کی ذات ملکیت زمین، دولت، عمر اور نمایاں شخصی خصوصیات اور سرکاری ملازم یا گاؤں کے عہدہ داروں سے تعلقات۔ لیکن اگر اس کی ذات، آمدنی اور عمر وہی ہو جو مرد کی، تو اس صورت میں اس کا مرتبہ

لازماً مرد سے کم ہوگا۔

تعلیم کو اب اہم سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہ عالم بسیط کے ادراک کے لیے کلید فراہم کرتی ہے اور عہدہ داروں اور چالباز شہریوں سے حقوق اور مطالبات منوانے کے لیے بہتر طور پر تیار کر دیتی ہے۔ تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے سرکاری ملازمتیں حاصل کرنا نسبتاً آسان ہے۔ یہ بات عام طور پر مانی جاتی ہے کہ تعلیم یافتہ گاؤں کے ہم پلّہ ان پڑھ اشخاص کے مقابلہ میں سرکاری عہدہ داروں سے زیادہ خوبی کے ساتھ ربط قائم کر سکتے ہیں اور ان پر اثر ڈال سکتے ہیں۔ لیکن اس گاؤں کے تعلیم یافتہ بیشتر ایسے تھے جن کی پڑھائی گاؤں کے مدرسہ میں صرف چار سال ہوئی تھی۔ یہاں ابھی تک کسی نے اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کی۔ ہماری تحقیقات کے وقت گاؤں کے چار لڑکے شہر کے ثانوی مدرسہ میں تعلیم پا رہے تھے اور یہ سب سے پہلے تھے جنہوں نے انگریزی پڑھنی شروع کی تھی۔ معاشی فوائد اور سماجی وقار جو جدید تعلیم کے ذریعہ حاصل ہوئے اس نے اسے نشان امتیازی بنا دیا۔ اور یہ امید کی جاتی ہے کہ مستقبل قریب میں گاؤں کے لڑکے سکندرآباد و حیدرآباد کے ثانوی مدرسوں میں بڑی تعداد میں شرکت کریں گے۔

اگرچہ گاؤں کے لوگوں میں شہر کے طریقوں اور دیگر تہذیبی رویوں کے متعلق کافی بدظنی اور بے اعتمادی ہے تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ عام طور پر گاؤں کے لوگ شہریوں کی اہمیت اور ان کی برتری کے معترف ہیں۔ ایسے اشخاص جو شہر سے تعلق رکھتے ہیں گاؤں کے معمولی لوگوں کے مقابلہ میں اپنے لباس طرز گفتگو کھانے پینے اور تفریحات سے اپنا امتیاز ظاہر کرتے ہیں۔ گذشتہ پندرہ برسوں میں گاؤں کی آبادی کے لیے شہری اطوار کی تقلید کو اعزاز کے لیے امتیازی عنصر تسلیم کر لیا گیا ہے۔

پولیس ایکشن کے بعد حیدرآباد میں جمہوری طرز حکومت کی ابتدا کے باعث ریاست کے دیہی علاقوں میں بہت سی سیاسی جماعتوں کی جدوجہد کا ایک جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ سیاست اور انتخابات لوگوں کو ایک قسم کا کھیل معلوم ہونے لگے اور انہوں نے ابھی اس کے گہرے اور وسیع مضمرات کا احساس نہیں کیا ہے۔ جو حوصلہ مند لوگوں کے لیے اور ایسے لوگوں کے لیے جو اپنی اہمیت جتانا چاہتے ہیں سیاسی جماعتوں سے الحاق ایک راہ پیدا کر دیتا ہے۔

جو سماجی حیثیت کسی فرد کو کسی ذات کے نظام نے عطا کی ہو اسے "عطا کردہ رتبہ" کہنا چاہیے کیونکہ اس میں حیثیت کے تفاوت کے اظہار کے لیے یہ ایک اہم عامل ہے۔ لیکن دوسرے ایسے اجزا بھی ہیں جو ایک فرد کو اس کی کافی گنجائش فراہم کرتے ہیں کہ وہ نئی اعلیٰ تر حیثیت حاصل کرنے کے لیے راستہ

نکالے۔ اگرچہ ذات پات کا چوکھٹا نہایت سخت ہے اور اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ سماجی اعزاز
کے روایتی توازن میں کسی شخص کی حالت میں کوئی تغیر کیا جائے تاہم دوسری نوعیتوں کے استفادہ سے
ایک آدمی پھر بھی اپنی حیثیت بڑھا سکتا ہے، اور سماجی وقار حاصل کر سکتا ہے۔ عام طور پر یہ کہا جا
سکتا ہے کہ جدید سماجی و معاشی رجحانات کے تحت رتبے کے تفاوتی مطمع نظر میں یہ تبدیلی ہوئی ہے کہ
رتبہ جاتی نظام کے بجائے حیثیت و رتبے کے اکتساب کے نظام کو بہتر قرار دیا گیا ہے تاہم روایتی طریقے کی
گرفت اب بھی سخت ہے اور ایسے لوگ جو نیچ ذات کے ہیں یا دوسرے جو کمتر ذات کے ہیں انہیں کمیونٹی
میں اپنا اثر اور اہمیت بڑھانے کے لیے نہایت ہوشیاری اور سمجھ سے کام لینا چاہیے۔ اگر ایسے لوگ،
دولت، سرکاری عہدہ یا اپنی کوشش سے کوئی ہنر حاصل کر لیں تو وہ سماجی وقار حاصل کر سکتے ہیں
بشرطیکہ وہ ظاہر داری اور نمائش سے احتراز کریں۔ اور روایات نے جو پابندیاں ان پر عائد کی ہیں ان
کو توڑنے پر مصر نہ ہوں۔ اگر ایسا شخص مناسب انکساری کے ساتھ پیش آئے تو لوگ کہیں گے "دیکھو
دولت نے بھی اس میں غرور پیدا نہیں کیا وہ اپنی کم ذاتی اور روایتی حیثیت نہیں بھولا۔ وہ اچھا آدمی
ہے اور ایسا شخص زندگی میں ہمیشہ کامیاب رہتا ہے" اس کے برخلاف اگر وہ اپنی اہمیت جتائے
اور اس میں اخلاق کا فقدان ہو تو نتیجہ میں رائے اس کے مخالف ہوگی۔ لوگ کہیں گے "جب ہلکی ذات کا
آدمی دولت مند ہو جاتا تو اس کا دماغ پھر جاتا ہے۔ اس آدمی کو دیکھو ابھی کل تک اس کا باپ
راہگیر تھا اس کی جیب میں چند سو روپے آگئے ہیں تو وہ ایسا بنتا ہے گویا گاؤں ہی کا مالک ہے"۔

پیدائش، دولت اور خاص قسم کے شخصی اوصاف امتیازی علامات ہیں لیکن یہ عام آدمی کے
حصہ میں نہیں آتے۔ گاؤں کا عام آدمی خود مکتفی اور مستقل ٹھکانہ رکھتا ہو تو وہ اسی کو عزت کی نشانی
سمجھتا ہے ایک شخص جو دھرمیڈی کا شتکار کے متوسط گھرانے سے تعلق رکھتا ہے اس طرح کے آدمی کی
عام تصویر یہ بتاتی ہے "وہ متمول نہیں ہے لیکن خوش حال زندگی گزارتا ہے اور اچھا کھاتا ہے، اس کے
گھر میں جھگڑے نہیں ہوتے اور نہ کوئی بدنامیاں ہیں وہ کسی کو قرض نہیں دیتا لیکن وہ کسی سے قرض
بھی نہیں لیتا۔ وہ ایک قانع شخص ہے" ایک مسلمان کاشتکار نے کہا "اگر تم کو تین وقت نہ سہی
روزانہ دو وقت ٹھیک طور سے کھانا مل جائے۔ اگر تمہاری بیوی بچوں کے پاس اتنا کپڑا ہے کہ وہ
اپنا تن ڈھانک سکیں، اور اگر تمہارے پاس ایک چھوٹا سا مکان، بیلوں ایک جوڑی اور کچھ اپنے
کھیت ہیں تو پھر کوئی اور ایسی چیز نہیں ہے جس کی تم خواہش کرو" ایک اور مثال ایک اچھوت
مدیگا کی ہے جس نے کہا "کیا سب آدمی دولت مند ہی ہوں گے؟ یہ کوئی خوش قسمتی کی بات نہیں ہے

کر دولت جمع کرنے کی فکر میں آدھی عمر صرف کردی جائے اور جو باقی بچے اسے اس کی حفاظت کرنے کی فکر میں گزاری جائے۔ بکاشتکار کے لیے دولت مند ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر کچھ مانگنے کے لیے اسے کسی کے سامنے سر نہ جھکانا پڑے تو یہی کافی ہوگا۔

معیارِ زندگی۔ اس کے چار درجے

شاہ پیر جھنڈے کے دیہی لوگ معیارِ زندگی کی چار سطحوں کا غیر واضح تصور رکھتے ہیں جو حسب ذیل ہے

(1) دولت مند (2) خوشحال (3) متوسط (4) غریب

ان مختلف گھرانوں کا جو گاؤں میں بستے ہیں ان کے معیارِ زندگی کی بنا پر کسی صحیح قاعدہ کے تحت مندرجہ بالا سطحوں میں تقسیم کیا جانا دشوار ہے۔ چونکہ امتیاز اصلی طور پر آمدنی کے تفاوت کی بناء پر کیا جا سکتا ہے اس لیے عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ خاندان جس کی آمدنی دو سو روپے ماہانہ سے زائد ہو اسے دولت مند شمار کیا جاتا ہے۔ جس کی آمدنی سو اور دو سو کے درمیان ہو اسے خوشحال اور جس کی پینتالیس روپے تا سو روپے ہو اسے متوسط اور جس کی آمدنی پینتالیس سے بھی کم ہو اسے غریب کہا جا سکتا ہے۔ اس حساب سے گاؤں کے خاندان کے افراد کی اوسطاً تعداد پانچ رکھی گئی ہے۔ تین بالغ دو بچے۔

اس معیار کی روشنی میں جو پورے گاؤں والوں کی متفقہ رائے کے مطابق کیرنگی کے سماجی و معاشی سروے سے گاؤں کی آبادی کی تقسیم حسب ذیل قرار پائی ہے۔

(1) دولت مند [illegible] فیصد (3) متوسط [illegible] فیصد

(2) خوشحال 22 فیصد (4) غریب 40 فیصد

ذیل کے تحت میں مختلف اشیاء کے مصارف کا فیصد اوسط درج کیا گیا ہے جو 120 خاندانوں کے سہ ماہی مجموعی موازنہ کی چار سطحوں پر مبنی ہے

اشیا اور مصارف کا فیصد

سطح	1 غذا بشمول مسالے چکنائی وغیرہ	2 لباس (بشمول زیورات)	3 دعوتیں و رسومات	4 تعمیر و ترمیم مکان	5 تعیشات (بشمول تمباکو شراب)	6 متفرقات (تفریحات، دوائیں وغیرہ)
	٪	٪	٪	٪	٪	٪
(1) دولت مند	[illegible]	15	18	11	12	10
(2) خوش حال	40	14	[illegible]	10	12	6
(3) متوسط	48	12	12	8	15	5
(4) غریب	56	10	11	5	15	3

تختۂ مندرجہ بالا سے یہ ظاہر ہے کہ یکے بعد دیگرے ہر نچلی سطح کے لیے غذا پر فیصد مصارف یعنی اناج، گوشت، ترکاری، نمک، مسالے اور روغن بتدریج بڑھتے ہیں۔ دولت مند اور خوش حال طبقہ کے لوگ لباس اور زیورات پر زیادہ صرف کرتے ہیں اور نچلی سطح والے ان اشیا پر نسبتاً کم خرچ کرتے ہیں۔ اسی طرح ضیافتوں اور تقریبات پر صرف پہلی دو اعلیٰ سطحوں میں نسبتاً زیادہ ہے اور غریب تر طبقوں میں کم تر پڑتا ہے۔ مکان کی تعمیر و ترمیم اور تمام غیر منقول جائداد سوائے زمین کی کاشت کے نیز مویشی اور سامان کی داشت پر، سطحوں کی اونچائی کی نسبت سے فیصد مصارف لازماً زائد ہو جاتے ہیں۔ یہ بات اس چیز سے واضح ہوتی ہے کہ نچلی سطحوں پر بجائے مزدور لگانے کے لوگ ان کاموں کو خود کر لیتے ہیں۔ یہ بات تعجب خیز معلوم ہوتی ہے کہ متوسط اور غریب لوگ نسبتاً تعیشات پر زیادہ صرف کرتے ہیں لیکن یہ چیز اس بات سے واضح کی جا سکتی ہے کہ ان کے عادات میں تمباکو اور شراب شامل ہیں۔ اور گاؤں میں بہت سارے لوگوں کی عادت شراب اور تمباکو پینے کی ہے۔ آخر میں متفرقات کا مد ہے جس میں ضیافتوں، تفریحات، ادویہ اور دوسرے خانہ داری کے ناگہانی مصارف شامل ہیں ان پر غریبوں کا صرف کمترین ہوتا ہے اور جیسے جیسے سطح اونچی ہوتی جاتی ہے ان مدات پر مصارف کا موازنہ بھی بڑھتا جاتا ہے۔

کسی خاندان کے معیار زندگی کی خصوصیات حسب ذیل سے نمایاں ہوں گی :-

مکان کا طرز اور خانہ داری کے اسباب، لباس اور زیورات کام کی نوعیت جو افراد خاندان انجام دے

رہے ہوں اور ان کی غذا۔ مختلف النوع قسم کے مکانوں اور ان کی اوسط ملکیت کا حوالہ پہلے ہی دیا جا چکا ہے۔ عام طریقہ پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مکان اور اس کے سامان سے اس کے مالک کی معیار زندگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ سونے چاندی کے زیورات نیز قیمتی کپڑوں کو برتر معاشی رتبہ کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ برہمن، کومٹی، متمول ریڈی اور خوش حال مسلمانوں سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق لباس پہنیں گے۔ کم ذات والوں بالخصوص اچھوتوں پر اعتراض کیا جاتا ہے وہ اعلیٰ ذات والوں کے طرز لباس کی نقالی کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر انہیں دولت حاصل بھی ہو جائے تو ان کی معمولی سماجی حیثیت کے مطابق ان کے کپڑوں کا جو روایتی طرز رہا ہے وہی جاری رکھنا چاہیئے۔

آگے کے دو ذیلی حصوں میں تقسیم کار اور کمیونٹی کے چار سطح زندگی اور ان کی اغذیہ میں اختلافات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

3- کام۔ تقسیم کار

کمیونٹی میں تقسیم کار کے مختلف عوامل ہوتے ہیں۔ ان میں سے اہم یہ ہیں۔ ذات، جنس، عمر اور سماجی رتبہ۔

تقسیم کار کا اہم اور فیصلہ کن عامل ذات ہے۔ اس طریقہ کے تحت بہت سے پیشوں کو ذات کی اجارہ داری میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔ البتہ کچھ پیشے کھلے ہوئے ہیں جنہیں تمام ذات والے اختیار کر سکتے ہیں۔ پیشہ میں تقسیم کار کے اس طریقہ پر باب ● میں کچھ وضاحت کے ساتھ بحث کی جا چکی ہے۔

کمیونٹی کے تقریباً ہر نوعیت کے کاموں میں جنس، عمر اور سماجی رتبہ کے لحاظ سے تقسیم کار کا تعین ہوتا ہے۔ اولاً ذکور اور اناث کے کاموں میں واضح امتیاز کیا جاتا ہے۔ عورت مرد کا کام کرے تو اس پر ہنسی ہوتی ہے اور اگر مرد کوئی ایسا کام اپنے سر لے جو عورت کے لیے مخصوص ہے تو یہ گپ بازی کا دلچسپ موضوع بن جاتا ہے۔ خانہ داری کا کام، کاروبار ئے زراعت، روایتی صرفہ یا خاندانی پیشہ اور سماجی مذہبی رسوم و تقریبات۔ ان سب کے لیے تقسیم کار جنسی بنیادوں پر ہوتی ہے۔

عمر کا عنصر بھی اتنا ہی اہم ہوتا ہے لیکن اس میں اتنی شدت نہیں۔ سماج عمر کی چھ بنیادی تقسیموں کو تسلیم کرتا ہے (۱) زمانہ شیر خواری پیدائش سے دودھ چھڑانے تک (۲) بچپن۔ دودھ چھڑانے کے وقت سے تقریباً بارہ سال کی عمر تک (۳) بڑے لڑکے یا لڑکیاں: بارہ سال سے شادی تک یا ایک دو سال بعد تک (۴) جوان لوگ۔ بیس سال سے تقریباً 30 سال تک (۵) ادھیڑ۔ تقریباً 30 سال سے 50 سال تک (۶) معمر پچاس سال سے اوپر۔ ان میں سے کم عمری ہر تقسیم ایک مسلّمہ

حیثیت رکھتی ہے جس کی روشنی میں فرد کے لیے نوعیت کار و مقدار کا تصفیہ کیا جاتا ہے کیونٹی کے صرف نچلے طبقہ کاروں میں بچے کو خانہ داری اور پیشہ کے کاموں میں مستقل طور پر کچھ حصّہ لینا پڑتا ہے۔ اوپری سطح کے خاندانوں میں بچے کبھی کبھی چھوٹا کام کر دیتے ہیں لیکن ان پر کوئی ذمّہ داری نہیں ہوتی۔ عمر کے بڑھنے کے ساتھ لڑکیوں کو امور خانہ داری میں زیادہ دلچسپی لینی پڑتی ہے۔ بڑی عمر کے لڑکے اور لڑکیوں کو دائمی طور پر کام کرنا سیکھنا چاہئے۔ اور آہستہ آہستہ ان کے سپرد کچھ ذمّہ داریاں کی جاتی ہیں بہر حال پورے کام انجام دینے اور گھر کا کاروبار چلانے کے ذمّہ دار نوجوان لوگ ہوتے ہیں۔ ادھیڑ عمر کے لوگ کام میں کسی قدر عملی حصّہ لیتے رہتے ہیں لیکن ان کا وقت زیادہ تر منصوبہ بندی، ہدایات اور نگرانی میں صرف ہوتا ہے اپنی عمر اور شخصیت کے لحاظ سے معمر اشخاص نوجوان افراد کے کاموں کی نگرانی اور ہدایات کرتے رہتے ہیں۔ جب ان کی عمریں اور بڑی ہو جاتی ہیں تو یہ صرف مشورہ دینے پر اکتفا کرتے ہیں بالآخر عملی کاموں یا ان کی منصوبہ بندی سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ اور اپنا زیادہ وقت بوڑھوں اور پوتیوں میں صرف کرتے ہیں

عام سماجی رتبہ کے لحاظ سے بھی فرد کے نوعیتِ کار کا تعین ہوتا ہے۔ مثلاً ایک معزز سماجی حیثیت رکھنے والا شخص عام کنویں سے پانی نہیں نکالے گا جہاں سے دوسرے دیکھ سکیں۔ ایسے گھرانوں کی عورتیں راستے پر گو بر جمع کرتی ہوئی نہیں پائی جائینگی اور نہ وہ کھیت میں کام کرینگی۔

ان ابتدائی مشاہدات کے بعد کیونٹی میں تقسیم کار کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جا سکتا ہے ذیل کے تحت میں عورت اور مرد کے روایتی تقسیم کار کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔

کام	مرد کے کام	عورت کے کام
(۱) گھریلو کام (روزانہ کا معمول اور نگہداشت مکان)	مکان کی وقتی ترمیم و مرمت بیوی کی بیماری یا ماہواری ناپاکی کے دوران جب کوئی اور کام کرنے والی عورت نہ ملے تو خود کھانا پکانا نیز بیوی کی سخت بیماری کے زمانہ میں برتنوں کا دھونا اور صاف کرنا۔ کبھی کبھی اپنے کپڑوں کا دھونا کبھی کبھی بستر بچھانا۔	ہر روز مکان میں جھاڑو دینا اور اس کے اطراف کو صاف رکھنا کچرا پھینکنا۔ صحن میں اور صدر دروازہ کے سامنے پانی چھڑکنا شوہر کے ساتھ مکان کی مرمت کرنا۔ کنویں سے پانی بھرنا، کھانا پکانا، مردوں اور بچوں کو کھانا کھلانا، برتن دھونا، دھان سے بھوسہ نکالنا۔ غلّہ پیسنا۔ اپنے نیز بچوں اور شوہر کے کپڑوں کا دھونا۔ بستر بچھانا۔

کام	مرد کے کام	عورت کے کام
زراعت	بچوں کی دیکھ بھال کر سکتا ہے۔ جلانے کی لکڑی کاٹنا اور گھر لانا۔ بکروں اور بھیڑوں کو کاٹنا اور ان کا گوشت بنانا۔ بازار کی خرید و فروخت۔ پھل کے لیے درخت پر چڑھنا۔ مویشیوں کا چھپر تیار کرنا اور اس کی مرمت کرنا۔ گھاس کاٹنا دھان کے کھیت کا بند درست کرنا۔ زمین کھودنا	بچوں کی دیکھ بھال کرنا۔ قریبی جنگل سے جلانے کی لکڑی جمع کرنا۔ چٹنی، اچار، سوکھی ترکاریاں تیار کرنا اور ان کو محفوظ رکھنا۔ سودے کی خرید کا کام۔ باغ سے کند اور دیگر ترکاریاں چننا۔ مویشیوں کو کھلانا اور اس کے سائبان کو صاف رکھنا۔ گھاس کاٹنے اور بند درست کرنے میں مردوں کی مدد کرنا۔
	ہل چلانا۔	
	بیج بونا	بیج بونے میں مدد کر سکتی ہے۔
	کھیت میں گھاس پات صاف کرنا	کھیت میں گھاس پات صاف کرنا۔
	فصل کاٹنا۔	فصل کاٹنا۔
	فصل گھر لے جانا۔	فصل گھر لے جانا۔
3 تہوار اور رسومات	ضرورتاً مکان آراستہ کرنا۔	مکان صاف کرنا۔
	ضیافت کا انتظام کرنا کھانا تقسیم کرنا۔ ضرورتاً کھانا پکانا۔	ضیافت کے لیے کھانا پکانا۔
	حقیقی پوجا، قربانی اور دیوتاؤں کا چڑھاوا۔	پوجا چڑھاوا اور نذروں کی تیاری [illegible] لگانا۔
ولادت، شادی، اور موت۔	(۱) ولادت کسی فوری ضرورت کے لیے باہر انتظار میں رہنا	زچہ کی خدمت۔ ٹھیک ولادت کے وقت مدد دینا نومولود کی حفاظت۔ ولادت کے بعد کا کام زچہ کی خدمت۔
	(۲) شادی۔ شادی کے متعلق پیغامات اور بند و بست	عورتوں سے ہر موقع پر مشورہ لیا جاتا ہے آخری تصفیہ عام طور پر ان کی مرضی کے

کام	مرد کے کام	عورت کے کام
		مطابق ہوتا ہے۔
	کھانے اور روپیوں کا انتظام	تقریب کے لیے ابتدائی تیاری، کپڑے اور زیورات کی خرید۔
	ضیافت کے انتظامات	کھانا پکانا اور اندرونی انتظام کو دیکھنا۔ گانا
	(3) موت۔ لاش کو لے جانا قبر کھودنا یا چتا تیار کرنا۔	لاش کو جلانے یا گاڑنے کے لیے تیاری۔ رونا مٹی کے برتنوں کو پھینک دینا۔
(5) گاؤں کا انتظام اور سیاست	تمام گاؤں کے عہدوں پر چودھری سرکاری عہدوں پر مرد رہتے ہیں۔ گاؤں کی سبھا بالکلیہ مردوں کی ہوتی ہے۔	گاؤں کی سبھا میں صرف گولہ ین کے حاضر ہو سکتی ہے۔
	سازش اور گروہ بندی۔	عام طور پر مردوں کو بالواسطہ اکساتی ہیں۔ کبھی کبھی عورتوں کے جھگڑے مردوں کے باہمی تعلقات میں الجھاؤ ڈال دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا تختہ میں ذات واری پیشہ اور حرفت کے کاموں کے متعلق مردوں اور عورتوں کے درمیان تقسیم کار کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ اس ضمن میں مردوں اور عورتوں کے فرائض کی تشریح انفرادی ذاتوں کی روایات سے ہوتی ہے۔ چند خاص مثالیں کافی ہوں گی۔ برہمنوں میں صرف مرد پجاریوں کا کام انجام دیتے ہیں۔ عورتوں کو اس کام سے کوئی سروکار نہیں ہوتا گو منشی عورتیں گھر پر اپنی دوکان کا کام کر سکتی ہیں لیکن جس طرح مرد اطراف کے مواضع میں جا کے ہفتہ واری بازار کے دکان لگاتے ہیں عورتیں اس طرح نہیں جاتیں۔ کمہاروں میں مرد اور عورتیں دونوں ہی چاک پر کام کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ذات واری روایات کے بموجب کپڑا بننے والے جلاہے اپنے دائرہ عمل میں یا لاڈکیا ذلور وانا ش، مرد اور عورتیں دونوں ساتھ کام کرتے ہیں۔ یہی چیز دھوبی کی ذات پر بھی صادق آتی ہے تاہم دیگر پیشہ ور ذاتوں میں مرد اور عورتوں کے کاموں کی واضح صراحت پائی جاتی ہے۔ گولا کے لوگوں میں صرف مرد بھیڑوں اور بکریوں وغیرہ کے سندھے یا گلے باہر چرانے کے لیے لے جاتے ہیں۔ اسی

طرح گونڈلا میں صرف مرد تاڑی کے درختوں سے عرق جمع کرنے کے لیے گاؤں کا چکر لگاتے ہیں تاہم
عورتیں خمیر اٹھاتی ہیں، اسے دوکانوں میں جمع کرنے میں اور فروخت کرنے میں مدد کرتی ہیں حجام
کی ذات میں بال تراشنے اور ڈاڑھی بنانے کا کام صرف مرد کرتے ہیں۔ تھنگر پہاکے روایتی دستور میں
گاؤں کے اہل حرفہ کے گروہ کے متعلق یہ تحدید عائد ہے کہ ان پیشوں میں اصل کام کرنے والے مرد ہوں گے
عورتیں صرف معمولی ثانوی کام انجام دے سکیں گی۔ چنانچہ سنار سونے اور چاندی کے کام میں، لوہار
لوہے وغیرہ کے کاموں میں عورتوں کو بھٹی پر کام کرنے نہیں دیتے کیونکہ ان کے ذات واری روایات میں
خصوصیت سے یہ قاعدہ بنا دیا گیا ہے کہ ایسا کام صرف مرد کریں گے۔ اسی گروہ کے دوسرے شعبوں میں
عورتوں پر بڑھئی کے اوزار استعمال کرنے پر امتناع ہے۔ سماج کے نچلے طبقہ میں ارکلا مرد شکار اور جال
لگانے کا کام کرتے ہیں۔ عورتیں صرف چٹائیاں بنتی ہیں اور کچھ جوتشی کے پیشہ کے ذریعہ بھی کما لیتی ہیں۔
مدیگا میں ذکور ہی مُردہ جانوروں سے نمٹتے ہیں۔ عورتیں اس منظر میں صرف اس وقت دکھائی دیتی ہیں
جب گوشت لے جانا اور پکانا ہوتا ہے۔ چمڑے کی دباغت کا کام مرد عورتیں دونوں کرتے ہیں۔ تہواروں
تقریبات کے موقع پر صرف مدیگا کے مرد ہی باجا بجاتے ہیں۔

پہلے اس طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ مرد ان کاموں سے گریز کرتے ہیں جو عام طور پر زنانہ قسم
کے سمجھے جاتے ہیں۔ عورتوں سے یہ امید نہیں کی جاتی کہ وہ ایسے کاموں میں حصہ لیں گی جنہیں روایتی
طور پر مردانہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اپنی بیوی کی بیماری یا غیر موجودگی کے زمانہ میں مرد عورت سے
متعلق خانہ داری کے کچھ کام کر لیتا ہے۔ لیکن ظاہراً یہ ضرورت کے تحت ہوتا ہے جو شخص زنانہ کاموں میں
بیجا دلچسپی لیتا ہے وہ لازماً زنخا پکارا جاتا ہے اور اس طرح کیونکہ وہ تمسخر کا باعث بن جاتا
ہے۔ کسی شخص سے زنانہ کام کرنے کے لیے کہنا اس کی مردانگی پر معترض ہونے کے مترادف ہوگا۔ جن
لوگوں میں مردانہ اوصاف اور ہمت کی کمی ہوتی ہے ان سے طعن و تشنیع میں اکثر کہا جاتا ہے، اپنی
کلائی میں چوڑیاں پہن لو، دھان کی بھوسی نکالو اور کھانا پکاؤ۔ عورت اپنا کام چھوڑ کر کوئی ایسا کام کرے
جسے مرد کا کام سمجھا جاتا ہو تو وہ بھی سماج کی نظر میں آ جائے گی اور اس پر اعتراض ہوگا۔ یہ بات
بعید از قیاس ہے کہ کوئی عورت ہل چلائے گی۔ یہاں اس کا اظہار کیا جا سکتا ہے کہ بعض وقت مرد
کو اس بات کا احساس دلانے کے لیے کہ وہ اپنی مردانہ ذمہ داریوں کو پورا نہیں کر رہا ہے عورت
زبردستی مردانہ کام کر دکھاتی ہے اور مرد کو اس کی اصلی ذمہ داریوں طرف متوجہ کرتی ہے۔ البتہ ادھیڑ
عمر کی عورتیں اور بیوائیں سماج کی نظر ملامت میں آئے بغیر مردوں کا کچھ کام کر سکتی ہیں جس کو سماج

برا نہیں سمجھا۔

عمر کی بنیادی چھ تقسیموں کا جسے کمیونٹی تسلیم کرتی ہے تذکرہ کیا جاچکا ہے۔ دولت منداور خوش حال خاندانوں میں بچے بہت کم کام کرتے ہیں لیکن متوسط اور غریب خاندانوں میں انھیں والدین کی مدد کرنی پڑتی ہے مویشی چرانا، فصل کی مصروفیات کے زمانہ میں کھیتوں میں والدین کی مدد کرنا، اپنے سے چھوٹے بھائی بہنوں کی دیکھ بھال کرنا اور پیغامات پہنچانا، یہ سب بچوں کے کام ہیں۔ باورچی خانے میں لڑکیوں کو ماں کی مدد کرنی پڑتی ہے۔ جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی جاتی ہیں ان کا کام بھی بڑھ جاتا ہے۔ لڑکے باہر کے کام میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ اور لڑکیاں خانہ داری کے معمولات میں مشغول رہتی ہیں۔ اس منزل پر بڑے لڑکے اور لڑکیوں کو جو دولت منداور خوش حال خاندانوں کی نہ ہوں تو کام میں لگ جانا چاہیے۔ بڑی ذمہ داری بالغوں اور ادھیڑ عمر والوں کے سر ہوتی ہے اور جو کام انھیں انجام دینا ہے اس کا تصفیہ ان کے سماجی رتبہ سے ہو جاتا ہے۔

یہاں ہم اس سماجی رتبہ پر پہنچ گئے جو کمیونٹی میں تقسیم کار کا تعین کرتی ہے۔ دولت منداور بااثر لوگ کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جسے ذلیل سمجھا جاتا ہو۔ یا جس کا شمار کسی اور طرح پست کام میں کیا جاتا ہو۔ اس سطح کے لوگ عام طور پر منصوبے بناتے ہیں اور نگرانی کرتے ہیں اور سخت جسمانی کام میں معاوضہ پر مزدوری کرنے والے اپنے کھیتوں پر جاتے ہیں مگر وہاں صرف ایک طرف کھڑے ہوتے ہیں اور ملازمین کو ہدایت دیتے رہتے ہیں۔ انھیں کبھی کھیت کو ہل بیل لے جاتے نہیں دیکھا جاسکتا اور وہ ہل جوتنے اور بیج ڈالنے میں بھی کبھی حصہ نہیں لیتے۔ اس سطح کی عورتوں کے متعلق عام تصور یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں سونے چاندی سے لدی بیٹھی رہتی ہیں اور اپنا وقت پان اور سپاری کھانے میں صرف کرتی ہیں۔ تاہم ان گھروں میں عورتیں کبھی بیکار نہیں رہتیں کیونکہ وہ کھانا پکاتی ہیں اور بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں لیکن عزت کا خیال انھیں ایسی بہت سی باتیں کرنے سے روکتا ہے جسے جماعت کے نچلے درجہ کی عورتیں روز مرہ کے معمولی فرائض میں شمار کرتی ہیں۔ انھیں کبھی کھیت جاتے ہوئے سر پر بوجھ لیے ہوئے، عام کنویں سے پانی نکالتے یا عام جگہ پر کپڑا دھوتے نہیں دیکھا جاسکتا۔ دراصل گھر کے باہر انھیں کوئی کام کرنا نہیں پڑتا اور ان سے یہ امید نہیں کی جاتی کہ گھر سنبھالنے کے لیے کمائی کریں گی۔ دولت مند مسلمان عورتیں پردہ کرتی ہیں یعنی وہ گھر کے باہر بغیر برقعے کے نہیں نکلتیں اور عزت کے خیال کا یہ تقاضہ ہے کہ ان کے کام کا دائرہ سختی کے ساتھ گھر تک محدود رہے۔ خوش حال خاندانوں میں اس سلسلہ میں کافی فرق ہے لیکن اس سطح کے متعلق بطور کلیہ کوئی عام بات نہیں کہی جاسکتی۔ کیونکہ سماجی نظریہ اور

مختلف ذاتوں کے معیار میں بہت فرق پایا جاتا ہے۔ بہرحال عام طور سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ برہمن اور کوشٹی چودھری ذات کے ہیں اور گاؤں میں ان کی عزت ہے کم و بیش دولت مندوں کے نظریات کے حامی ہیں۔ اور جسمانی بھاری کام نیز ایسے تمام کاموں سے جنہیں روایتی طور پر کمتر سمجھا جاتا ہے احتراز کرتے ہیں۔ اس سطح پر یہ مسلمانوں پر بھی صادق آتا ہے جو شہری نقطۂ نظر سے متوسط طبقہ کے اعزہ کے تحت عوام کے سامنے کمتر قسم کا کام انجام دینا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ مندرجہ بالا تینوں گروہوں کی عورتیں دولت مند گھرانوں کی عورتوں کی نقالی کرتی ہیں۔ لیکن دوسرے خوش حال خاندانوں میں جن کا تعلق زراعتی اور پیشہ ور ذاتوں سے ہے، کام کے متعلق عزت کا نظریہ مختلف ہے۔ البتہ ان میں بھی بھاری جسمانی کام کرنے کے لیے مزدور لگائے جاتے ہیں۔ مثلاً بوجھے جاتا لیکن مردوں کو اپنا کھیت جوتنے میں اعتراض نہیں ہوتا اور نہ یہ گھر کے باہر کام سے گریز کرتے ہیں۔ عورتیں زیادہ تر خانہ داری کے انتظامات کی طرف توجہ دیتی ہیں اور ان سے بھی یہ امید نہیں کی جاتی کہ خاندان کی مدد کے لیے کمائیں گی نچلی دو سطحوں کے حالات تقریباً ایک دوسرے کے جیسے ہیں۔ اونچی دو سطحوں کے برخلاف ان گروہوں کے آدمیوں کو برائے نام معاوضہ پر سرکاری کام کرنے کے لیے مجبور کیا جاسکتا ہے۔ یہ اپنا زیادہ تر کام خاندان ہی کے افراد کی مدد سے پورا کر لیتے ہیں۔ متوسط لوگ اور ان کے خاندان کے افراد مزدور لگانے کے باوجود مردوں اور عورتوں کے ساتھ ساتھ کام کرتے ہیں۔ ان دونوں سطحوں میں عورتوں کو نسبتاً زیادہ آزادی حاصل ہے۔ وہ گھر کے باہر کام کرتی ہیں۔ مردوں کو زراعتی اور حرفہ کے کاموں میں مدد دیتی ہیں اور بازار سے سودا لانے کے لیے باہر جاتی ہیں متوسط خاندانوں کی عورتیں بیشتر اپنے گھروں اور خاندانی کے کھیتوں میں کام کرتی ہیں لیکن جب زراعتی فصل کی مشغولیت کا زمانہ رہتا ہے تو وہ مزدوری پر بھی کام کر سکتی ہیں۔ اس کو کسی معنی میں معیوب نہیں سمجھا جاتا اس کے برخلاف غریب خاندانوں میں عورتوں کو بڑی محنت سے کام کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ گھر چلانے کے لیے اپنا مقررہ کام اور اپنے شوہر کی زراعتی یا دوسرے پیشہ ور کاموں میں مدد کرنے کے علاوہ ان کو کبھی کبھی مزدوری پر کام کے لیے بھی راضی ہونا پڑتا ہے نیچی نچلی ذاتوں میں عورتوں سے یہ بھی امید کی جاتی ہے کہ وہ گھر چلانے کے لیے روزی کمائیں گی۔

غذا

کسی خاندان کے رہنے سہنے کے معیار کا اندازہ اکثر اس کی غذا کی قسم اور مقدار سے کیا جاتا ہے۔ کسی خاندان کی حیثیت اور اس کا معیار بتانے کے لیے لوگ اکثر کہتے ہیں "وہ اچھا کھاتے ہیں وہ تھوڑا بہت جو نہ اگا سکتے ہیں وہی کھا کے وہ کسی طرح زندگی گذار لیتے ہیں" یا "وہ جانوروں کی طرح رہتے ہیں"

اور پتیاں پھول اور جڑوں کو بھی کھا جاتے ہیں۔ بہر حال لوگوں کی بنیادی غذاؤں میں چاول باجرا، مسور، گوشت اور مچھلی شامل ہیں۔ چاول کس مقدار میں اور کس قسم کا کھایا جاتا ہے۔ غذا میں گوشت کس قدر پابندی کے ساتھ ملتا ہے، گرم مسالے، گھی، تیل اور شکر اور گراں اشیا کے استعمال میں اختلافات سے معیار زندگی کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ ہری اور پسی ہوئی لال مرچیں ہر طبقے کے لوگوں میں کافی مقدار میں استعمال کی جاتی ہیں۔ ترکاریاں برسات میں گھر کے پچھلے حصہ میں اُگائی جاتی ہیں اور تیار ہونے پر کھائی جاتی ہیں۔ جب یہ ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے تو روز کے کھانے کے لیے بہت کم ترکاریاں خریدی جاتی ہیں۔ اِملی کی نرم پتیوں کا سالن اور ان کا اچار بنایا جاتا ہے۔ اور کیونٹی کے تمام طبقوں میں یہ چیز مرغوب ہے۔ غریب لوگ بڑے پتوں والی جنگلی ترکاریاں جمع کرتے ہیں اور جن کی حالت کسی قدر اچھی ہے وہ بینگن، بھاجی اور پھلے کیلے خریدتے ہیں۔ چائے، کافی فیشن میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور دولتمند لوگ، تعلیم یافتہ نیز ایسے اشخاص جن کا تعلق شہر سے ہے ان کو عام طور پر استعمال کرتے ہیں۔ برہمن اور کومٹی کے علاوہ دیگر تمام ذاتوں کے مرد تاڑی (سیندھی) پیتے ہیں کئی ذاتوں میں عورتوں کو بھی اس سے نہیں روکا جاتا۔ کچھ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ اسے ہرگز نہیں چھونا چاہیے کیونکہ مذہبی طور سے یہ منع ہے باقی لوگ کھلے طور پر پیتے ہیں۔ شہر سے لائی گئی محدود مقدار میں دوسری قسم کی شراب بھی گاؤں میں پی جاتی ہے۔

ہندوؤں میں برہمن اور کومٹی صرف ترکاریاں کھاتے ہیں نیز ہر قسم کا گوشت، مچھلی اور انڈے ان کے لیے ممنوع ہیں۔ تمام ہندو ذاتیں گائے کے گوشت سے اپنے کو باز رکھتی ہیں۔ البتہ اچھوت مدیگا کو مردہ مویشی کھانے کی اجازت ہے جس کو ٹھکانے لگانے کی ذمہ داری ان پر ہوتی ہے۔ مسلمان گائے کا گوشت کھاتے ہیں لیکن سور سے انکار کرتے ہیں۔ ارکلا اور مدیگا کے علاوہ کوئی ہندو ذات پالتو سور نہیں کھاتی۔ البتہ مسلمانوں کے علاوہ تمام گوشت کھانے والے جنگلی سور کے گوشت کو مرغوب غذا سمجھتے ہیں۔ دودھ اور گھی صاف شدہ مکھن کی بڑی قدر کی جاتی ہے مگر ان کا ملنا دشوار ہوتا ہے، اور روز مرہ کی اغذیہ میں یہ چیزیں کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہیں۔

گاؤں میں بہت کم پھل کھایا جاتا ہے۔ فصل کے زمانہ میں لوگ زیادہ تر ترش کے (Emblica [illegible]) آم، امرود اور جامن کھاتے ہیں۔ پھل دار درختوں میں لوگ اپنے پچھواڑے لیموں اور کدو کے درخت لگاتے ہیں۔ شہر کی دوکانوں اور بازار سے پھل کم ہی لوگ خریدتے ہیں۔ تہوار کے مواقع پر ناریل اور کیلے خریدے جاتے ہیں۔ نیز کبھی کبھی بازار سے بہتر اقسام کے آم بھی خریدے جاتے ہیں

جن کو استطاعت ہے وہ تین بار کھانا کھاتے ہیں باقی دوسرے روزانہ صرف دو بار فصل کے لحاظ سے غذا کی اقسام میں بھی تبدیلیاں ہوتی ہیں اور کھانے کے مقررہ اوقات میں بھی۔ ذیل کی فہرست سے ظاہر ہوگا کہ خاندانوں کی مختلف معاشی سطحوں پر کس قسم کی غذائیں کھائی جاتی ہیں۔

دولت مند اور خوش حال

پہلا کھانا۔

پراٹھا۔ گھی یا تیل میں پکی ہوئی گیہوں کی روٹی۔ گوشت یا ترکاری یا مسور کی دال نیز اچار چائے

یا۔ کھچڑی (چاول اور مسور کی دال مسالے کے ساتھ) گوشت یا ترکاری یا مسور کی دال اچار، چائے

دوسرا کھانا۔

چاول۔ گوشت یا ترکاری یا مسور کی دال یا مچھلی کا سالن اچار۔

تیسرا کھانا۔

کسی قدر تبدیلی کے ساتھ دوسرے کھانے کے مطابق۔

متوسط گھرانے

پہلا کھانا۔

جوار کا دلیا۔ مرچ کا سفوف اور نمک۔ اچار۔

یا۔ جوار کی روٹی، بینگن کا سالن، پتوں کی ترکاریاں یا کدو۔ اچار۔

یا۔ چاول کی کنجی، پسی مرچ اور نمک۔

دوسرا کھانا۔

چاول گوشت یا ترکاری یا مسور کی دال یا مچھلی کا سالن، اچار۔

تیسرا کھانا۔ دوسرے کھانے کے مطابق

غریب گھرانے

پہلا کھانا۔

جوار کا دلیا پسی مرچ اور نمک

یا۔ گزشتہ رات کا باسی چاول، پسی مرچ، نمک یا اچار۔

دوسرا کھانا۔

چاول، (یا) ترکاریاں (یا مسور کی دال نمک اور مرچ کے ساتھ) یا گوشت کا سالن۔

یا۔ چاول پسی مرچ اور نمک ، اچار۔

تیسرا کھانا۔ چاول گوشت یا ترکاری یا مسور کی دال یا مچھلی کا سالن۔

سالن کی ترکاری میں دولت مند لوگ تیل یا چربی کی کافی مقدار استعمال کرتے ہیں اور ان کے گرم مسالے بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ متوسط گھرانوں میں سالن اس قدر مرغن نہیں ہوتے۔ غریب طبقوں میں ترکاریاں اُبلی ہوتی ہیں اور مسور کی دال میں نمک اور پسی مرچیں ہوتی ہیں۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس کمیونٹی کے لوگوں میں مٹھائیاں غذا میں باقاعدہ طور پر شامل نہیں رہتیں۔ مٹھائیاں تقریبات کے موقعوں پر تیار کی جاتی ہیں اور دولت مندوں کے گھروں میں نسبتاً بار بار۔ چونکہ مچھلی اور گوشت میں صرفہ زیادہ ہے اس لیے متوسط اور غریب گھرانے مسور کی دال کا شوربہ جس میں زیادہ پانی ہوتا ہے یا سستی ترکاریوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

غذا کی تہذیبی تفصیں تیار کرنے میں اس قدر مشکلات پیش آئیں کہ ہم نے اپنے تحقیقاتی منصوبے کے تعاون سے کمیونٹی کے غذائی سروے کا مکمل بندوبست کیا۔ اس کام کا منصوبہ شعبہ طب عثمانیہ یونیورسٹی کے ایک ماہر خوراک کی نگرانی میں مرتب و مکمل کیا گیا۔ غیر متواتر طریقہ سے کمیونٹی میں سے بہت سے خاندانوں کے نمونے جن میں ہر سطح زندگی کے لوگ شامل تھے منتخب کیے گئے ، اور رائج اوزان کے تحت ان خاندانوں کی ہر قسم کی غذا کا وزن صحیح طور پر اقل مقدار ایک اونس (آدھی چھٹانک) تک کیا گیا۔ ہر خاندان میں صرف کی اکائیوں کی تعداد دریافت کرنے کے لیے خاندانی بین الاقوامی پیمانہ

استعمال کیا گیا۔ اور اس کا احتیاط سے تجزیہ کیا گیا۔ تاکہ ہر اکائی کے خرچ غذیہ کا اوسط حساب لگایا جاسکے۔ نیز وٹامن اور مقویات کا بھی اندازہ کیا گیا۔ ساتھ ہی ان تمام خاندانوں کے افراد کا جن کا جانچ کے لیے انتخابات کیا گیا تھا طبی معائنہ بھی کیا گیا جس کے دوران وزن اور قد کا معائنہ بھی کیا گیا۔ اس میں خاص طور پر آنکھیں ، بالوں کی بالیدگی کا اختلاف ، سر کے بال ، جلد ، ہونٹ ، مسوڑھے زبان ان سب کی طبعی بد وضعی نیز اعصابی نظام کا بھی معائنہ کیا گیا۔ اگرچہ اوپر کے سروے کا تفصیلی تذکرہ سماجیاتی مطالعہ میں غیر ضروری ہوگا تاہم اس کے خاص نتائج کا ذکر یہاں بیجا نہ ہوگا۔

(۱) سروے سے جو غذائی صورت حال کا پتہ چلا اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دولت مند اور خوش حال گھرانوں کی خوراک میں کس قدر کم غذائیت ہوتی ہے اور متوسط اور غریب لوگوں کی صورت میں اس میں ناقص غذیت ہوتی ہے۔

(۲) لوگوں میں وٹامن ”ب“ ”ب ۲“ اور وٹامن ”الف“ کی کمی پائی گئی۔ کمیونٹی میں جلدی امراض

زبانوں کا تڑک جانا، مسوڑوں کا ورم اور آشوب چشم کے عارضے عام ہیں اور نچلے طبقات میں ان کی زیادہ کثرت ہے۔ غذا میں وٹامن بی کی کمی کا ایک سبب گرنی (چکی) کے بجائے گھر کا کوٹا ہوا چاول معلوم ہوتا ہے۔ اس کا ایک اور سبب کمیونٹی کے ہر طبقہ میں تاڑی کا استعمال بھی ہو سکتا ہے۔

(۳) پروٹین کا استعمال بھی کسی قدر کم ہوتا ہے۔ یہ چیز ان خاندانوں میں زیادہ نمایاں ہے جنہیں متوسط اور غریب طبقہ میں شمار کیا گیا ہے، کم آمدنی والوں میں چربی کا استعمال بھی ناکافی ہوتا ہے۔

(۴) جنسی بیماریوں اور ملیریا کے علاوہ جو سماج کی ہر سطح کے لوگوں میں مساوی طور پر منقسم ہیں، دوسری بیماریاں بالخصوص جو کمزوری سے متعلق ہیں، کم آمدنی والے گروہوں میں زیادہ پائی جاتی ہیں۔

قاعدہ کے بموجب مرد لوگ پہلے کھاتے ہیں عورتیں بعد میں۔ بچوں کو کھانا تیار ہوتے ہی دیا جاتا ہے، مردوں میں بڑے لوگوں کو تیز ان اختصاص کو جن کا مرتبہ رشتہ داری کے زمرہ میں زیادہ ہے، کھانا پہلے دیا جانا چاہئے۔ اور نوجوانوں کو اپنی باری آنے تک انتظار کرنا پڑتا ہے، لیکن فصل کے کاموں کی مصروفیت کے زمانہ میں یا دوسرے مواقع پر جب کام کی جلدی ہو تو نوجوان بڑوں کے ساتھ کھانے بیٹھ سکتے ہیں یا ان سے پہلے بھی کھا سکتے ہیں۔ تاہم اس کو معیوب سمجھا جاتا ہے کہ مردوں کے کھانے سے پہلے عورتیں کھالیں۔ ایسا ہونا اعلیٰ ذات والوں میں بہت بری نظر سے دیکھا جائے گا۔ اور اگر کوئی عورت اس قسم کی کوئی بات کرتی ہوئی پائی جائے تو خاندان کے دوسرے افراد اس کا مذاق اڑائیں گے۔ سماج کی سب سے نچلی سطح پر اس سے متعلق کبھی کبھار استثنائی صورتیں بھی ملتی ہیں۔ یہاں بھی اسے ناشائستگی ہی سمجھا جاتا ہے لیکن پھر بھی گوارا کیا جاتا ہے۔

باب ہفتم

رہن سہن

(۱) بین شخصی تعلقات

شاہ میر پیٹھ کے لوگ آندھرا کے دوسرے کسانوں کی طرح باہر والوں سے ابتدائی تعلقات میں بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ ان کے طرز عمل کے متعلق جو پہلا گمان ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ اپنے برتاؤ میں نہایت کھنچے ہوئے مشتبہ اور محتاط ہیں۔ جب یہ ابتدائی تحفظات کم ہو جاتے ہیں تو یہ لوگ بالکل مختلف نظر آتے ہیں۔ یعنی جذباتی بے تکلف اور کبھی کبھی پرجوش۔ تقریباً ان سب میں تجسس پایا جاتا ہے اور جہاں کوئی بھی نئی یا غیر معمولی بات ہوئی انھیں بآسانی متوجہ کر لیتی ہے۔ رائے نہایت آزادی سے دیتے ہیں۔ اور عام جلسوں میں خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، شور و شغب خوب ہوتا ہے۔ ادھیڑ اور بڑی عمر والوں کے چہروں سے عام طور پر سنجیدگی ظاہر ہوتی ہے اور عورتیں اپنی نظریں نیچی کر کے چلتی ہیں تو اسے عزت کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حلیم الطبع یا بے تعلق رہنا کوئی خوبی نہیں سمجھی جاتی۔ اور لوگ تقریباً ہر موضوع پر چاہے وہ ان سے متعلق ہوں یا نہ ہوں آزادانہ رائے دیتے اور رد و قدح کرتے ہیں۔ ان میں مباحثہ ایک بڑی روزانہ کی چیز ہے جو آسانی سے زور و شور کے جھگڑے اور تکرار کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ غصہ جلد آتا ہے اور جانبین میں طراری کے ساتھ گالیوں کی بوچھار بھی خوب ہو سکتی ہے لیکن مخالفین آسانی سے دب جاتے ہیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہوگی کہ وہ ایسے اشخاص جو ابھی کل کسی معمولی بات پر سخت جھگڑ رہے تھے دو دوستوں کی طرح چلتے نظر آئیں۔ اپنے بین شخصی تعلقات میں لوگ بہت صرف گیر اور حساس ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا رجحان ہمیشہ غلطیاں نکالنے

کی طرف رہتا ہے۔ چونکہ لوگ اپنے پڑوسیوں پر حرف گیر ہونے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے
اس لیے ان میں تعلقات خوشگوار نہیں ہوتے۔ پھر بھی ایسے مواقع پر جہاں اچھے پڑوسی ثابت کرنے
اور فیاضی کی ضرورت ہوتی ہے لوگ آسانی سے مدد کرنے کے لیے آگے بڑھتے ہیں۔ جن کو ضرورت ہوتی
ہے ان کی مدد کرتے ہیں۔ دوسروں کے خیالات پر شبہ کرنا عام بات ہے۔ اور یہ بھی کوئی غیر معمولی
بات نہیں کہ ہمیشہ اس بات کے لیے ہشیار اور تیار رہیں کہ دوسروں کی جو باتیں ظاہراً معصوم
معلوم ہوں ان کے پوشیدہ معنوں کا پتہ لگایا جا سکے۔ ان کی زندگی کے واقعات کا تجزیہ کرنے سے معلوم
ہوا کہ لوگ خود بینی کے عادی نہیں ہوتے۔ وہ ہمیشہ اپنے بچاؤ کی فکر میں رہتے ہیں۔ لیکن ان کے
بین شخصی تعلقات میں بے تعلقی نہیں پائی جاتی۔ ان کے خیالات میں پسند و ناپسند واضح ہوتی
ہے۔ اور تمام لوگ جن کی ان سے اتفاقی ملاقات بھی ہوگئی ہو وہ بھی ایک دوسرے کے خیالات اور
رجحانات سے اچھی طرح واقف ہو جاتے ہیں۔

ان لوگوں میں یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے کہ گاؤں کے دوسرے باشندوں نیز باہر والے جو
جو بستی میں آگئے ہوں ان کی شخصیت کی صفات کا تجزیہ کریں۔ ایسے مثبت اوصاف اچھے سمجھے جاتے
ہیں جو مسلمہ ہیں، وہ تحسینی جملوں سے ظاہر کیے جاتے ہیں۔ مثلاً "خوب آدمی ہے"، "جفاکش ہے"
"دیانت دار"، "عزت دار"، "خوش کردار"، "خوش فہم"، "سخی"، "دریا دل" اور "وفادار" ہے۔
اس کے برعکس کردار جو سماج کی نظروں میں باعث آفریں نہیں ان کے لیے مختلف النوع فقرے
کسے جاتے ہیں۔ جن میں چند یہ ہوتے ہیں: "خراب آدمی ہے"، "کاہل"، "بے ایمان"، "بے شرم"
"ناشائستہ"، "بیوقوف"، "کنجوس"، "تنگدل"، "بے ڈھنگا"، "ناکارہ"، "چھوٹا"، "محض باتونی"، "بدمزاج"
وغیرہ۔ اس قسم کے کردار پر تبصرہ ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ ایسی صفات کا تجزیہ واضح طور سے
نمایاں ہوتا ہے اور لوگوں کی گفتگو میں جب وہ آپس میں چھوٹے گروہوں میں ملتے ہیں یہ باتیں ملتی
ہیں۔ اگرچہ سماجی قاعدوں پر کاربند ہونے کو بہتر سمجھا جاتا ہے اور اس پر زور دیا جاتا ہے لیکن
جب رواجی قاعدہ ٹوٹ جاتا ہے تو جو شخص اس کا ذمہ دار ہوتا ہے وہ اپنی غلطی کسی اور شخص کے
سامنے راز میں تسلیم کرتا ہے۔ طویل گفتگو اور باہمی راز کے تبادلے اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن جب
دوستی ٹوٹ جاتی ہے تو اعتبار کے عہد کو شکست سے کوئی مقدس ضابطہ نہیں بچاتا۔ ایک حد تک
جدت و ریا بن قابل تحسین مانا جاتا ہے لیکن اس میں زیادتی یا نمائش ہو تو یہ سماجی اعتراض و
تمسخر کا باعث بن جاتا ہے۔

حسب ذیل امور سماج کے دائرہ تشنیع میں شامل ہیں:۔ (۱) روایتی اقدار کی خلاف ورزی (۲) دکھاوا اور نمائش (۳) جنسیت (۴) اقتدار میں اضافے کی کوشش (۵) نمایاں کامیابی (جس کی وجہ پر رشک ہو) (۶) جدت اور نئے افکار کی کثرت۔ قصے پھیلانا اور دوسروں کے معاملوں میں جو ہو رہا ہے اس پر چہ میگوئیاں کرنا کمیونٹی میں یہ باتیں بڑے پیمانہ پر چلتی رہتی ہیں۔ متاثرہ لوگ اور ان کے ہمدرد اس پر معترض ہوتے ہیں۔ لیکن کوئی اسے فطری طور پر برا نہیں سمجھتا۔ حادثات یا مسلمہ قاعدہ شکنی پر پہلے بحثیں چھوٹے گروہوں میں ہوتی ہیں اور ان میں جو اہم ہوتی ہیں وہ رفتہ رفتہ کچھ تبدیلی کے ساتھ گاؤں کے ذمہ دار اور بڑے لوگوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ایسی قاعدہ شکنی سماج کی نظر میں نہ آئے۔ اگرچہ گاؤں یا ذات کے بڑے لوگ ان میں سے بہت سی کارروائیوں پر کوئی عملی قدم نہیں اٹھاتے۔ کمیونٹی کے لوگ نمائش اور ظاہر داری پر سخت تنقید کرتے ہیں۔ ایسی غلطی کے لیے جو افراد سماجی تنقید کا باعث ہوتے ہیں ان کو مذاحیہ ناموں سے پکارتے ہیں اور مضحکہ اڑاتے ہیں۔ ایسے اشخاص کا برتاؤ جنھیں نئی دولت یا اقتدار حاصل ہو گیا ہو تنقیدی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ جنسیت خواہ کسی نوعیت کی ہو عام گپ بازی کا موضوع بن جاتی ہے۔ اگرچہ غیر معمولی مردانگی اور جنسی واقعات پر شیخی مارنا لوگوں میں عام ہے لیکن کمیونٹی ہر غیر معمولی بات پر نگرانی اور تنقید کرتی ہے۔ بالخصوص زیادہ خواہشات نفسانی یا قوت مردمی کے فقدان کی صورتوں میں۔ بہرحال گروہوں کی تنقیدیں بے رحم ہوتی ہیں۔ جو لوگ اقتدار کے اونچے زینے پر ہیں وہ خود اپنی پوزیشن پر رشک کرتے ہیں۔ نیز اگر کوئی کسی با اثر عہدہ پر للچائی نظریں ڈالتا ہے تو وہ کمیونٹی کے با اثر گروہوں کی فوری تنقید کا نشانہ بن جاتا ہے۔ نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے لوگ ہمیشہ حاسدانہ تنقید کا موضوع بن جاتے ہیں۔ ان کے قول و فعل پر گہری نظر رکھی جاتی ہے۔ اور بعد کو اس کے معمولی باتوں پر نکتہ چینی ہوتی ہے۔ ان پر طعن و تشنیع کرنے کے موقعوں کی تلاش رہتی ہے اور بالواسطہ طور پر ان کے غریب طبقہ سے ہونے کی طرف اکثر اشارے کیے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جن کے بہت سلجھے ہوئے اور جدید تصورات ہوتے ہیں سماج کی تنقید سے نہیں بچتے۔ نہ صرف یہ کہ لوگ تنقید میں کمی نہیں کرتے بلکہ وہ دوسروں کی تعریف کرنے میں بہت محتاط بھی ہوتے ہیں۔

غصہ کا اظہار عام ہوتا ہے زور سے چیخنا، گالیاں بکنا اور کبھی کبھی جسمانی طاقت کا استعمال، یہ سب غلبہ و تشدد کے اظہار کے خاص طریقے ہیں۔ محبت اور دوستی کے جذبات بھی بر سر عام ظاہر کر دیئے جاتے ہیں استثنائی صورت صرف جنسی موانست کے جذبات کے اخفا میں ملتی ہے۔

کمیونٹی میں بین شخصی تعلقات برقرار رکھنے کے لیے مردانگی اور عزت کے تحفظ کے تصورات اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کسی کو جو بہت چھوٹا ہو، زیادہ حیثیت ہو، کمزور یا بیمار ہو، مارنا مردانگی نہیں۔ اس کے برخلاف دو برابر کے آدمیوں میں لڑائی مناسب سمجھی جاتی ہے چاہے اس میں گاؤں کے بڑوں کو دخل دینے کی ضرورت ہی کیوں نہ پڑ جائے۔ مختلف ذاتوں نیز مختلف اقتصادی سطحوں کے لوگوں میں شخصی اور خاندانی وقار کا تصور مختلف ہوتا ہے۔ شخصی وقار یا خاندانی اعزاز پر کوئی اعتراض لازماً سخت ردعمل کا باعث ہوتا ہے۔

سچائی اور راست بازی کو سماجی آئیڈیل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ہوشیاری اور فریب دینے میں چالاکی کی بھی بلاشبہ ستائش کی جاتی ہے۔ بزدلی اور فریب کی ملامت کی جاتی ہے۔ لیکن لوگ پھر بھی مضرت رساں افواہوں اور چغل خوریوں میں پڑے رہتے ہیں۔ بین شخصی تعلقات میں باہمی شبہات عام طور سے پائے جاتے ہیں۔ دو خاندانوں میں، جو خوشحالی کی راہ پر گامزن ہیں، آپس میں ایک دوسرے سے حسد پایا جاتا ہے۔ مگر مفلسی ان کو قریب تر کرنے میں پیچھے نہیں رہتی۔ اپنے جذبات پر قابو نہ پاکر لوگ بہت جلد برافروختہ ہو جاتے ہیں۔ گویا غصہ اور دوستی یہ دونوں جذبات ان میں یکساں آسانی سے ابھارے جاسکتے ہیں۔

گروہوں میں آپس کے تعلقات کے مطالعے سے ہم کو اس نوعیت اور قسم کے رجحان کا بہتر اندازہ ہوگا جو کمیونٹی میں بین شخصی تعلقات پر اثر انداز ہیں۔ اس کے لیے ہم پہلے مروجہ بین ذاتی رجحانات کا جائزہ لیں گے۔ اور اس کے بعد دو مخالف گروہوں یعنی تعلیم یافتہ اور ان پڑھ نیز شہری اور غیر شہری تعلقات رکھنے والوں کے رجحانات اور آرا کا اسی نہج پر تجزیہ کریں گے۔

بین ذاتی رجحانات: چند مسلّمات

بین ذاتی رجحانات کا اظہار کئی مسلمہ صورتوں میں نظر آتا ہے۔ جو لوگوں کے خیالات میں ملتے ہیں اور جو مذاق اور ہنسی دل لگی جھگڑے اور برافروختگی کی دونوں صورتوں میں رونما ہوتا ہے۔ دیگر بے شمار واقعات کے علاوہ مندرجہ ذیل مثالیں اور کہانیاں شاہ میرپیٹھ میں مشہور ہیں:

برہمن صرف 'ظاہراً نیک ہے لیکن دل سے نہیں'۔ وہ چالاک اور مفاد پرست ہے' وہ لوگوں کو ورغلاتا ہے لیکن خود پس پشت رہتا ہے۔

کومٹی پیدائشی بزدل ہے مگر کاروبار میں چالاک: 'جب وہ کوئی بات قسم کھاکر کہے تو یہ سمجھ لو کہ وہ قصداً جھوٹ بات کہہ رہا ہے' 'ایک جعلی سکہ بچانے کے لیے وہ اپنی پوری پونجی صرف کر دیتا ہے'

"دیوتا کومٹی کو جھوٹ بولنے پر سزا نہیں دیتے کیونکہ وہ اسی کام کے لیے پیدا ہوا ہے۔" کومٹی کے بخل کے متعلق کہاوتیں مختلف اور بہت سی ہیں۔ "اگر ایک مکھی چھاچھ میں گر جائے تو دولتمند وہ چھاچھ پھینک دینگے۔ غریب مکھی نکال پھینکیں گے اور چھاچھ پی جائیں گے۔ لیکن کومٹی مکھی پھینکنے سے پہلے چھاچھ اچھی طرح نچوڑ لیتا ہے۔" "اگر کومٹی کے گھر اس کا کوئی رشتہ دار آتا ہے اور شام کے کھانے کا وقت قریب ہوتا ہے تو وہ سوچتا ہے کہ "اگر یہ مہمان اپنے گھر واپس چلا جائے تو میرا ایک وقت کا کھانا بچ جائیگا" دوسری جانب مہمان یہ سوچتا ہے کہ "اگر میں یہاں ذرا اور ٹھہر گیا تو گھر کا کھانا بچ جائے گا۔" اور اس طرح ان کی چالاکی صرف ایک کھانا بچانے کے لیے صرف ہوتی ہے۔ ان کی بزدلی کے بھی بہت سے قصے ہیں۔" "کومٹی الفاظ کا بہادر ہے لیکن عمل میں چوہا۔" "اگر تم اسے ایک مرتبہ مارو تو وہ کہے گا" اچھا اب دوسری بار مارا تو دیکھ لوں گا۔" اور اگر تم اسے دوسری بار بھی مار دو تو وہ کہے گا" اب تیسری بار مارا تو بتا دونگا مجھے مارنے سے کیا ہوتا ہے۔" تم اسے پیٹتے جاؤ تو وہ صرف دھمکیاں دیتا رہے گا مگر کبھی یہ ہمت نہ ہوگی کہ وہ تمہیں پلٹ کر مار سکے۔"

کاپو یا زرعی ذاتوں کے بارے میں عوام کی رائے بہتر معلوم ہوتی ہے۔" وہ محنت کرنے والے لوگ ہیں اور دیانت داری سے زمین کے کام میں لگے رہتے ہیں۔" "کاپو ان داتا ہیں اور حقیقی معنوں میں زراعتی دولت پیدا کرتے ہیں۔ اگر وہ کھیت نہ جوتیں اور غلہ نہ پیدا کریں تو ہم کھائینگے کیا" معنوں ریڈی زمینداروں کے متعلق عام طور پر رائیں ناموافق ہوتی ہیں کیونکہ وہ کسانوں سے زیادہ مطالبات کرتے رہتے ہیں۔

گاؤں کی عام باتوں میں کمہاری پر رشک نہیں کیا جاتا۔ "اپنے مٹی کے برتنوں کی دنیا میں رہتے ہوئے وہ بیرونی دنیا سے ناآشنا ہوتا ہے۔" "چونکہ وہ چاک پر مسلسل کام کرتا رہتا ہے اس لیے اس کے پٹھوں میں طاقت باقی نہیں رہتی۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ اپنی بیوی کی تشفی نہیں کر سکتا۔"

گولا سب سے زیادہ سخت تمسخر کا ہدف بنتا ہے۔ اس کی سادگی، گندگی، بیجا حرکات اور دہقانی طرز گفتگو کی بنا پر اس پر تنقیدیں کی جاتی ہیں اس کی افسوسناک بزدلی پر بھی حرف گیری کی جاتی ہے۔ "وہ بھیڑوں کی خبر گیری کرتا ہے اور اپنے گلّہ کی ایک بھیڑ جیسا لگتا ہے۔" "گولا صفائی کا نمونہ ہے۔ ذرا اس کا جسم دیکھو جو گندگی سے بھرا ہوا ہے۔" "دیکھو گولا کیسے باتیں کرتا ہے۔ اگر اسے دور سے سنو تو یہ خیال کروگے کہ وہ کسی سے جھگڑا کر رہا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ وہ اپنی بیوی سے

شام میں کیا پکایا جائے گا اس پر گفتگو کر رہا ہے" مگر یا گرم بحث میں گرلا واقعتاً بدن کو بہت سی حرکتیں دیتے ہیں۔ "دوسرے بھی جسمانی حرکات کرتے ہیں لیکن گرلا کا ڈھنگ خصوصیت سے مختلف ہوتا ہے" "بزدلی میں صرف سالے ہی اس سے بڑھ سکتا ہے" "ذرا سا دھوکہ دو یا دھمکی دو تو گرلا تمہارے حسب خواہش کام کی انجام دہی کے لیے رضامند ہو جائے گا۔ اتنا خر دماغ ہوتا ہے کہ وہ تمہاری باتوں کی اصلیت کو سمجھ نہیں سکتا" "تم یہ نہیں بتا سکتے کہ گرلا کب کیا کرے گا۔ اسے اگر ایک اچھی خوشبو والا پھول دو تو وہ اسے اپنی لنگوٹی میں رکھے گا"

نیپالی کمیونٹی میں سالے کی ذات بزدلی کا نمونہ مانی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص اندھیرے میں جانے سے ڈرتا ہے۔ یا لڑائی سے بھاگ جاتا ہے تو لوگ اسے کہتے ہیں "کیا تم کسی سالے کی اولاد ہو" "یہ تمہاری غیر معمولی بہادری کی دلیل ہو سکتی ہے" "یہ سب سے زیادہ مروجہ اور مانا ہوا نمونہ ہے۔ بہت سے سالے بھی اسے تسلیم کرتے ہیں اور دوسرے لفظوں میں یوں کہتے ہیں کہ "ہمیں اپنے کام سے کام ہے اور ہم مقامی معاملات میں نہیں پھنس جاتے جانوروں کی طرح لڑنے سے کیا فائدہ؟" دوسرے کہتے ہیں "اگر تم ایک لڑکی سے کسی کوشش کو نارو تو وہ پلٹ کے اس کا جواب زبان سے دے گا۔ اس کے پاس کم سے کم بری گالیوں کا ذخیرہ ہوتا ہے جسے وہ اپنے بچاؤ کے ہتھیار کی طرح استعمال کرتا ہے۔ لیکن سالے ایسا کرنے سے بھی ڈرتا ہے۔ اور اس سے صرف یہی بن پڑتا ہے کہ اپنے گھر میں گھس جائے اور اپنے کو چھپائے"

گونڈلا جب تک غریب ہوتا ہے تاڑی کے خالی برتن لوگوں کے گھروں سے جمع کرتا پھرتا ہے لیکن جب وہ دولت جمع کر لیتا ہے تو اس کا سر پھر جاتا ہے اور شہریوں جیسی زبان بولنا سیکھ لیتا ہے"

"سکالی تو بہر حال دھوبی ہے اور جو ساری کمیونٹی کے گندے کپڑے دھوتا ہے لیکن خود صاف نہیں رہ سکتا" اس ذات کی عورتوں کی چھچھ کی بلا روش عادت مشہور ہے۔ اپنی ذات سے باہر والوں کے ساتھ جنسی تعلقات کی رضامندی کے لیے ان عورتوں کو زیادہ ترغیب کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور یہ چڑیلیں خواہشات نفسانی کے ہنر میں اتنی شاطر ہوتی ہیں کہ جو ایک دفعہ ان کے پنجہ میں پھنس جاتا ہے وہ ہمیشہ کے لیے ان کا غلام بن جاتا ہے"

منگالی (حجام) کے رتبہ کے بارے میں بہت سی دلچسپ داستانیں مشہور ہیں۔ "بلا شبہ اس کا تمام رتبہ کم تر ہے لیکن وہ دولتمندوں اور بااثر افراد کی قربت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ کیا جب

وہ تمہارے بال تراشتا ہے اور داڑھی بناتا ہے تو تم اس کے ساتھ نہیں بیٹھتے؟ متمول کاشتکاروں
کو بھی اسے اپنے ساتھ اس طرح بٹھانا پڑتا ہے گویا وہ ان کا ہم رتبہ ہے، یہ سچ ہے کہ اس کی حیثیت
بڑی نہیں ہے لیکن کون ہے جو اس کے سامنے نہیں جھکتا؟ بادشاہ کے بال تراشتے ہوئے حجام حکم
دیتا ہے "تھوڑا میری طرف جھکیے" اور بادشاہ بلا تامل اس کی تعمیل کرتا ہے۔ وہ کون ہے جو
تمہارے بال پکڑ سکتا ہے کان مروڑ سکتا ہے اور گال پر طمانچے بھی لگا سکتا ہے؟ حجام سے اپنے سر
کے بال ترشنے اور داڑھی بنانے کے لیے کہو اور تم کو ان سوالات کا جواب مل جائے گا۔" کاشتکاروں
کو ہمیشہ اپنی کھیتی کی فکر پڑی رہتی ہے۔ کسی سال اناج اگتا ہے اور کسی سال نہیں۔ لیکن حجام کو اپنی
فصل کی کٹائی کا کبھی شبہ نہیں رہتا۔ اس کے گاہکوں کی داڑھیاں بلاکم وکاست مسلسل بڑھتی رہتی ہیں۔"
پیچ بر ہما گروہ کی ذاتوں کو بہت زیادہ نیک شگون نہیں سمجھا جاتا۔ "سفر شروع کرتے وقت
اس گروہ کا کوئی شخص اتفاقاً سامنے نظر آجائے تو تمہیں اس کو فال بد سمجھنا چاہیے۔ تمہارے مقصد
میں یہ ناکامی کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔"

"مالا اور مدیگا کے ساتھ نرمی دکھاؤ تو وہ بدتمیزی سے پیش آئیں گے اور اگر سختی دکھاؤ تو وہ
نرم پڑ جائیں گے۔" "پہلے ایک لات مارو اور پھر کام کرنے کو کہو تو مدیگا کبھی انکار نہیں کرے گا۔ اس کے
بجائے نرم الفاظ میں اس سے کچھ کرنے کو کہو تو وہ ہزاروں عذر پیش کرے گا۔" اگرچہ انتہائی فرقہ وارانہ
کشیدگی کے زمانہ میں بھی شاد میرپیٹھ کی آبادی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کافی
مخلصانہ تعلقات رہے ہیں جنہیں ہر طرح دوستانہ کہا جا سکتا ہے لیکن دونوں کیمونٹی میں
ایک دوسرے کے متعلق چند عام باتیں خصوصیات اور اوصاف کا راسخ قیاس پایا جاتا ہے۔
ہندو کہیں گے "اچھوت ناپاک ہیں لیکن مسلمان زہریلے ہیں۔ اگر تم کسی مدیگا کو چھو دو تو تمہیں صرف
اپنی وہ انگلی کاٹنی پڑے گی جس سے تم نے چھوا۔ لیکن اگر تم کسی مسلمان کو چھو دو تو تمہیں ہاتھ ہی کاٹ
دینا پڑے گا۔" "مسلمان تو صرف دو کاموں کے لیے اچھے ہیں۔ وہ کھاتے ہیں اور جانوروں کی طرح
جنسی زندگی بسر کرتے ہیں۔" "بجز مسلمانوں کے اور یہ کس کے خیال میں آئے گا کہ اپنے چچا کی لڑکی کے
ساتھ جو اس کی حقیقی بہن کے بعد ہے، سو جائے۔" مسلمانوں کو ظاہردار اور نمائش پسند سمجھا جاتا
ہے۔ "مسلمان اپنے گھر کے اندر باسی چاول کھائے گا لیکن باہر آتے وقت وہ اپنے لبوں پر صاف کیا
ہوا مکھن لگا کر نکلے گا اور پھر ڈکار کے کہیگا "میں نے آج کتنا زیادہ پلاؤ اور گوشت کھایا ہے۔"
مذہب اسلام میں تبدیل ہو جانے کے متعلق ہندو اکثر کہتے ہیں۔ "کل جو ایک اچھوت ہندو تھا

وہ آج مسلمان ہوگیا اور دوسرے دن سے یہ اعلان کرنا شروع کرے گا کہ اس کے اجداد عرب سے آئے تھے۔ مسلمان جو پشت ہا پشت سے اس بات پر فخر کرتے رہے کہ حیدرآباد میں ان کی نسل حکمران رہی، ہندوؤں سے حقارت کرتے معلوم ہوتے ہیں اور ان کے بیشمار دیوتاؤں اور توہماتی عقائد کا مذاق اڑاتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی مسلمان دوسری پوری کمیونٹی کو بزدل اور کینہ خیال کرتے ہیں لیکن ریاست کی قسمت میں حالیہ سیاسی تبدیلیوں سے جس کے نتیجہ میں مسلم حکمرانی کا خاتمہ ہوگیا۔ مسلمانوں میں نرمی کا اثر پیدا ہوگیا ہے اور اب وہ اپنے ہندو پڑوسیوں کے ساتھ اس قسم کی جارحانہ حرکت نہیں کرتے جیسا کہ ان کے چند افراد ۱۹۴۸ء کے پولیس ایکشن سے پہلے کرتے تھے۔

میں اس طرف پہلے اشارہ کرچکا ہوں کہ ان میں سے چند اطوار کا اظہار ہنسی مذاق میں اور کبھی غصہ کی برافروختگی میں ہوتا ہے۔ ہر ذات اپنی برتری کی دعویدار ہے اور اسے ثابت کرنے کی سعی کرتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی کسی نہ کسی نوعیت سے وہ دوسری ذاتوں کی فطری خصوصیات کے متعلق بلاشبہ کچھ عام خیالات رکھتی ہے۔ یہ خیال عام ہے کہ کلیہ میں انفرادی استثنا ہو سکتا ہے لیکن خود ذاتوں کے متعلق کچھ مسلمہ اطوار ضرور ہوتے ہیں۔ تاہم ان قیاسات میں سے صرف چند ہی کمیونٹی کی عام طرز زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ریاست حیدرآباد کے سیاسی اختلافات کی وجہ سے کسی حد تک ہندو اور مسلم گروہوں میں کشیدگی پیدا ہوگئی تھی اور اس سے حکومت ہند کی مداخلت سے پہلے اور بعد بھی سماجی ہم آہنگی اور گاؤں کے امن کو خطرہ لاحق ہوگیا تھا لیکن ریاست میں تبدیلی کے حقیقت پسندانہ اعتراف کی وجہ سے گاؤں کے انداز اور ہندوؤں کے متعلق ان کے رویہ میں تبدیلی پیدا ہوئی جس کے نتیجے کے طور پر دونوں کمیونٹی میں دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے۔ ہماری تحقیقات کے زمانہ میں برہمن اور غیر برہمن اختلافات کا مسئلہ جو اندرون ریاست لوگوں کے سیاسی اعتبارات پر کافی حد تک اثر انداز ہو رہا تھا اس کی صدائے بازگشت شامیرپیٹھ میں بھی گونج رہی تھی۔ تلنگانہ کے علاقہ میں عام طور سے یہ برہمنوں اور ریڈیوں میں تصادم کی صورت اختیار کر رہا تھا۔ شامیرپیٹھ میں برہمن کے گھرانے اور ریڈی باشندوں کے درمیان انفرادی تعلقات کافی دوستانہ تھے لیکن عام سیاسی مباحث میں اور سماجی مسائل میں مخالف برہمن احساسات مستقل پائے جاتے تھے۔ جمہوری دستور کے تحت پہلے عام انتخابات میں فرقہ واریت کا عنصر کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اور اس کا ظہور کچھ اس قسم کے نعروں سے ہوا جیسے "ریڈیوں کو متحد ہوکر کھڑا ہونا چاہیے" : "جماعت کا خیال کیے بغیر ریڈی کو ریڈی امیدوار کو ہی ووٹ دینا چاہیے" یا "برہمنوں کے اقتدار کو توڑنے کے لیے غیر برہمنوں کو متحد ہوجانا چاہیے"۔ چونکہ ریاست کے وسیع میدان میں مخالفت

ذاتوں کے درمیان ردعمل ہنوز ابتدائی منزل پر ہے اس لیے گروہ بندی کا طریقہ ابھی تک صاف طور پر نمودار نہیں ہوا۔ ایک تیسرے عامل کا ذکر بھی یہاں کیا جا سکتا ہے۔ شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن (وفاقی اقوام مندرجہ فہرست) کے سماجی اور سیاسی پروپیگنڈہ کے زیر اثر اچھوت ذاتوں نے ذات واری درجہ بندی میں اپنی زبوں حالی کے خلاف احتجاجی نعرے بلند کرنے شروع کر دیے ہیں۔ ابھی تک یہ احتجاج زبانی اور دھیمے رہے ہیں۔ روایتی طرز کے معاشی فوائد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اچھوت ٹولیوں نے ابھی کمیونٹی کے ڈھانچے کے مضمرات کو چیلنج نہیں کیا ہے۔ تاہم قانوناً چھوت چھات کے خاتمے تمام عوامی مفادات میں ان کے لیے مساوی حصہ کی منظوری عطا کی ہے اور روایتی رسوم کے خلاف اپنی بات منوا لینے والے اچھوتوں کے احتجاجات نے بڑی ذات والوں میں ان کی طرف سے ایک طرح کا کھچاؤ پیدا کر دیا ہے۔ "وقت بدل رہا ہے۔ پہلے اچھوتوں کو مدرسہ میں داخل دیا گیا پھر وہ ہمارے ساتھ ریل کے اسی ڈبہ اور بسوں میں سفر بھی کرنے لگے اور اب وہ ہمارے کنوئیں سے پانی نکالنا چاہتے ہیں اور عام طعام خانوں میں ہمارے ساتھ کھانا چاہتے ہیں۔ حکومت ان کی ناز برداری کر رہی ہے اور ان کے ووٹ حاصل کرنے کے لیے سیاسی جماعتیں انھیں خراب کر رہی ہیں اگر یہی حالت جاری رہی تو آئندہ یہ نیچ فرقہ والے ہماری لڑکیوں اور بہنوں سے شادیاں کرنا چاہیں گے۔" یہ بات ایک ریڈی زراعت پیشہ نے کہی تھی اور جو اس کے قریب کھڑے تھے انھوں نے اس سے اتفاق کیا۔ یہ خیال بڑی ذات والے "ذمہ دار" افراد کے عام رجحانات کی نمائندگی کرتا ہے۔

تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ: تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ لوگوں کے مابین ایک دوسرے کے متعلق مخالف باتیں سننے میں آتی ہیں غیر تعلیم یافتہ تعلیم یافتہ لوگوں کے متعلق کچھ عجیب رائیں رکھتے ہیں اور موخر الذکر کیٹیگری کے ان پڑھ افراد کے متعلق تحقیر آمیز رائے رکھتے ہیں۔

ان پڑھ لوگوں کی جانب سے مندرجہ ذیل احساسات اور باتیں عام طور سے سننے میں آتی ہیں "یہ تعلیم ہمارے کس کام کی؟ مدرسہ میں چار سال گذارنے کے بعد ہمارے بچے ہاتھ میں صرف قلم پکڑنا سیکھتے ہیں۔ اصل میں ہم جو ان سے چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہل مضبوطی سے پکڑ سکیں۔" مدرسہ میں چند کتابیں پڑھنا سیکھ لینے سے یہ لڑکے سمجھنے لگے ہیں کہ ان کی کھوپڑی میں ساری دنیا کا علم دھر آ گیا۔ وہ اپنے والدین کا مذاق اڑاتے ہیں، بڑوں کے تجربوں کی تحقیر کرتے ہیں

اور اپنے کو بہت کچھ سمجھنے لگتے ہیں۔ حقائق زندگی انھیں جلد ہی سبق پڑھا دیتے ہیں۔ جلد یا بدیر انھیں پشیماں ہونا پڑتا ہے اور بزرگوں کے قدموں میں آنا پڑتا ہے۔" ہر شخص کہتا ہے "اپنے لڑکوں کو مدرسہ بھیجو۔ غیر تعلیم یافتہ لوگ جانور کی طرح ہوتے ہیں۔ تعلیم انھیں آدمی بنا دیتی ہے" لیکن ہمیں تعلیم سے ملتا کیا ہے۔ لڑکے لکھنا پڑھنا سیکھ لیتے ہیں لیکن روایتی طریقے بھول جاتے ہیں۔ وہ خاندانی زمین جوتنا نہیں چاہتے اور موروثی پیشہ پر شرماتے ہیں۔ وہ سب کے سب شہر میں کام کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ایسی ہی باتیں ہوتی رہیں تو کیونٹی کا مستقبل کیا ہوگا؟" "تعلیم یافتہ لوگ لمبی باتوں اور بڑ ہانکنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جاتے ہیں۔ وہ شراب پیتے ہیں، جوا کھیلتے ہیں اور سازشیں کرتے ہیں۔ کوئی ادب یا آداب وہ کرنا ہی نہیں جانتے"۔ "تعلیم یافتہ لوگ کیونٹی کی کونسی خدمت کرتے ہیں؟ وہ سادہ لوح ان پڑھ لوگوں کو جھگڑنے کے لیے ورغلاتے ہیں اور بعد کو اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔" "ہم گاؤں والے سیدھے سادے ہیں اور تعلیم ہم کو چالبازی سکھاتی ہے"۔ الغرض ان بیانات کا لب لباب یہ ہے کہ تعلیم روایتی طرز کے اعتقادات میں رخنہ ڈالتی ہے اور اس کے بجائے نئی خواہشات اور ہوسناکی کو ہوا دیتی ہے۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تعلیم یافتہ افراد کیونٹی کے قابل نہیں رہتے۔

دوسری جانب تعلیم یافتہ لوگوں کا خیال کہ "گاؤں کے ان پڑھ لوگ سیدھے سادے، توہم پرست اور بیوقوف ہوتے ہیں۔ وہ ہر شخص پر یقین کر لیتے ہیں۔ گاؤں کی حالت کبھی بہتر نہیں ہوگی جب تک وہاں ان کا اثر رہیگا"۔ "غیر تعلیم یافتہ انساں جانور کے مانند ہے"۔ "جس طرح تم بیل کو ہانک سکتے ہو اسی طرح دیہاتی کو بھی"۔ "حکومت کے معمولی عہدہ دار ہمیں اس قدر کیوں پریشان کرتے ہیں؟ اسی لیے کہ ہم ان پڑھ ہیں"۔

یہاں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اب تک تعلیم یافتہ جماعت سے وہ لوگ مراد رہے ہیں جنہوں نے چار تا چھ سال گاؤں کے ابتدائی یا ثانوی مدرسوں میں حاصل کی۔ ان لوگوں کی تعداد اسی سے زیادہ نہیں اور ان میں سے بھی بعض پڑھنا لکھنا بھول جاتے ہیں۔ چند سرکاری عہدہ داروں کے علاوہ جو گاؤں کی مستقل آبادی میں شامل نہیں ہیں، ابھی تک کسی نے بھی شہر کے بہتر مدارس میں جدید سائنسی تعلیم سے فائدہ نہیں اٹھایا ہے۔ اگرچہ ہماری تحقیقات کے وقت گاؤں کے تقریباً آدھے درجن لڑکے بڑے مدرسوں میں جا رہے تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان لوگوں میں جنہوں نے دیہاتی مادری زبان کے مدرسوں میں تعلیم پائی ہے جدید یا

انگریزی تعلیم یافتہ اشخاص کے بارے میں اسی قسم کا خوف، شبہ اور عام احساس پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ آبادی کی ان پڑھ جماعت کو ان لوگوں سے ہے جن کے پس پشت گاؤں کی تعلیم ہے۔ دونوں قسم کی تعلیموں کے خلاف عام تعصب کے باوجود ان کے معاشی فائدے اور وقار کے لیے اس کی اہمیت عام طور سے تسلیم کی جاتی ہے۔ معیار کی درجہ واری ترقی اور مدارس کے کاموں کے مدنظر اب نسبتاً زیادہ والدین اپنے لڑکوں کے لیے مدارس میں داخلے کے متمنی رہتے ہیں۔ پھر بھی خوف اب بھی دامن گیر ہے اور لوگ اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ کتابی تعلیم کے ساتھ ساتھ مدارس کو روزی کمانے کے طریقوں کے لیے بھی طلبا کو بہتر طریقہ پر تیار کر دینا چاہیے۔

شہری اور دیہی: شہری اور شہری کی زندگی سے متاثرہ لوگوں کے متعلق عام خیال آرائیاں ویسی ہی ہیں جیسی کہ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ اشخاص کے بارے میں و شہری شائستگی کے متعلق یا کچھ شہری اطوار اختیار کرنے پر کچھ زائد آرام کا اکثر اظہار کیا جاتا ہے۔ ہم گاؤں والے سادہ دل ہیں لیکن شہر کے لوگ چالاک، مطلبی اور خود غرض ہوتے ہیں۔ جب شہر سے رشتہ دار ہمارے پاس شہر سے آتے ہیں تو ہم ان کو خوش آمدید کہتے ہیں اور ہر چیز کا ان کو بہترین حصہ دیتے ہیں۔ لیکن جب ہم ان کے پاس جاتے ہیں تو گویا ہم ان کے لیے بوجھ ہوتے ہیں۔ شہر کے رہنے والے پر کبھی اعتماد نہ کرو۔ کیوں کہ وہ سچ اور جھوٹ میں کبھی امتیاز نہیں کرتا۔ جب ہم سے کام لینا ہوتا ہے تو وہ بڑا مہربان بنتا ہے اور جب کام ہو جاتا ہے تو وہ بے تعلق بن جاتا ہے۔ شہر والوں کے طریقے عجیب ہیں وہ اپنے جوتوں، میزوں وغیرہ کے ساتھ بھی سو جاتے ہیں گے، وہ دیہاتی جو شہر میں کچھ سال بسر کر لیتا ہے، شہر والوں کے طریقے سیکھ لیتا ہے۔ شہر میں وہ بے حیثیت آدمی شخص رہا ہوگا لیکن جب گاؤں واپس آتا ہے تو لاٹ صاحب بن جاتا ہے۔

دوسری جانب شہر سے تعلق رکھنے والے اشخاص گاؤں کے لوگوں کو اُجڈ اور بدتمیز سمجھتے ہیں اور اپنے کو ترقی یافتہ و متمدن۔ ان میں ان سادہ اور ناسمجھ لوگوں پر حقارت کی نظر ڈالنے کا بلا رو رعایت رجحان پایا جاتا ہے۔ وہ ان کے چال چلن کا مذاق اڑاتے ہیں اور کبھی کبھی ان پر بیجا دباؤ ڈال کر ان سے فائدہ بھی اٹھا لیتے ہیں۔ یہ لوگ ڈرپوک اور بیوقوف ہوتے ہیں وہ ہر اس شخص سے ڈرتے ہیں جو اختیار رکھتا ہے اور عہدہ داروں کے دباؤ پر بڑی آسانی سے جھک جاتے ہیں۔ یہ بیان گاؤں کے ایک نوجوان نے دیا جب اس سے ان گاؤں والوں کے متعلق رائے پوچھی گئی جن کا شہر کے طریقوں سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔

جن لوگوں کا شہر سے تعلق ہو چلا ہے وہ گاؤں کے رہنما بن کر آگے آ رہے ہیں۔ ان پر اعتراض بھی ہوتا ہے اور تنقید بھی۔ تاہم ان کی رائے کی قدر کی جاتی ہے اور عام طور پر ان تمام صورتوں میں جہاں باہری دنیا سے مقابلہ ہو کمیونٹی کے لوگ ان کی جانب رہنمائی کے لیے رجوع کرتے ہیں۔

(۲) بچپن، جوانی اور بڑھاپا

اس حصہ میں زندگی کی تین اہم منازل — بچپن، جوانی اور بڑھاپا — کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ ایک طرف خاندان، رشتہ داری کے گروہ اور ذات پات، سماجی ساخت کے وہ اہم عامل ہیں جو فرد کے دورِ زندگی کو متاثر کرتے ہیں۔ تو دوسری جانب سماجیت اور سماجی کنٹرول کے نقطۂ نظر سے گاؤں کی اہمیت ایک اکائی کی حیثیت سے کم نہیں کی جا سکتی۔ خاندان اور ذات سے قطع نظر ہم عمر لوگ اپنا بیشتر وقت اپنے متعلقہ گروہ میں صرف کرتے ہیں۔ اور اس طرح باہم میل ملاپ کے طریقے جس میں عام کھیل اور نوجوانوں کی عملی مشغولیت میں حصہ لینا شامل ہوتا ہے ایک عام روش بن جاتی ہے اور یہ زندگی کی طرف چند عام بنیادی رجحانات کی جھلک دکھاتی ہے۔

بچے کی زندگی کے پہلے دو تین مہینوں تک ماں ہی اس کی کامل نگرانی کرتی ہے۔ نوجوان ماں کو عام طور پر ماں بننے کی تعلیم کوئی عمر رسیدہ رشتہ دار عورت دیتی ہے لیکن اس منزل پر خود اس کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ بچے کی ضروریات کا خیال کرے۔ ان چند مہینوں میں بچے کو اکیلا چھوڑ کر ماں کام کرنے کیلئے باہر نہیں نکلتی چاہے خانہ داری کے فرائض کے تحت صبح و شام تک ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اس کا ذرا دیر کے لیے بچے سے علٰحدہ ہونا ضروری ہی کیوں نہ ہو۔ ان خاندانوں میں جو کمیونٹی کی اقتصادی اونچی معاشی سطحوں پر ہیں بچے کی واقعی اچھی نگہداشت کی جاتی ہے۔ اس کے رونے کو اس کی تکلیف کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ اور اسے چپ کرانے کی ہر کوشش کی جاتی ہے۔ دودھ پلانے کا کوئی خاص مرتب طریقہ نہیں ہے۔ بچہ جب بھوکا ہوتا ہے اور روتا ہے تو اسے دودھ پلا دیا جاتا ہے۔ یا ماں اس وقت بھی دودھ پلاتی ہے جب اس کا سینہ دودھ سے بھر آتا ہے۔ رات کو بچہ ماں کے ساتھ سوتا ہے۔ عام طور پر اس کے منہ میں ایک چیتھڑا لگا دیا جاتا ہے جسے وہ چوستا رہتا ہے۔ صفائی اور آلاستگی کو اس زمانہ میں بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اور بھیگے ہوئے کپڑے نفرت کا باعث نہیں ہوتے۔ اسے بدیہی سمجھا جاتا ہے اور ماں یا کوئی رشتہ دار عورت بچے کا کپڑا جب بھیگا دیکھتی ہے تو اسے بدل دیتی ہے۔ جب بچہ رونا شروع کرتا ہے تو عام طریقہ یہی ہے کہ ماں اسے دودھ پلانے لگتی ہے۔ اگر اس وقت ایسا نہیں کیا جا سکتا یا اس سے مطلب برداری نہیں ہوتی تو

دوسرے طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ماں یا کوئی رشتہ دار عورت یا کوئی لڑکی بچے کو اٹھا لیتی ہے اور اس کی پیٹھ پر آہستہ آہستہ تھپکیاں دیتے ہوئے گا نا گا کے سلا دیتی ہے۔ اسے ایک ہنڈولے میں بھی سلا دیا جاتا ہے۔ جو ایک رسی سے آویزاں ہوتا ہے۔ اور اسے آہستہ آہستہ ہلایا جاتا ہے ایک اور طریقہ جو عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ روتے ہوئے بچے کے قریب جو شخص ہوتا ہے وہ اس کی توجہ بدلنے کے لیے عجیب عجیب آوازیں نکالتا ہے۔ یا اسے اکیلا فرد باتوں میں لگا لیتا ہے۔ ایک اور ترکیب یہ ہے کہ ماں یا بچہ کو کھلانے والی اس کے اعضا کو نرمی سے سہلا دیتی ہے۔

بچپن کے اس ابتدائی منزل کے بعد لیکن چلنا سیکھنے کے زمانے سے پہلے بچہ کی نگہداشت کا طریقہ کسی قدر مختلف ہوتا ہے۔ پیدائش کے تقریباً تین مہینہ بعد خانہ داری کے امور اور معاشی فرائض پھر کی طرح ماں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں اور اس لیے اب وہ بچہ کی طرف پوری توجہ نہیں دے سکتی۔ گھر کی دوسری عورتیں خاص طور پر بڑی بہنیں بچہ کی ذمہ داری میں اب زیادہ حصہ لینے لگتی ہیں۔ جب بچہ کسی قدر بڑا اور اسے سنبھالنا آسان ہو جاتا ہے تو مرد لوگ بھی اس کی کبھی کبھی دیکھ بھال کر لیتے ہیں۔ اس کی طرف اب وہ مسلسل توجہ نہیں کی جاتی جو پہلے کی جاتی تھی اور کچھ دیر کے لیے اسے علٰحدہ چھوڑ دینے کی باری بھی بڑھا دی جاتی ہے۔ نیز اسے بے قاعدہ طور پر کھلایا جاتا ہے۔ چار پانچ ماہ بعد کچھ نرم غذائیں بھی شروع کر دی جاتی ہیں۔ جب یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ بچہ اسے اچھی طرح ہضم کر سکتا ہے تو اسے روتے وقت چپ کرانے کے لیے کھلانے والے یا دوسرے افراد ذرا سی غذا دے دیتے ہیں۔ اس نوبت پر لوگ بچہ کو اٹھا لینا پسند کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کافی پیار اور کھیل ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں بچے کو قابو میں رکھنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ اسے کھڑے ہونے اور چلنے سیکھنے کے لیے ہر طرح مدد دی جاتی ہے۔ لوگ اس کی آوازوں کی نقل اتار کر بڑے خوش ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی اسے باتیں کرنا بھی سکھاتے ہیں۔ عام طور پر پہلے دادا، دادی، باپ، ماں، چچا، چچی یا بھائی، بہن جیسے الفاظ سکھائے جاتے ہیں۔ اپنی دماغی پریشانی اور فکرمندی کے وقت ماں کبھی بچہ کو طمانچہ بھی لگا دیتی ہے لیکن یہ چیز ہرگز پسند نہیں کی جاتی اور جب اس کا پتہ چلتا ہے تو گھر کے بڑے اس پر ماں کو ہمیشہ ملامت کرتے ہیں۔

کسی قدر تغیر کے ساتھ یہ باتیں تقریباً تین سال کی عمر تک بچپن کے زمانہ میں بھی چلتی رہتی ہیں جب بچہ چلنا سیکھ لیتا ہے تو بڑے لوگ اسے کم ہی اٹھا کر چلتے ہیں۔ کبھی کبھی اسے گھر کے پیچھے یا گھر کے سامنے گلی میں کھیلنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بچوں کو جو سکھانے کے طریقے ہیں اس کی طرف توجہ جاری رہتی ہے اور

بڑے لوگ اس سے پیار کرنے میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ دودھ پلانے کی اس وقت تک کوشش نہیں کی جاتی جب تک ماں کے حاملہ ہونے یا اس کا دودھ سوکھ جانے کے باعث ایسا کرنا ضروری نہ ہو جائے صاف ستھرا رہنے کا طریقہ سکھانے کی کوشش اس زمانہ سے شروع کی جاتی ہے۔ جب بچہ صبح میں جاگ اٹھتا ہے تو ماں اپنے دونوں پاؤں ملا کے اس خلا میں بچہ کو بٹھاتی ہے اور ایک مخصوص آواز نکالتی رہتی ہے جس کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ بچہ کے لیے رجابت لانے کا باعث بنتی ہے کبھی کبھی بوقت ضرورت بچے کو کسی کونے میں لے جاتے ہیں اور بستر کے ڈھانکنے والے کپڑے اتار کے وہی مخصوص آواز نکالتے ہیں تاکہ بچہ پیشاب کرے۔ اگر بچہ اس وقت اپنے کپڑے بچھونے کے خراب کر لیتا ہے تو ماں یا کھلانے والی کہے گی "چھی تو گندا ہو گیا" مگر یہ مسکرا کر کہا جاتا ہے اور اس میں ملامت کا پہلو نہیں ہوتا۔

جب لڑکے اپنے اعضا کو ہاتھ لگاتے دیکھے جاتے ہیں تو بڑے لوگ مسکراتے ہیں اور آہستہ سے ان کا ہاتھ ہٹا دیتے ہیں۔ لڑکے عام طور سے ایسا ہی پھر کرنا شروع کر دیتے ہیں لیکن ان کو سزا نہیں دی جاتی۔ گھر کے بڑے افراد اس کے چڑھنے کی بجائے خوش ہوتے ہیں۔ اگرچہ لڑکوں کا جنسی تجربہ صرف ان کے اعضاء کی حد تک محدود رہتا ہے لیکن ان کی واقفیت کافی وسیع ہوتی ہے۔ اپنے والدین کے ساتھ ایک ہی کمرہ میں رہنے کے باعث ان کو ہم بستر دیکھنے کا موقع انھیں کبھی کبھی مل جاتا ہے۔ حتیٰ کہ تین سال کی عمر میں بھی کئی لڑکوں کی لغت میں اعضائے تناسل اور جنسی اختلاط کے الفاظ آجاتے ہیں۔

اب اس قسم کے ساتھ گرم پانی سے دھونے کے بجائے ان بچوں کو ہر ہفتہ دو تین بار ٹھنڈے پانی سے نہلایا جاتا ہے۔ برہمن اور کرسٹی میں ایسا زیادہ کیا جاتا ہے اور مسلمانوں اور اچھوتوں میں کم بچوں کے ساتھ بڑے لوگوں کا زیادہ تر دھتکارنے کا برتاؤ ہوتا ہے۔ ان کو تربیت دینے کی کوشش بے قاعدہ سی ہوتی ہے اور بے انتہا محبت تیز سختی کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ ساتھ کے بچوں میں قرابت خود خاندان کے افراد پیدا کرتے ہیں جنھیں چھوٹے بچوں کا آپس میں اشتعال، غصہ اور زبردستیاں دیکھنے میں مزا آتا ہے۔ ایسے وقت فقرہ بازی خوب ہوتی ہے۔ بچے کو خاموش کرنے کے لیے حسب ذیل طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ عجیب آوازیں نکال کے اس کی توجہ مبذول کرانا۔ جھوٹے میں بھلانا۔ غذا یا دودھ دینا۔ زور سے ڈانٹنا۔ دھمکی دینا یا لاغر اس کا کان دبانا یا طمانچہ مارنا۔

اس کے بعد پانچ برس کی عمر سے لڑکپن شروع ہوتا ہے جو بلوغ کی ابتدا تک جاری رہتا ہے اس زمانہ میں بچے اپنے کھیل کے ساتھیوں کا گروہ بنا لیتے ہیں اور اپنے ہم عمروں کے ساتھ دن کے کئی گھنٹے گزار دیتے ہیں۔ اب انھیں گلیوں میں اور گاؤں کے باہر کھلی جگہوں میں کھیلنے کی آزادی

ہوتی ہے۔ مادری توجہ اب بالکل کم ہوجاتی ہے اور بڑے لوگ ان پر نظر رکھتے ہیں لیکن اس کے علاوہ انہیں کافی آزادی ہوتی ہے۔ عمر کی زیادتی کے ساتھ گود میں اٹھا لینے، کھیلنے اور پیار کرنے کے جو الفت آمیز طریقے تھے وہ کم ہوجاتے ہیں۔ ستر پوشی کی تعلیم سخت کردی جاتی ہے اور بچے سے یہ امید کی جاتی ہے کہ پیشاب اور رفع حاجت پر وہ کنٹرول کرلیگا۔ صفائی پر زور دیا جاتا ہے اور اس میں کوئی غلطی ہوئی تو بڑے خفا ہوجاتے ہیں۔ اس بچہ کا مذاق اڑایا جاتا ہے ڈانٹا جاتا ہے، اور سزا دی جاتی ہے۔ اب ان کے لیے کپڑا پہننا اور ستر ڈھانکنا لازمی ہوجاتا ہے۔ اگر بڑے ان کو ننگا دیکھتے ہیں تو وہ اشارہ کرکے کہتے ہیں۔ ارے یہ کیا ہے تم چھپانے کی چیز کیوں دکھا رہے ہو۔ اس زمانہ میں بچوں میں حیا کا احساس پیدا ہوجاتا ہے۔ وہ ایسی باتوں پر شرما جاتے ہیں اور اپنا برہنہ حصہ ڈھانک کر بڑوں کے پاس سے بھاگ جاتے ہیں۔ اطاعت میں سختی اور جسمانی سزا زیادہ عام ہوجاتی ہے۔ طور طریق اچھا رہا تو تعریف کی جاتی ہے۔ ماں باپ حسن سلوک کرتے ہیں۔ کھانے میں اضافہ اور کچھ پیسوں کا تحفہ۔ یہ سب چیزیں صلہ میں ملتی ہیں۔ دوسری جانب قصور پر جھڑکیاں، دھمکیاں، تضحیک، ڈرانا کہ باپ کو خبر کردی جائیگی طمانچے مارنا، کبھی کھانا بند کردینا یا کھیل روک دینا، حتیٰ کہ کمرہ میں بند کردینا۔ یہ سب سزائیں بھی دی جاتی ہیں۔ بڑے لوگ لڑکوں کے ساتھ اکثر چالاکی دکھاتے ہیں اور جب اس کا پتہ چلتا ہے تو نظرانداز کر اور کبھی خوش ہوتے ہیں۔ کھیلوں میں لڑکے خاندان اور ذات پات کی حدود کی پرواہ نہیں کرتے اور ہر ذات کے لڑکے لڑکیوں کو اپنے گروہ میں شامل کرلیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے بڑوں کی تنبیہ ضروری ہوجاتی ہے۔ جو ذات کی درجہ بندی کے طریقے لڑکوں کو سمجھاتے ہیں اور اس بات کو صاف طور پر بتاتے ہیں کہ مساوات کی بنا پر کن گروہوں کے ساتھ کھانے پینے کا جواز ہوتا ہے۔ چھ یا سات سال کی عمر میں باہم کھانے اور چھوا چھوت کے قوانین بتائے جاتے ہیں اگرچہ سن بلوغ کے پہونچنے تک ان کی قانون شکنی پر سخت سزائیں نہیں دی جاتیں۔ چھ یا سات سال کی عمر میں لڑکے اور لڑکیوں کے کھیلوں کے علیحدہ گروہ بنا دیئے جاتے ہیں اگرچہ کبھی ان کے ساتھ کھیلنے پر امتناع نہیں ہوتا۔ بچوں کے جنسی معلومات اور تجربات کچھ تو اپنے بڑوں کے اسی قسم کے حرکات کو چوری چھپے دیکھ کر اور کچھ اپنے سے بڑی عمر والے ساتھیوں کے بتانے کی وجہ سے بہت وسیع ہوجاتے ہیں چوری چھپے مشت زنی کی جاتی ہے۔ جب بڑی عمر کے لڑکے اپنے عضو چھوتے رہتے ہیں تو ان کے بڑے بزرگ اس حرکت کو مستحسن نظر سے نہیں دیکھتے اس قسم کی عادت کو چھڑانے کے لیے مذاق اور دھمکی سے کام لیا جاتا ہے۔ دھمکی ان الفاظ میں دی جاتی ہے مثلاً اگر تم اس عادت کو نہ چھوڑو گے تو تمہارا عضو نہیں بڑھے گا۔ یا وہ ٹیڑھا ہوجائے گا اور تم ناکارہ ۔

ہو جاؤ گے۔ اس راز کے افشا کا خوف لڑکوں میں بڑی شرم دلانے کا سبب بن جاتا ہے۔ ان کے باوجود اپنے سے بڑی عمر والے تجربہ کار ساتھیوں کے تجربے بتلاتے ہیں "مشت زنی یا جلق سے عضو بڑا ہوتا ہے، جوانی جلد آتی ہے" اور وہ لڑکے جو ایسا نہیں کرتے ان میں مردانگی نہیں آتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکے چوری چھپے جلق بازی جاری رکھتے ہیں۔ بعض وقت لڑکوں کا ایک چھوٹا سا گروپ مل کر جلق بازی کرتا ہے۔ گروپ کی شکل میں جلق بازی کا وجود ہے اگرچہ کہ وہ بہت کم ہے۔ اسی طرح چھوٹے لڑکے اغلام بازی کی نقل کرتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اغلام بازی صرف شہر کے لڑکوں ہی میں پائی جاتی ہے لیکن ہم بہ بنائے ثبوت کہہ سکتے ہیں کہ ایک محدود حد تک یہ دوسروں میں بھی موجود ہے۔ بہر حال یہ لڑکوں اور نوجوانوں کی حد تک محدود ہے۔ ایک لڑکا اپنے سے کم عمر لڑکے کو اپنے ساتھ لیٹنے کے لیے راضی کر لیتا ہے۔ لڑکے اور لڑکیاں شادی کے کھیل کھیلتے ہیں۔ ان میں بعض مل کر سونے کی بھی نقل کرتے ہیں۔ ان میں اکثر صاف مل کر لیٹتے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتے۔ لڑکیاں بھی جلق بازی کرتی ہیں۔ بڑے بزرگ جنسی قسم کی باتوں کو اچھا نہیں سمجھتے لیکن لڑکے ایسی باتوں کو اپنے بالغ ہونے کی علامت اور عمر کی پختگی سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے بے تکلفی سے ہمیشہ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔

لڑکوں کے بہت سے کھیلوں میں مہارت، ور قوت کا مقابلہ ہوتا ہے۔ لڑکوں کو مختلف گروہوں اور حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اور ان میں رشک وحسد زیادہ ہونے کے باعث اکثر جھگڑا ہو جاتا ہے۔ دوستی، دشمنی یا بالکل غیر طرف داری کی حالتوں میں ان گروہوں کو وابستہ کرنے والے وسیع اخلاقی قوانین ہوتے ہیں۔ لڑکوں میں مردانگی کو اچھی صفت مانا جاتا ہے۔ لیکن کمزوری، شائستگی، جاسوسی اور شکایت کی عادت جیسی چیزوں کی تحقیر وتنقید کی جاتی ہے۔ ڈر سے بھاگ جانا، رونا اور اپنے گروہ سے بے وفائی کرنا ایسی باتیں ہیں جو دو لڑنے والے گروہوں میں لڑائی ختم ہو جانے اور صلح ہو جانے کے بہت زمانہ بعد تک بھی یاد رکھی جاتی ہیں۔ اپنے کھیل گروہوں کے علاوہ بڑی

عمر والے لڑکوں کو اپنے والدین کے کاموں میں ہاتھ بٹانا پڑتا ہے۔ بڑی لڑکیاں خانہ داری کے امور
میں اپنی ماؤں کی مدد کرتی ہیں اور چھوٹے بچوں کی کسی قدر نگرانی کرتی ہیں۔ اس طرح لڑکے باپ
کے لیے اور دیگر ذکور رشتہ داروں کے لیے اِدھر اُدھر کے کام کر دیتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب
وہ شباب کی زندگی کی تیاری کے لیے پہلا قدم اٹھاتے ہیں۔

عنفوانِ شباب سے لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کی زندگی میں نمایاں تبدیلی ہو جاتی ہے۔
اس عمر میں لڑکیوں سے امید کی جاتی ہے کہ وہ خانہ داری کے تمام بڑے امور انجام دینے کے قابل
ہو گئی ہیں۔ ان کی شادی کے لیے اس زمانہ میں پیغامات شروع ہو جاتے ہیں۔ وہ بہ نسبت لڑکوں کے
تیزی سے بڑی ہوتی ہیں۔ مقابلۃً اسی عمر کے لڑکے کو بڑی عمر کا بچہ خیال کیا جاتا ہے جو ہنوز سمجھدار نہیں
ہوا۔ لیکن لڑکیوں کو بڑی عورت کے برابر متصور کیا جاتا ہے۔ اب انھیں اپنے لباس کا خیال رکھنا
ہے۔ خاص کر ان کا سینہ کبھی نہیں کھلنا چاہیے۔ وہ گاؤں میں اِدھر اُدھر لڑکوں کی طرح نہیں پھر
سکتیں اور انھیں اس قدر زور سے بات کرنا یا ہنسنا چاہیے کہ ان پر دوسرے متوجہ ہوں۔ ماں انھیں
سمجھاتی ہے کہ اب چلن میں محتاط رہنا چاہیے کیوں کہ یہی زمانہ ہے جب نوجوان ان کی طرف توجہ
دینا شروع کرتے ہیں۔ نوجوان بالغ لڑکیوں پر خاص طور سے متوجہ ہوتے ہیں۔ کیوں کہ ان کی
جوانی ٹھیک اس وقت شباب پر ہوتی ہے۔ جو نوجوان لڑکے نوشگفتہ و نورسیدہ لڑکیوں سے
جنسی ربط قائم کرنے میں ان کے نوجوانی کے ابتدائی دور میں کامیاب ہو جاتے ہیں انھیں اپنے
ہم عمروں کی ستائش حاصل ہوتی ہے۔ لڑکیوں کے لیے یہ مشکل کا دور ہوتا ہے کیوں کہ انھیں اپنے
رومانی جذبات اور سماجی پابندیوں کے مابین جو آوارہ لڑکیوں کے لیے کی جاتی ہے، ایک درمیانی راستہ
تلاش کرنا پڑتا ہے۔ نوجوان لڑکے اپنے وقت کی تقسیم تقریباً نصف والدین سے کام سیکھنے میں اور
باقی اپنے کھلاڑی دوستوں میں کر لیتے ہیں۔ بچپن کے گرد و خاک کے کھیل کی جگہ اب دیہاتوں کے سخت
جسمانی کھیل لے لیتے ہیں۔ اس عمر کے گروہ والوں میں جنسیت کے متعلق تصورات بڑی اہمیت
رکھتے ہیں۔ اب صنف نازک کو غیر مردانہ سمجھا جاتا ہے اور آہستہ آہستہ چھوڑ دیا جاتا ہے دوسرے
لڑکوں کے ساتھ لڑکیاں کھیلنا حقارت آمیز سمجھا جاتا ہے۔ البتہ جنسی تجربہ کے لیے نوجوان لڑکیوں کو متوجہ
کرنے کی کوشش جاری رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقت سے کہیں زیادہ ان کے خیال و گفتگو میں تصورات
کا اہم غلبہ ہوتا ہے۔ کسی خیالی سہل الحصول عورت کا حسن التفات یا دور کے گاؤں میں کسی ایسے کی
کردار کا تصور جو محض بے بنیاد ہوتا ہے۔ بڑی تفصیل اور نہایت وضاحت سے بیان کیے جاتے

ہیں۔ اعضائے تناسل کے بڑھنے کا اس عمر میں مشاہدہ اور مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اس طرح کی باتیں ہوتی رہتی ہیں کہ جوانی آجاتی ہے اور ان کی شادی کا چرچا شروع ہو جاتا ہے۔ شادی ہونے کے بعد انھیں نئی سماجی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔

شادی کے بعد نوجوان مرد و عورت کو معاشی مصروفیات اور حرفہ کی طرف زیادہ متوجہ ہو جانا پڑتا ہے۔ اس لیے ان کے پاس گروہی مصروفیات میں حصہ لینے کے لیے بہت کم وقت رہ جاتا ہے۔ تاہم ان کی فرصت کا وقت عام طور پر اپنے ہم عمروں میں صرف ہوتا ہے۔ اور یہ دوستوں کی جماعت ہوتی ہے۔ اس گروہ کے اہم کاموں میں آوارہ گردی، تاش کھیلنا، گپ بازی اور باتیں کرنا شامل ہوتی ہیں۔ یہ شہر بھی ساتھ جاتے ہیں اور شرارت کرنی ہو تو ہمیشہ مل کر کرتے ہیں۔ ان گروہوں میں باہمی اعتماد کی باتیں ہوتی ہیں اور اکثر لوگ ایک دوسرے سے اپنے نئے کارنامے بیان کرتے ہیں۔ ان کی گفتگو کا عنوان اپنی مبالغہ آمیز جنسی کامیابیاں ہوتی ہیں۔ بالغ لڑکی کے ساتھ کامیابی — سچی ہو کر خیالی — اپنے محدود دائرہ میں نہایت وضاحت سے بیان کی جاتی ہے۔ اور بیان کو رنگین بنانے کے لیے تشریحات کا اور بھی نمایاں خاکہ کھینچا جاتا ہے۔ یہ اس کا سب سے پہلا تجربہ تھا۔ اور اکتنا زیادہ خون بہا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اس کو دلاسہ دینے کی کوشش کروں یا اپنے کام میں مصروف رہوں "۔ اب ایک ایسا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس میں ہر شخص اپنے اسی قسم کے تجربات بیان کرنے لگتا ہے۔ اگرچہ ان میں کچھ رد و بدل کے ساتھ پرانی دہرائی ہوئی داستانیں ہوتی ہیں۔ کسی شخص کے عضو تناسل کے بڑا ہونے کی وجہ سے لڑکی کے خائف رہنے کی کیفیت بار بار دہرائی جاتی ہے بعض نوجوان لڑکی کی تکلیف اور ناراضگی کی کیفیت بیان کرتے ہیں جبکہ ان کو زبردستی مجامعت کرنی پڑی۔ ان گروہوں کے کارناموں کا ایک اہم موضوع گاؤں میں جو کچھ ہوتا رہتا ہے اس پر تبصرہ کرنا ہے۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی حالیہ ترین افواہ پر تبصرہ کرتا ہے اور پوری کمیونٹی میں اسے پھیلا دیتا ہے۔ عورتوں کی تقسیم مختلف جنسی زمروں میں کی جاتی ہے مثلاً "سہل الحصول" عورتیں دوسری وہ جو بلائی ہیں اور پھر مکر جاتی ہیں، لڑنے والی قسم کی اور کھوکھلی عورتیں۔ لوگوں کے بیان میں پوشیدہ معنی والے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ مردوں کی خاص باتوں اور کمزوریوں کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے۔ اور تنقیدیں ہوتی ہیں۔ جوان شادی شدہ عورتوں کو خانہ داری کے کاموں کے باعث فرصت کم ملتی ہے۔ اس لیے گروہی کاموں کے بارے میں وہ نہیں سوچ سکتیں

لیکن وہ بھی ایک دوسرے کے ساتھ تو راتے نرنی کر سکتی ہیں۔ جب وہ کنوئیں کے پاس پانی کھینچنے کی اپنی باری آنے کا انتظار کرتی رہتی ہیں یا جب وہ کپڑے دھونے یا نہانے کے لیے باہر جاتی ہیں تو جدید ترین معاملات اور ان میں جو اضافہ ہوئے ان پر گفتگو کرتی ہیں۔

متوسط عمر کے لوگوں کا علیحدہ گروہ ہوتا ہے۔ یہ جمع ہو کر ادھر اُدھر کی باتیں کرتے ہیں لیکن ان کی رکنیت اور حاضری کم و بیش معین ہوتی ہے۔ مردوں اور عورتوں کے گروہ علیحدہ علیحدہ ملتے ہیں۔ اگرچہ کہ گاؤں کی دو تین عورتوں کو امتیاز حاصل ہے اور وہ مردوں کے گروہ تک بھی پہنچ جاتی ہیں۔ گاؤں میں بارہ تا چودہ مردوں کے گروہ ہیں جن میں تین سیاسی و سماجی اثر رکھنے والے اور اہم ہیں۔ مردوں کے گروہ کی رکنیت کافی حد تک مستقل رہتی ہے لیکن عورتوں کے گروہ میں، جھگڑوں یا اختلافات کے لحاظ سے تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ مردوں کے گروہ کسی مرکزی یا سیاسی اثر رکھنے والے فرد کے گرد بنتے ہیں۔ اور ان کا سب سے اہم کام افواہ اور سیاسی چرچا ہوتا ہے۔ گاؤں کی روزمرہ کی ترقیات پر بحثیں ہوتی ہیں اور اکثر گاؤں کی مرکزی سبھا میں جو طریقہ اختیار کیا جانے والا ہوتا ہے اس کا خاکہ سبھا کی میقات سے بہت پہلے یہاں تیار کر لیا جاتا ہے۔ ان تمام گروہوں میں دو اقسام کے اراکین ہوتے ہیں۔ ایک مستقل جن کی وفاداری اور الحاق پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور دوسرے عارضی، جن کا ربط متزلزل ہوتا ہے لیکن جو وقتاً فوقتاً کسی خاص غرض سے یا صرف تجسس کی خاطر حاضری دیتے رہتے ہیں۔ گاؤں کے معاملات کے انتظام میں ان گروہوں کا اہم حصہ ہوتا ہے کیوں کہ گاؤں میں جب ان کی تنقیدیں زبانی طور پر گردش کرتی ہیں تو کمیونٹی کے اہم معاملات میں مزید کارروائی کے لیے یہی محرک اور ہدایت کا باعث بن جاتی ہیں۔ یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان گروہوں میں زیادہ تر متوسط عمر کے لوگ شامل ہوتے ہیں کچھ حوصلہ مند نوجوان بھی شرکت کرتے ہیں لیکن عمر رسیدہ لوگ عموماً گھر ہی میں رہتے ہیں۔ گاؤں کے معاملات پر حقیقتاً متوسط عمر والوں کا قبضہ ہوتا ہے اور وہ جو واقعی ضعیف ہوتے ہیں وہ سبکدوشی کے باعث اہمیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ لیکن کچھ لوگ ایسی سبکدوشی پر اس لیے رضامند نہیں ہوتے کہ اپنی جوانی کے زمانہ میں وہ اقتدار اور اثرات سے فیضیاب تھے۔ اب ان کو نئے حالات سے مطابقت پیدا کرنے میں دشواری ہوتی ہے ماتحتی کی زندگی زحمت پذیر ثابت ہوتی ہے۔ لیکن بہت سے لوگ خندہ پیشانی سے اس صورت حال کو قبول کر لیتے ہیں۔ اپنے گھر کا عملی انتظام اور خاندانی پیشہ اپنے لڑکوں کے سر چھوڑ کر یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی زندگی

مطابقت غیر تکلیف دہ اور سہولت بخش ہے۔

تعاون و تصادم گاؤں کی کمیونٹی میں ذاتوں اور خاندانوں کے مابین قابل تعریف حد تک باہمی تعاون پایا جاتا ہے۔ اس سے پیشتر یہ اشارہ کیا جا چکا ہے کہ معاشی اور رسوم کے میدان میں متعدد ذاتیں سماجی نظام کے اتحاد باہمی سے مستفید ہو رہے ہیں۔ کمیونٹی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی کامیابی کا انحصار روایتی نظام کے باہمی لین دین پر ہے۔ اس کے علاوہ سماجی ڈھانچے کے تحت مروّاجی تعلقات ہیں۔ ان میں بہت سے رضاکارانہ تعاونی تعلقات بھی پائے جاتے ہیں۔ پڑوسیوں کے مابین یا دوست خاندانوں کے درمیان سادہ ترین قسم کا جو رضاکارانہ تعاون پایا جاتا ہے وہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کے لیے مطابقت پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ مختصر سی رقم یا تھوڑی مقدار میں غلہ ادھار لینا، ماہواری یا زچگی کے زمانہ میں دوست کا کھانا پکا دینا، ماں کی عارضی غیر موجودگی میں لڑکوں کی دیکھ بھال کرنا، یہ سب اس قسم کے تعاون کی مثالیں ہیں۔ متوسط درجہ اور غریب اقتصادی حیثیت والے کسانوں میں مکان بنانے اور چھت کی سالانہ مرمت کے لیے پڑوسی دوستوں کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس قسم کی تمام مراعتوں کا حساب ذہن میں پوری طرح رکھا جاتا ہے تاکہ مناسب موقع پر ان کا بدل دیا جا سکے۔ مدد سے انکار اور مہربانیوں کا پوری طرح جواب نہ دینا غیر دوستانہ علامت یا دل کی تنگی کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔ نازک وقت میں دوست اور دشمن کو یکساں مدد پہنچائی جاتی ہے۔ سخت بیماری، آگ لگنے یا کسی حادثے کی صورت میں گاؤں کے متاثر ساتھی کی مدد کرنا ضروری ہے۔ اور ایسی تمام صورتوں میں مدد سے شاذ ہی انکار کیا جاتا ہے۔ سماجی مذہبی رسومات خاص کر شادی نیز جن کا تعلق موت سے ہوتا ہے وہ اہم مواقع ہیں جب پڑوسیوں اور گاؤں کے ساتھیوں کے تعاون اور مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایسے گھرانے کی ذمہ داری جس میں ایسی رسومات ہوتی ہیں، وہ دوستوں اور پڑوسیوں کی مدد سے کافی آسان ہو جاتی ہیں۔ متوسط اور غریب کسان معاشی کاموں میں بھی تعاون کرتے ہیں۔ بالخصوص کھیتوں سے گھاس پات نکالنے اور کٹائی کے زمانہ میں کام جلد ختم کرنے کے لیے ان کے گھرانے والے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ پیشہ ور ذاتوں میں خاص گروہوں کے خاندانوں سے یہ امید کی جاتی ہے کہ بیماری، مشکل یا عارضی معذوری کے زمانہ میں ایک دوسرے کے لیے جسمانی یا مالی مدد دے کر آسانیاں پیدا کریں گے تاکہ وہ اپنے پیشہ کا کام جاری رکھیں۔ گاؤں کی جانب سے جو میلے اور تقریبات ہوتی ہیں ان میں کمیونٹی کا تعاونی جذبہ نمایاں ہوتا ہے۔ ایسے کسی موقع پر ممکن ہے کہ کوئی گروہ

تعاون کرنے سے انکار کرے۔ اور کبھی یہ رکاوٹوں اور زحمتوں کا بھی باعث ہو سکتا ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی یہ کہا جا سکتا ہے کہ تقاریب منعقد کرنے والے کو کمیونٹی کے بڑے حصہ کا پرجوش تعاون حاصل ہوتا ہے۔ اور مخالفت کرنے والے اپنے ساتھیوں کی ہمدردیوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ بین دیہی جھگڑوں میں نیز ایسے تمام مواقع پر جن میں گاؤں کا وقار خطرہ میں ہوتا ہے آبادی کے لوگ اتحادی جذبے سے کام لیتے ہیں۔ رضاکارانہ امداد کے پس پشت کسی قسم کی سماجی منظوری نہیں ہوتی۔ لیکن سماج کے عام رجحان کے مطابق ایسا تعاون مناسب اور ضروری سمجھا جاتا ہے۔ بقول ایک مخبر کے "کون کہہ سکتا ہے کہ اسے کبھی کسی سے مدد کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی؟ روپیہ بہت سی چیزیں خرید سکتا ہے۔ طاقت بھی بہت سی چیزیں حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن ایسی بہت سی صورتیں ہوتی ہیں جن میں روپیہ یا طاقت سے کام نہیں چلتا۔ جب تمہیں ہمدردی اور مدد کی ضرورت ہوتی ہے تو تمہارا پڑوسی ہی کام آتا ہے۔ ایک دوسرے مخبر نے بیان کیا "آج تم اچھے ہو کل بری طرح بیمار پڑ سکتے ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں اس وقت کوئی ڈاکٹر بھی نہ ملے۔ کیا چیز تمہاری زندگی بچاتی ہے؟ تمہارے پڑوسی کا جانا پہچانا سستی جڑی بوٹیوں کا ایک نسخہ۔" ایک تیسرے مخبر نے کہا "آج مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ کل تم کو میری مدد کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ ہم ایک گاؤں میں کس لیے رہتے ہیں؟ ویرانے میں کیوں نہیں بستے؟ صرف اس لیے کہ ہم انسانی ہمدردی اور وقتی مدد کے بغیر گذر نہیں کر سکتے۔ بروقت مدد بجائے خود اہم ہے۔ مدد حاصل کرنے والے شخص کی مشکل کو یہ آسان بناتی ہے اور مدد دینے والے کو نفسیاتی اطمینان عطا کرتی ہے۔ سے اس کی وجہ سے کسی حد تک سماجی منزلت بھی حاصل ہوتی ہے۔"

لیکن میں باہمی اتحاد کے تعاون کی اس تصویر کو بہت زیادہ متاثر کن بنا کر نہیں پیش کرنا چاہتا کیوں کہ کیتھی میں جھگڑے اور کشیدگیاں بھی بہت کافی موجود ہیں۔ اس سے پہلے کے باب میں کمیونٹی کے اشخاص کے باہمی تعلقات کی نوعیتوں کے تجزیہ سے یہ اندازہ ہوا کہ ایسے بے چین اور حساس لوگ جو اپنی موافقت یا غیر موافقت کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتے اور اپنے فوری ردعمل کو دبا نہیں سکتے۔ وہ چین کی اور خاموش زندگی نہیں گذار سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سی کشیدگیاں وقتی ہوتی ہیں لیکن لڑائی اور جھگڑے بہت اور دشوار ہوتے ہیں۔ چوں کہ یہ کمیونٹی زندگی کے کئی امور میں جزوی طور پر خود مختار ہے اس لیے ان جھگڑوں پر قابو پانے کے لئے اس کے واسطے ایک موثر ادارہ کا ہونا ضروری ہے۔

شاید یہ صرف جزوی طور پر خود مختار ہے کیوں کہ یہ ایک وسیع تر سماجی نظام کا حصہ ہے۔ ذات واری تنظیم کے حدود علاقائی ہیں جس میں بے شمار مواضع شامل ہیں۔ زندگی کے مختلف مرحلوں میں

رہنے عناصر کے کردار پر قابو رکھنے کے گاؤں کے بجائے ذات والوں کا ہاتھ اونچا رہتا ہے۔ رسومات کی تفصیلیں جن کا تعلق ان کی زندگی کے ادوار سے ہے۔ نیز ذات پات کے لوگ اور اس کی قدریں اس زمرہ میں شامل ہیں۔ مزید برآں یہ گاؤں ذیلی براعظم کے قومی سیاسی ڈھانچہ میں فقط اپنا مختصر سی اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے قوانین ریاستی مجلس قانون ساز اور یونین پارلیمنٹ مدون کرتی ہے اور ریاست کے قانون کی تعمیل کرانے والا ہاتھ باقی تمام ملک کی طرح اس پر اپنا اثر جمائے رکھتا ہے اور اس طرح اس کے منظر پر ریاست کی پولس اور عدالت کے حکام بھی آجاتے ہیں۔ تمام قانون شکنی کے معاملات عدالتہائے دیوانی و فوجداری میں پیش ہوتے ہیں۔ اس کے بعد گاؤں کی جو خود مختاری باقی رہ جاتی ہے وہ ظاہراً ادنیٰ ادنیٰ معلوم ہوتی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں کے اختیارات کا دائرہ محدود اور غیر اہم ہے لیکن درحقیقت بہت کم واقعات ذات کی سبھا تک جاتے ہیں اور اس سے بھی کم عدالتوں تک۔ گاؤں میں سماجی کنٹرول اور انصاف کے قیام کی حد تک بین شخصی اور بین گروہی تعلقات کافی اثر انداز ہوتے ہیں اور اس اعتبار سے گاؤں کی خود اختیاری بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ انتظامیہ کیسے کارکرد ہوتا ہے اور اس سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ میں ابھی چند مثالیں پیش کروں گا جن سے چند خاص حالات میں اس کا طریقہ کار واضح ہو جائے گا۔ یہاں اس طرف اشارہ کیا جانا ضروری ہے کہ جھگڑے کے تمام مقدمات گاؤں کی سبھا میں پیش نہیں ہوتے۔ بہت سی صورتوں میں فریقین زور شور سے لڑ جھگڑ کے معاملہ ہی رفع دفع کر دیتے ہیں۔ چند دنوں تک ان میں بات چیت نہیں ہوتی۔ سماجی کاموں اور رسومات میں ایک دوسرے سے علٰحدہ رہتے ہیں۔ ایک دوسرے پر الزام دھرتے ہیں۔ اور پس پشت کیچڑ اچھالتے ہیں مگر کچھ دنوں بعد تعلقات معمول کے مطابق قائم ہو جاتے ہیں۔ دوسری صورتوں میں بڑے لوگوں کی مداخلت یا ثالثی کی خواہش کی جاتی ہے یا یہ لوگ خود رضاکارانہ طور پر آگے بڑھتے ہیں۔ جب گاؤں کے بااثر بڑے لوگ کسی کی بیجا یا نازیبا حرکت باربار دیکھتے ہیں تو وہ مداخلت کرتے ہیں اور اپنی شخصیت کے دباؤ سے معاملہ ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ غلطی کرنے والے کا مضحکہ اڑاتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں اور دھمکاتے ہیں۔ اس قسم کی مداخلت اکثر موثر ہوتی ہے؛ اور اس سے متوقع مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ جھگڑے خصوصی طور پر صاحب اثر اور غیر جانبدار بزرگوں سے رجوع کئے جا سکتے ہیں۔ اس طرح گاؤں کی سبھا میں پیش ہوئے بغیر تصفیہ کرایا جا سکتا ہے۔ جب یہ کوششیں کارگر نہیں ہوتیں یا جب جرم یا جھگڑے کی سنجیدگی اس کی متقاضی ہوتی ہے تو معاملہ کو گاؤں کے چودھری یا کسی بڑے

شخص کے پاس اس خاص کام کے لئے لے جایا جاتا ہے کہ اس کا تصفیہ گاؤں کی سبھا میں کرایا جائے۔ دوسری جانب بڑے لوگ سنجیدہ معاملات سے واقفیت حاصل کرکے اسے از خود گاؤں کی سبھا کی سماعت کے لئے پیش کر سکتے ہیں۔ البتہ وہ تمام مقدمات جو قتل، بڑی قسم کی چوری، ضرب شدید نیز بڑی رقموں کے قرض کی ادائیگی میں قصور سے متعلق ہوتے ہیں عدالہائے فوجداری و دیوانی میں لے جائے جاتے ہیں۔ اغواء اور زنا کو قانونی عدالت میں رجوع کیا جا سکتا ہے۔ لیکن عام طور پر انہیں گاؤں کی یا ذات کی سبھا میں پیش کیا جاتا ہے۔ شادی شدہ یا غیر شادی شدہ عورت سے بدچلنی، شادی شدہ عورت کے ساتھ فرار ہو جانا، شادی کے معاہدہ کی شرائط اور پابندیوں میں کوتاہی، یہ سب معاملات بھی اسی طرح ذات اور گاؤں کی سبھاؤں میں سے کسی ایک یا دونوں میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔ ان دونوں میں سے جو بھی زیادہ طاقتور اور موثر ہوتی ہے معمولی مقدمات اسی میں پیش ہو جاتے ہیں۔ شخصی تنازعات۔ جائداد اور زمین کے چھوٹے موٹے جھگڑے، جنسی جرائم اور معاہدہ شکنی کی تحقیق سماعت اور فیصلہ کے لیے عام طور پر گاؤں کی سبھا کے روبرو لائی جاتی ہیں۔

گاؤں کی سبھا کی ساخت پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ جب مقدمات اس کے پاس سماعت کے لیے لائے جاتے ہیں تو کارروائی بڑے اعزاز کے ساتھ کی جاتی ہے۔ موجود شہادتیں اور عینی گواہوں کی جانچ کی جاتی ہے۔ تحریک ارتکاب جرم اور وہ حالات جن میں اس کا ارتکاب ہوا۔ بالخصوص اس کا فوری سبب نیز استعمال کا وجود یا عدم۔ ان سب پر بھی غور کیا جاتا ہے۔ ظاہری طور پر ہر شخص واقعہ حسب حال ماننے اور غیر جانبدار رہنے کا رجحان رکھتا ہے۔ لیکن اصل میں سبھا کے اندر مخالف فریقین کارروائی کو اپنی طرف جھکا لینے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ بعد کو شہادت پھر اس طرح پیش کی جائے کہ یہ اس فریق کے لیے جس سے پہلے تعاون کے وعدے کیے جا چکے ہیں، سود مند ثابت ہو۔ اصل تصفیہ کے وقت مقدمے کے فریقین کو ہٹ جانا پڑتا ہے تاکہ سبھا کو امر زیر بحث پر مباحثہ اور تجزیہ کی آزادی رہے۔ اس بیچ پر مخالف فریقین مختلف اور متضاد آرا ظاہر کر سکتے ہیں۔ لیکن جب فیصلہ کا اعلان کیا جاتا ہے تو اس طرح کہ اس سے تمام اراکین کا اتفاق ظاہر ہوتا ہے۔

مداخلت اور ثالثی کے علاوہ گاؤں کی سبھا کسی کا جرم ثابت ہونے پر سزا بھی عائد کرتی ہے۔ سزا کی نوعیت مقدمات کے مختلف اقسام کے لحاظ نیز ان اشخاص کی بنا پر جو شریک مخاصمت ہوتے ہیں، مختلف ہوتی ہے۔ اس کی ابتدا معمولی تنبیہ سے شروع ہو کر بالکلیہ سماجی ترک تعلقات تک پہنچ سکتی ہے۔ اس کی درمیانی منازل میں سخت ڈانٹ ڈپٹ، غیر مشروط معذرت

کا مطالبہ، متضرر کے لیے معاوضہ دلانا اور جرمانہ جیسی چیزیں شامل ہو سکتی ہیں۔

خود سبھا کے اندر اس کے اندرونی اتحاد کے فقدان نے اس کے اقتدار کو کافی دھکا پہنچایا ہے۔ اور درحقیقت کہ بعض اراکین اپنے بیٹے کو نہ صرف اجازت دیتے ہیں بلکہ اس کی ہمت افزائی بھی کرتے ہیں کہ کلیۃً یا جزوی طور پر سبھا کے فیصلوں کی مخالفت کی جائے، سبھا کی بڑھتی ہوئی کمزوری میں مزید اضافہ کا باعث ہوتی ہے۔ نیز کوئی شخص بھی جو اس کے فیصلے سے غیر مطمئن ہو قانونی عدالت میں اپنا مقدمہ جب چاہے پیش کر سکتا ہے جہاں سبھا کا فیصلہ بدلا جا سکتا ہے۔

ان ابتدائی وضاحتوں کے بعد اب ہم چند مقامی مقدمات کے معاینہ کے لیے آگے بڑھ سکتے ہیں جو کمیونٹی کی زندگی کے مخصوص حالات کی نمایندگی کرتے ہیں۔

(۱) "وی۔ آر۔ آر" اور اس کا بھائی "بی"، دونوں ساتھ رہتے ہیں۔ ان کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے اور "بی" نابالغ ہونے کے باعث اپنے بڑے بھائی کے ساتھ رہتا ہے۔ "وی۔ آر۔ آر" کی ابتدائی تعلیم ہو چکی۔ نیز شہر کے ایک نچلے متوسط درجہ کے مگر عزت دار خاندان میں اس کی شادی ہونے کے باعث اور خود بھی شہری زندگی کا تجربہ ہونے کے سبب "وی۔ آر۔ آر" خود کو شہری نوجوانوں کے گروہ کا سرغنہ سمجھتا ہے۔ چونکہ اس کا زیادہ وقت آوارہ گردی، شرارت کے منصوبے بنانے، جوا کھیلنے، شراب پینے اور لوگوں میں جھگڑے پیدا کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اپنی زمین کے لیے وقت نہیں نکال سکتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ خاندان کی مالی حالت اطمینان بخش نہیں ہونے پاتی۔ "وی۔ آر۔ آر" گاؤں والوں کو اکثر غیر واجب باتوں کی دھمکی دے کر اور مدد کا دم دلاسا دے کر ان سے زبردستی پیسہ وصول کر کے اپنے لیے آمدنی کی صورت نکالتا ہے لیکن یہ رقم وہ تقریباً سب کی سب اپنے اوپر صرف کرتا ہے۔ اب (بی) جب بالغ ہو چکا ہے اور شادی کے زمانہ کے قریب ہو رہا ہے، یہ دیکھ کر اس کا بڑا بھائی اس کا کچھ خیال نہیں کرتا "بی" اپنی ذات کے چند بڑے لوگوں سے رجوع کرتا ہے۔ اس کی شکایات یہ ہیں کہ (الف) "وی۔ آر۔ آر"، "بی" کی زمین کا حصہ اور اس کی آمدنی اس (بی) پر صرف نہیں کرتا (ب) اس کی شادی کے لیے کچھ نہیں بچایا جاتا۔ ایک دن "وی۔ آر۔ آر" کسی معمولی بات پر برافروختہ ہو گیا اور اپنے چھوٹے بھائی کو برا بھلا کہا۔ "بی" دوڑتا ہوا "ای۔ ڈی۔ آر" کے پاس گیا جو اس کے گاؤں کا ایک صاحب اثر شخص اس کی ذات کا موروثی سردار ہے۔ اس ڈر سے کہ کہیں "بی" کو اس کا بڑا بھائی مار نہ دے "ای۔ ڈی۔ آر" اس کے ساتھ ہو لیا۔ اس کے گھر پہنچ کر "وی۔ آر۔ آر" کو گھر سے باہر نکلنے اور بات سننے کے لیے بلایا۔ کچھ تو اس لیے کہ اسے غصہ آیا اور کچھ اس زعم میں کہ وہ

نوجوانوں کے ایک جتھے کا سردار ہونے کے باعث صاحب اثر اور طاقتور ہے، اس نے 'ای۔ ڈی۔ آر' سے تلخی سے کہا "کیا تمہیں کوئی اور دوسرا کام نہیں ہے؟ تم یہاں کس لیے آتے ہو؟ کیا اس کی وجہ تمہارا حسد ہے جو تم ہماری بھلائی اور خوش حالی نہیں دیکھ سکتے اور اس لیے میرے بھائی کو مجھ سے علیحدہ ہو جانے پر ورغلا رہے ہو؟" اتنا ای۔ ڈی۔ آر کے لیے بھی بہت ہو گیا جو نہ صرف تحمل ٹھنڈے دل کا اور صحیح الدماغ آدمی تھا۔ بلکہ اس کے سنجیدہ ہونے کی تمام گاؤں میں شہرت تھی۔ وہ غصہ سے برافروختہ ہو گیا اور کہا "اوحرامی! معلوم ہوتا ہے تو اپنے کو بہت کچھ سمجھنے لگا ہے۔ شہر میں چند مہینے رہنے سے اور ان بدمعاشوں کے گروہ کا ساتھ مل جانے سے تو یہ سمجھتا ہے کہ گاؤں کے بڑوں کے اقتدار کی بھی مخالفت کر سکتا ہے۔ میں تجھے دکھاؤں گا کہ میرے ساتھ گستاخی کے کیا معنی ہیں!" دی۔ آر۔ اور اب بھی گستاخ تھا لیکن اتنا بے ادب نہیں ـــ ای ڈی آر نے کہا "اگر تو نے مجھے جواب دینے کی ہمت کی تو میں تیرے لیے گاؤں میں رہنا مشکل کر دوں گا تیری زبان لمبی ہے لیکن اگر ہمارے خلاف چلائی تو ہم اسے کھینچ لیں گے" اس نوبت پر 'دی۔ پی۔ سا۔ آر' جو 'ای۔ ڈی۔ آر' کا رقیب تھا ـــ لیکن جس کے پاس 'بی' اس سے پہلے رجوع کر چکا تھا ـــ سامنے آ گیا۔ مگر اب وہ 'ای۔ ڈی۔ آر' کا طرفدار ہو گیا اور ضدی 'دی آر آر' کو جھڑکنے میں شریک ہو گیا۔ ذرا سی دیر میں وہاں ایک مختصر سا مجمع ہو گیا۔ کچھ دوسرے بڑے لوگوں نے 'دی آر آر' کو سمجھایا کہ وہ ان بزرگوں سے جن کو اس نے ناراض کیا معافی مانگ لے۔ اس نے ایسا بادل ناخواستہ کیا۔ 'ای ڈی آر' 'دی پی ایل' اور دوسرے بڑے لوگوں نے جو وہاں جمع ہوئے تھے فیصلہ کیا کہ 'دی آر آر' کو زراعت کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہیے، اپنے چھوٹے بھائی کی شادی کے خرچ کے لیے ہر سال کم از کم دو سو روپے بچانے چاہییں اور شادی کے تین سال بعد اسے اس کی زمین اور مویشیوں میں حصہ دینا چاہیے۔ 'دی۔ آر' اس پر راضی ہوا اور مجمع برخواست ہو گیا۔

(2) 'ای۔ آر' ایک متوسط عمر کی عورت ہے اور گاؤں کی چنچل عورتوں میں شمار ہوتی ہے۔ اپنے زمانہ میں وہ مقامی حسینہ سمجھی جاتی تھی اور ایک گونہ آزاد روی کے لیے مشہور تھی۔ اب اس کے 'مسلم' سے جو ایک مقامی چھوٹا مسلم تاجر ہے ایک طرح کے انسانوی تعلقات ہو گئے ہیں۔ اس کا شوہر مطیع اور غریب طبیعت کا آدمی ہے اور اس کے لڑکے اس معاملہ کو نظر انداز کرتے ہیں۔ لیکن یہ خاص واقعہ اس کے اور اس کے لڑکے 'م وا' کے درمیان لڑائی سے متعلق ہے۔ جس نے نہ صرف اسے گالیاں دیں بلکہ برسرِ عام اسے مار کر معاملہ کو اور بھی سنجیدہ بنا دیا۔ بظاہر یہ جھگڑا معمولی

اور روزمرہ نوعیت کا معلوم ہوتا تھا لیکن ہماری محتاط تحقیق سے واضح ہوا کہ اس جھگڑے کی جڑ کچھ اور تھی۔ حقیقت حال یہ تھی کہ 'ای۔ آر' نے اپنے لڑکے 'والی' کی شادی کسی قدر چھوٹی اور نابالغ لڑکی سے کر دی تھی جو اس کے دوست کی بیٹی بھی تھی۔ 'والی' اب بالغ ہو چکا تھا لیکن اس کی نابالغ دلہن ابھی اور تین سال تک اس کی بیوی کی حیثیت سے جگہ نہیں لے سکتی تھی۔ اپنے لڑکے کو کسی عورت کے ساتھ بھاگ جانے سے روکنے کے لیے 'ای آر' نے نہ صرف گوارہ کیا بلکہ اس کی ترغیب بھی دی کچھ لوگ کہتے ہیں حقیقتاً وہی اس کی بانی تھی ۔۔۔ کہ 'والی' کا تعلق اسی ذات کی ایک عورت سے جو پڑوس ہی میں رہتی تھی، ہو جائے۔ تین چار سال تک ہر بات ٹھیک طور پر ہوتی رہی اور ماں بیٹے کے تعلقات بہت خوشگوار رہے۔ دشواری اس وقت شروع ہوئی جب 'والی' کی بیوی ان کے پاس رہنے کے لیے آگئی۔ 'ای۔ آر' کو امید تھی کہ اس کے لڑکے کی عاشقی اس دوسری عورت کے ساتھ جلد ہی ختم ہو جائے گی۔ لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ نوجوان بیوی اپنے شوہر کی محبت حاصل کرنے میں ناکام رہی جس نے اپنی پہلی معشوقہ کے ساتھ بدستور گہرے تعلقات قائم رکھے۔ 'ای۔ آر' اسے گوارہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے اپنے لڑکے کو اس سے باز رکھنے کے لیے کئی طریقے استعمال کیے لیکن ہر مرتبہ ناکامی ہوئی اور تعلقات کشیدہ ہوتے گئے۔ اب ان میں بار بار لڑائیاں ہونے لگیں۔ بے پناہ تنقیدوں کی روانی اور اعتراضات سے تنگ آکر ایک دن 'والی' نے اپنی ماں کو مارا ۔۔۔ پہلے گھونسے سے اور پھر لکڑی سے۔ اس نے شاید اس کے بال بھی کھینچے۔ اور یہ سب اس قدر اچانک ہوا اور 'ای۔ آر' کا شوہر اس قدر انگشت بدنداں رہ گیا کہ وہ اس معاملہ میں کسی مداخلت سے قاصر رہا۔ اس سے غضبناک ہو کر 'ای۔ آر' گلی میں بھاگی اور زور سے رونا اور کوسنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے بہت جلد ایک بڑا مجمع ہو گیا۔ اس کے شوہر نے اسے منانے کی کوشش کی لیکن 'ای۔ آر' نے اسے اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ اس نے اس سے کہا "تم مرد ہونے کا دعویٰ کرتے ہو؟ اسے تم؟ تم نے اپنے سامنے اپنے بیٹے کو مجھے پیٹتے ہوئے دیکھا اور تم نے اپنی چھوٹی انگلی بھی نہیں اٹھائی۔ میرے لیے تم مر چکے ہو۔ جاؤ چلے جاؤ۔ میرے لیے تم مر چکے ہو۔ کیا تم نے نہیں سنا؟" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی کانچ کی چوڑیاں توڑنی شروع کر دیں۔ یہ چیز نہایت سنجیدہ تھی کیونکہ ہندو عورت اپنی چوڑیاں بیوہ ہونے ہی پر توڑتی ہے مجمع نے اسے خاموش کرنا چاہا۔ ہمدردوں نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ آخر معاملہ کیا تھا۔ ایک گھنٹے سے زیادہ تک 'ای۔ آر' اپنے بیٹے اور شوہر کو گالیاں دیتی رہی۔ ان کے نام پر تھوکتی اور خاک اڑاتی رہی جو تدفین کی طرف اشارہ ہے۔ جب اس نے اس شام کے واقعات

، کا تفصیلی اور کسی قدر مبالغہ آمیز بیان دیا۔ تین بڑے لوگوں نے جو وہاں موجود تھے فوراً لڑکے کو بلایا اور اس سے کہا کہ اپنی ماں کے پاؤں چھوئے۔ اور اس سے معافی مانگے۔ یہ اس نے فوراً کیا اگرچہ اتری ہوئی صورت سے لیکن "ای۔ آئی" نے ادر بھی گالیوں کی بوچھار اور بدزبانی سے اپنا ردعمل دکھایا۔ تھوڑی دیر کے بعد لوگ ان کو گھر لے گئے۔ معاملہ کی سنجیدگی ایسی تھی کہ گاؤں کی پوری سبھا میں اس پر غور کیا جانا ضروری تھا۔ بیٹے کو ایک مرتبہ پھر اپنی ماں سے معافی مانگنی پڑی اور اس کے علاوہ اپنی نازیبا حرکت کے باعث ایک مختصر سا جرمانہ بھی ادا کرنا پڑا۔

(3) ذیل کی مثال گاؤں کے کچھ اندرونی معاملات اور لوگوں نے جو خاص ردعمل ظاہر کیا اس کی وضاحت کے لیے پیش کی گئی ہے۔

(کے) ایک متوسط درجہ کا کسان تھا۔ اس کے ایک لڑکا تھا جو باپ سے تعلقات خراب ہونے کے باعث علاحدہ رہتا تھا۔ "کے" کی زمینات زیادہ نہیں تھیں لیکن اس کے چند کھیت درجہ اوّل کے تھے۔ اس کا بڑھاپا آرہا تھا اور وہ اپنی تمام زمین کی کاشت خود نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے کچھ اقربا اس کی مدد کے لیے آگے بڑھے لیکن اس نے ان کی مدد قبول نہیں کی۔ اس نوبت پر "بی۔ ین" ایک اچھوت مگر بااثر کاشتکار "کے" کا دوست بن گیا تھا اور اس سے دوستی اور خیر خواہی کا دعویدار تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ "بی۔ ین" نے گاؤں کے کسی بہت ہی بارسوخ شخصیت کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ اس کی ایک بات جو اس کے دماغ میں تھی پورا کرنے میں دستگیری کرے (یہ افواہ پھیل گئی کہ اس بارسوخ شخص نے گرانقدر رقمی ہدیہ کے معاوضہ میں مدد کرنی قبول کرلی)۔ کچھ دنوں بعد یہ معلوم ہوا کہ "کے" نے اپنے بہترین کھیت "بی۔ ین" کے ہاتھ بیچ دے۔ اگرچہ دستاویزات سے یہ واضح تھا کہ "بی۔ ین" نے مناسب قیمت ادا کی۔ لیکن عام طور پر یہ خیال کیا جارہا تھا کہ حقیقتاً جو رقم ادا کی گئی وہ معمولی تھی۔ اس معاملت میں "کے" نے اپنے کسی رشتہ دار سے صلاح و مشورہ نہیں لیا تھا۔ بوڑھے آدمی نے اپنے اپنے رشتہ داروں کے دعوؤں کو بالکل نظرانداز کرتے ہوئے ایک اچھوت کو اپنا مربیع عنایات بنایا تھا۔ جس کے ذریعہ اپنے تمام ہم طبقہ لوگوں کی اس نے حق تلفی کی۔ اس لیے معاملہ ہوجانے کے بعد "کے" کے تعلقات اس کے رشتہ داروں سے بالکل منقطع ہوگئے۔ وہ کچھ دیگر اعزہ سے ملاقات کے لیے کسی دوسرے گاؤں کو چلا گیا۔ لیکن وہاں سخت بیمار پڑ گیا۔ اور شاید بیٹھ بڑی مخدوش حالت میں واپس ہوا۔ ہر شخص نے خیال کیا کہ یہ اس کے آخری دن تھے۔ لیکن اس کے رشتہ داروں نے اس کے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔ "بی۔ ین" نے گاؤں کی سرائے میں اس کے ٹھہرنے کے لیے ایک کمرہ کا انتظام

اور ایک دکاندار غیر بڑی ذات کے ایک نوجوان کے ذریعہ اس کے لیے رسد کا کھانا پکانے کا بندوبست کیا۔ چند دنوں میں کے کا انتقال ہو گیا۔

اس کے اعزہ نے اس کی لاش کو بھی نہیں چھوا۔ جب گاؤں کے چودھری نے ان کے پاس کہلا بھیجا تو انھوں نے کہا "ہم اس کے رشتہ دار نہیں ہیں۔ کیا اس نے اپنی زندگی میں کبھی ہم کو یاد کیا کہ ہم اب اسے یاد کریں؟ اس کا اچھوت لڑکا ہے جو اس کی وراثت پائے گا اسی کو اس کے آخری رسوم انجام دینے دو۔" یہ سن کر بی۔ین۔ نے کہا "میں اچھوت ہوں اور رسوم انجام نہیں دے سکتا۔ مگر میں اس کے مصارف برداشت کروں گا اور دیکھوں گا کہ رسوم قرینے سے انجام دی جاتی ہیں۔" اس نے شہر سے باجے والوں کو بلایا، ضروری تیاریوں کے لیے پیشگی رقم دی اور چودھری کے تعاون سے اعلیٰ ذات کے چار غیر شادی شدہ جوانوں کو جنازہ لے جانے کے لیے فراہم کیا۔ رشتہ داروں نے اسے ایک چیلنج سمجھا اور اپنا رویہ بدل دیا ان کے ایک نمائندہ نے کہا "مرنے والا ہمارے ہی بیچ سے تھا اور کوئی اچھوت نہیں تھا۔ ہمارے پاس دولت نہ ہو تو بھی ہم اس کے آخری رسوم انجام دیں گے۔" انھوں نے ریک اور بینڈ بلوایا اور آخری رسوم یادگاری طریقہ پر انجام پائیں۔ کے کے بیٹے نے توہین محسوس کی اور رسوم سے دور رہا۔

(۹) توانا اور تندرست ایس۔ آر۔ کئی خاص صفات کا حامل ہے۔ اپنی شخصیت اور دل پذیر طرز گفتگو کے باعث وہ اپنی کمیونٹی میں کافی صاحب اثر ہے اور ان کا لیڈر مانا جاتا ہے۔ لیکن وہ ایک اچھوت ہے۔ اور کبھی کبھی اس کے افعال خاندان کے لیے ذلت کا سبب بن جاتے ہیں جس سے اس کی شہرت عارضی طور پر ماند پڑ جاتی ہے۔ کئی مرتبہ اس پر معمولی چوریوں کا الزام عائد ہو چکا ہے اور ایک دو مرتبہ گاؤں کی سبھا نے اس پر جرمانے بھی کیے۔ لیکن جب اس نے اپنے آقا کا کمبل اور کچھ پیتل کے برتن چرا لیے اور اپنے ایک پڑوسی کی بیوی کے ساتھ فرار ہو گیا تو معاملہ بہت سنگین سمجھا گیا۔ گاؤں کے لوگوں نے قریب کے ریلوے اسٹیشن پر اسے تینوں چیزوں کے ساتھ دیکھا تھا۔ کمبل، پیتل کے برتن اور پڑوسی کی بیوی — چوری کی اطلاع گاؤں کی سبھا کو دی گئی اور کچھ ابتدائی غور و خوض کے بعد مقامی ذات کے گروہ نے اس فرار کے واقعہ کو بھی سبھا سے رجوع کیا۔ اس دوران یہ اطلاع ملی کہ ایس آر۔ ایک شکر کے کارخانہ میں کام کر رہا ہے لیکن گاؤں واپس آنا چاہتا ہے۔ گاؤں کی سبھا نے یہ فیصلہ کیا کہ چوری

لیے ہوئے مال کا پورا معاوضہ مالک کو ادا کرے۔ عورت کو اس کے شوہر کے پاس کچھ معاوضہ کی رقم کے ساتھ واپس کر دے اور دونوں جرائم کے لیے سبھا کو جرمانہ ادا کرے۔ 'سی۔ آر' گاؤں کو واپس ہوا۔ سبھا کے فیصلہ کو قبول کیا لیکن جرمانہ کی رقم میں تخفیف کی استدعا کی۔ درخواست منظور کر لی گئی۔

(5) 'آر' ایک بیوہ تھی۔ اور اپنے شوہر کی وفات کے بعد اپنی ماں کے ساتھ رہنے کے لیے شادی پور آئی۔ وہ ابھی نوجوان تھی۔ چند دنوں میں وہ 'یم' کی داشتہ بن گئی جو اسی ذات سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ کبھی کھلے عام میاں بیوی کی طرح نہیں رہے لیکن ان کے تعلقات سب کو معلوم تھے۔ 'یم' نے اس کے لیے کئی گراں قیمت تحفے خریدے جن میں ایک چاندی کا ہلسا اور کڑے تھے۔ تقریباً تین سال بعد 'آر' ایک باہری شخص پر عاشق ہو گئی جو اسے بیوی بنانے پر رضامند ہو گیا۔ 'یم' اس انتظام میں معترض نہیں ہوا لیکن اپنے دیے ہوئے تحفوں کی واپسی پر اصرار کیا۔ 'آر' ان کو دینے پر تیار نہیں تھی۔ ایک دن جب وہ 'یم' کے مکان میں سامنے گلی سے گذر رہی تھی تو وہ اس کی طرف جھپٹا اور زیورات زبردستی کھینچنے شروع کیے۔ 'آر' مدد کے لیے چلائی اور لوگوں نے دوڑ کر انھیں علٰحدہ کر دیا۔ اس بات کی اطلاع چودھری کو دی گئی جس نے سبھا کی میٹنگ بلائی۔ اس مقدمہ میں آراء میں اختلاف تھا لیکن آخری فیصلہ ہوا کہ 'یم' کے تین سال تک اس عورت سے جنسی تعلقات رہے۔ اس لیے اب اسے زیورات واپس لینے کا حق باقی نہیں رہا۔ 'آر' نے اپنے نئے عاشق کے ساتھ شادی کی اور اس کے گاؤں چلی گئی۔ 'یم' اس فیصلہ سے بالکل ناراض رہا لیکن اس کے پاس کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔

(6) 'ڈی' ایک بستی میں کام کر رہا تھا اور جب وہ گاؤں واپس ہوا تو اپنی بچت ساتھ لایا جو اندازاً چار سو روپے تھی۔ اس نے اپنا پیسہ شراب پینے اور جوا کھیلنے میں اڑانا شروع کیا۔ ایک سال کے اندر ہی اس نے اپنی تمام پونجی لٹا دی۔ اس نے اب اپنی بیوی سے بدسلوکی کرنی شروع کی۔ ایک دن جب اس کی بیوی کا باپ چند دنوں کے لیے اسے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آیا تھا۔ 'ڈی' نے اپنی بیوی سے شراب کے لیے آٹھ آنے مانگے۔ بیوی نے کہا کہ اس کے پاس کوئی پیسہ نہیں ہے جس پر شوہر نے اسے بری طرح مارا۔ شور و غل سن کر لوگ ان کے مکان کی طرف آئے اور عورت کے باپ نے واقعہ کی اطلاع چودھری کو دی۔ چودھری نے گاؤں کی سبھا کے کچھ اور اراکین کو بلایا اور پھر میاں بیوی کو طلب کیا۔ اس نے بیوی سے پوچھا "تم نے اسے پیسے کیوں نہیں دیے"؟ بیوی نے جواب دیا "میرے پاس کوئی پیسہ نہیں تھا"۔ اس نے مکرر کہا کہ اس کے پاس کوئی پیسہ نہیں ہے۔ اس پر اس کے سامان کی

تلاشی لی گئی جس سے ظاہر ہوا کہ اس کے پاس سات روپے تھے۔ اس نے سبھا کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ روپے اس کی اپنی کمائی سے بچت کیے تھے جو اس نے گاؤں میں بیڑی بنا کر حاصل کیے تھے۔ لیکن دلشکھ نے کہا "تو پنچایت کے سامنے جھوٹ کیوں بولی تو نے یہ کیوں کہا کہ تیرے پاس کوئی پیسے نہیں تھے۔ واقعات کا رخ اپنی موافقت میں اس طرح پھر جانے سے شوہر نے اس پر تین سو روپے چرانے کا الزام لگایا اور اسے چھوڑ دینے کے لیے بھی کہا۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ اس کے گاؤں چلی گئی۔

(7) 'سیل' اور 'پی' دونوں کمہار ذات کے ہیں۔ ان کے مکانات ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ ایک املی کا درخت ان دونوں گھروں کے بیچ میں ہے جو جھگڑے کی جڑ بنا ہوا ہے۔ اور اس درخت پر دونوں گھرانوں میں سخت لڑائیاں ہو چکی ہیں۔ اس کے پھلوں کا کون حقدار ہے؟ اس کی زمین پر گری ہوئی سوکھی پتیوں کو کون صاف کرے گا؟ کس کو اسے اپنے احاطہ میں لینا چاہیے؟ بڑوں کی مداخلت سے اس مسئلہ کا اطمینان بخش حل برآمد نہیں ہوا۔ معاملہ کی اطلاع گاؤں کی سبھا کو دی گئی لیکن یہاں بھی کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا کیوں کہ جانبین کے طرفدار تقریباً مساوی طاقت رکھتے تھے۔ آپس میں مفاہمت کی کوششیں بیشتر بے ثمر رہیں یا بہ صورت ثالثی مخاصمین میں معاہدے دیرپا نہ رہے۔ گاؤں کی پنچایت نے اس پر بارہا غور کیا لیکن بالآخر معاملہ کی اطلاع ایک سرکاری عہدہ دار کو دی گئی۔ چار سال تک معاملہ چلتا رہا۔ اور یہ درخت وہاں کے رہنے والوں کے لیے نقص امن کا باعث بنا رہا۔ بالآخر سرکاری عہدہ دار کی رائے پر یہ فیصلہ ہوا کہ درخت کاٹ دیا جائے۔ اس کی لکڑی بیچ دی جائے اور اس کی آمدنی جانبین میں مساوی تقسیم کر دی جائے۔ اس کو روبعمل لانے کے لیے ایک مہینہ کا وقت متعین کیا گیا جس کے بعد سبھا کو اختیار دیا گیا کہ وہ اس درخت کو اپنے طور پر بیچ دے اور لڑنے والوں کو اس کی آمدنی سے محروم کر دے۔

(8) 'آئی' اور 'لیں' دو بھائی ہیں۔ اپنے باپ کے مرنے کے بعد دو سال تک وہ ساتھ رہے اور اپنے کھیت باہم جوتتے رہے۔ اس کے بعد کچھ خاندانی اختلاف پیدا ہو گئے۔ گاؤں کے تین بڑوں نے جائداد کی تفصیلات تیار کیں۔ خاندان کی زمین دو مساوی حصوں میں تقسیم کی گئی لیکن ایک حصہ دوسرے سے ادنیٰ تھا۔ اچھی اور ادنیٰ زمینوں کی مساوی تقسیم اگر دونوں بھائیوں کے درمیان کی جاتی تو چھوٹے کھیتوں کے کچھ ایسے ٹکڑے ہو جاتے جو دونوں کے لیے نقصان دہ تھے۔ اس لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ جسے ادنیٰ زمین ملے اسے تمام ہل بیل ملیں اور جس کو اعلیٰ زمین ملے اسے باپ کے ترکہ مویشیوں میں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ نیز دونوں بھائیوں کو تین سال تک دو سو روپے سالانہ اپنی بہنا

کی شادی کے لیے جمع کرنا پڑے گا۔ 'آئی' نے اعلیٰ زمین پسند کی اور 'لیس' نے مویشیوں کے ساتھ ادنیٰ۔ کچھ زمانہ تک یہ انتظام اچھا چلتا رہا۔ سرکاری کھاتہ میں زمین اب بھی 'آئی' کے نام پر تھی کیوں کہ وہ دونوں میں بڑا تھا۔ علیحدگی کے وقت یہ بھی سمجھوتہ تھا کہ دونوں زمین کی سرکاری مالگذاری مساوی طور پر ادا کریں گے۔ لیکن 'لیس' یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس حقیقت کے مدنظر کہ اس کی زمین ادنیٰ تھی اس کی مالگذاری میں حصہ بھی کم ہونا چاہیے۔ معاملہ کو بڑھانے کے لیے کچھ لوگوں نے اسے ابھارا۔ 'آئی' غالباً ایک غاطے خواہ مفاہمت پر راضی ہو جاتا اگر اس کا بھائی اس سے رجوع ہوا ہوتا۔ لیکن یہ دیکھ کر وہ برافروختہ ہو گیا کہ وہ باہر کی مدد کا خواہاں تھا اور اسے بدنام کر رہا تھا۔ بڑے لوگوں کی مداخلت سے کوئی مفاہمت نہ ہو سکی۔ گاؤں کی سبھا کوئی فوری تصفیہ اس لیے نہیں کر سکتی تھی کہ دونوں بھائیوں کے طاقتور فریق تھے جو ان کا ساتھ دے رہے تھے۔ بالآخر فیصلہ 'لیس' کے خلاف ہوا لیکن اس کے مشیروں نے رائے دی کہ فیصلہ تسلیم کرنے کے بجائے اسے معاملہ عدالت دیوانی میں پیش کرنا چاہیے۔ ہماری تحقیقات کے وقت یہ موضوع ہنوز غیر منفصلہ تھا اور کوئی مفاہمت کی صورت نظر نہیں آتی تھی۔

ایسی اور بہت سی مثالیں بآسانی دی جا سکتی ہیں۔ کسی وعدہ یا معاہدہ کی شرائط پورا کرنے میں کوتاہی، چھوٹے قرضوں کی ادائیگی کی نااہلیت، بحث جنسی سازشیں، گھریلو جھگڑے جو بڑی حد تک بڑھ جائیں وغیرہ۔ ایسے معاملے گاؤں کی سبھا کے آگے اکثر آتے رہتے ہیں۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کسی فرد سے سماجی تعلقات منقطع کر لینے کے احکام جاری کرنے کی نوبت آ جائے۔ لیکن ذات کی پنچایتیں اکثر یہ حربہ اس وقت استعمال کرتی ہیں جب ذات پات کی روایتوں کو توڑنے کی اطلاعیں ان تک پہنچتی ہیں۔ نیچ ذات والوں کے ساتھ کھانا۔ ذات سے باہر جنسی سازشیں۔ اہم رسومات کی ناقدری اور ان سے گریز۔ نیز کسی بڑی رسم کو انجام نہ دینا۔ ان سب کے لیے شہر بدر کرنے کی سزا دی جاتی ہے۔ خارج شدہ خاندان کو سماجی مساوات سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ کوئی اس کے ساتھ کھانے پینے میں شریک نہیں ہوتا۔ ایسے خاندان کا کوئی فرد سماجی مذہبی رسوم میں شرکت کے لیے انہیں بلایا جاتا اور نہ کوئی اس کی طرف سے دی ہوئی دعوت قبول کرتا ہے۔ اس کی سماجی مساوات کی حیثیت اس صورت میں عود کر آئے گی جب وہ ایسے رسوم انجام دے جو اس کے جرم کے کفارہ کے لیے ضروری ہیں۔

ہمیں اپنی تحقیقات کے دوران کمیونٹی کی کسی سنگین بین گروہی کشیدگی اور تصادم کا پتہ نہیں چلتا۔ پولیس یا کشن گڑھ راما قبل و مابعد ہندو مسلم کشیدگی کسی قدر تھی۔ پہلی صورت میں مسلمانوں نے ہندوؤں کو ڈرایا اور دوسری صورت میں ہندوؤں نے ایک مسلم گھر کا سامان لوٹ لیا۔ اور مسلمانوں

کو عام طور پر پڑوایا اور ان کے سرغنوں کو خاص طور پر۔ مختلف ذاتوں میں یا گاؤں میں آباد گھروں میں جہاں تک یادداشت کام کرتی ہے صرف دو بڑے جھگڑے ہوئے ہیں ان کی تفصیلات لوگوں کو یاد نہیں لیکن یہ یقین کیا جاتا ہے کہ کشیدگی قلیل المدت تھی اور لڑنے والے گروہوں میں دوستانہ تعلقات بہت جلد قائم ہو گئے تھے۔ گاؤں کے باشندوں میں جیسا اتحاد اس وقت رونما ہوتا ہے جب انھیں باہر والوں سے مقابلہ کا سابقہ پڑتا ہے۔ تالاب سے آبپاشی کے لیے علیہ باد شاہ پیر پیٹھ کے ساتھ پانی کا حصہ حاصل کرتا ہے۔ شاہ پیر پیٹھ اور علیہ باد کو پانی کی فراہمی کا تناسب ۵: ۲ مقرر ہے۔ اس میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ مشکلات پڑتی رہتی ہیں۔ ایک رات پانی کے دروازے کھول دیے گئے اور پانی جو شاہ پیر پیٹھ کے کھیتوں کی آبپاشی کرتا تھا علیہ باد کے کھیتوں کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ دوسری صبح شاہ پیر پیٹھ کے ایک مسلم جتھے نے علیہ باد پر حملہ کیا۔ جو کچھ کہ گزشتہ شب گزرا تھا اس کے متعلق تین مختلف نظریے تھے۔ علیہ باد کے لوگوں کا کہنا ہے کہ پانی کے دروازوں کے محافظین نے اس خیال سے کہ باری علیہ باد والوں کی تھی ان سے پانی لینے کو کہا تھا۔ محافظین کا کہنا تھا کہ تشدد کی دھمکی کے ساتھ علیہ آباد کے آدمیوں نے پانی کا رخ اپنی جانب پھیر لیا۔ شاید اصلیت اس معاملہ کی یہ تھی کہ علیہ باد کے لوگوں نے یہ رعایت محافظین کو رشوت دے کر حاصل کر لی تھی۔ لیکن ان کا انتہائی لالچ کہ شاہ پیر پیٹھ کے کھیتوں میں کچھ بھی پانی نہ پہنچ سکے ان کا بھرم کھلنے کا باعث ہوا۔ عہدہ داروں کی فوری مداخلت نے معاملہ بڑھنے نہ دیا۔ اور بعد کو اس امر کا تصفیہ گاؤں کی باہمی سطح پر کر دیا گیا۔ لیکن خود جھگڑے کے دوران دونوں مجامع نے اپنے اندرونی اختلافات اور تنازعات فراموش کر دیے تھے اور ان میں سے ہر ایک گاؤں جسد واحد کی طرح تھا۔ ایسی یکجہتی اور گاؤں کے اتحاد کی دوسری مثال شاہ پیر پیٹھ کے باشندوں اور قریب کی کنٹونمنٹ کے آٹھ فوجیوں کے درمیان ایک جھگڑے میں پائی جاتی ہے۔ یہ آٹھ آدمی گاؤں کے اندر دو فوجی ٹرک میں داخل ہوئے اور گاؤں کے ایک باشندے نے ایندھن کی جو لکڑیاں کاٹ کے جمع کی تھیں اسے اپنی گاڑی میں بھرنا شروع کیا۔ بظاہر یہ فوجی لوگ لکڑیاں بغیر قیمت ادا کیے لے جانا چاہتے تھے۔ مکان کے مالک نے انھیں روکنا چاہا لیکن اس ضمن میں اسے بری طرح مارا گیا۔ اسی دوران یہ خبر گاؤں کے دوسرے لوگوں تک پہنچ گئی اور یہ لوگ لاٹھیوں سے مسلح ہو کر اس مقام پر دوڑتے ہوئے آئے۔ اس وقت گاؤں کی عزت بچانے کے لیے انھوں نے جو کچھ مناسب خیال کیا وہ کر ڈالا۔ گاؤں والوں کی تعداد اپنے سے بہت زیادہ دیکھ کر فوج کے آدمی یہ دھمکی دیتے ہوئے اپنے کیمپ کو واپس ہوئے کہ آئندہ پورے گاؤں کو اجاڑنے کے لیے اپنی کمپنی لائیں گے۔ پولیس نے مداخلت کی

اور جھگڑا آگے بڑھنے نہ دیا

ایک ایسا سماج جس کا انحصار آبادی کی ذاتوں کی مستحکم تقسیم میں ہو اور جس میں علٰحدہ پسندی کے سخت قوانین، چھوٹے کھانے پینے، جنسی تعلقات اور بیاہ شادی سے متعلق نافذ ہوں نیز جس میں روایات کا مجوزہ ایک دوسرے کے درمیان سماجی فاصلہ بھی ہو تو یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ لوگ کچھ پابندیاں پیش نظر رکھیں۔ اور کچھ شرائط پر کاربند ہوں۔ ہر شخص میں ذات داری احساس ابتداء زندگی ہی میں پیدا ہو جاتا ہے اور ہر ایک کے اندر بلوغ سے بہت پہلے اس قسم کی پابندیاں اور شرائط گروہی باتوں، اجتماعی کھیلوں اور عام سماجی تجربوں کے ذریعہ از خود پیدا ہو جاتی ہے۔ ابھی تک ان عام بناوٹوں پر جن پر سماج کا انحصار ہے معترضانہ حملے نہیں ہوتے ہیں۔ اور اس لیے شدید بین گروہی یا بین ذاتی جھگڑے بھی رونما نہیں ہوتے۔ نچلی ذاتوں نے اپنی کمتر حیثیت تسلیم کرلی ہے اور اگرچہ انھوں نے اپنی مجموعی ترقی کی کوشش کی ہے پھر بھی کھلے عام انھوں نے اپنی حیثیت کے خلاف بغاوت نہیں کی۔ اپنی حد تک بڑی ذات والوں نے بھی کافی مطابقت کا ثبوت دیا ہے اور عام سماجی انداز کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی طرز میں مناسب تبدیلی کرلی ہے اور پہلے جیسی چند زیادتیوں اور ناانصافیوں کو روک دیا ہے۔ نیچ ذات کا آدمی انھیں چھوئے تو اس پر ان کو اب بھی اعتراض ہوگا لیکن اگر وہ بہتر قسم کے کپڑے پہنے جو صرف اعلیٰ ذات والوں کو زیب دیتے ہیں، تو اس پر وہ احتجاج نہیں کریں گے۔

باب ہشتم

بدلتا منظر

بعض مغربی مصنفوں میں مشرق کی تمام دیہی، بالخصوص ہندوستان کے سماج کو سکونی اور غیر متغیر سمجھنے کا رجحان نظر آتا ہے۔ ایک صدی سے زیادہ تک ہندوستان کے غیر متغیر اور زمان کی قیود سے آزاد ہندوستانی دیہات رومانیت پسندوں کی توجہ کا مرکز رہے ہیں بہر حال شاہ میر پیٹھ جاگیردارانہ ماحول میں گھرا رہا ہے اور اس کی وجہ سے برطانوی ہندوستان کے سماجی معاشی اور سیاسی تغیرات کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ لیکن پھر بھی اس کے موجودہ عمیق سماجیاتی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے ثقافتی اداروں میں تبدیلیوں کا رجحان موجود ہے۔

گاؤں کے بدلتے ہوئے منظر کا جائزہ لینے کے لیے اس کی تاریخ کا مختصراً اعادہ ضروری ہے۔ سرکاری کاغذات کے مطابق اس مقام پر جہاں اب شاہ میر پیٹھ کا نسبتاً بڑا گاؤں واقع ہے پہلے ایک چھوٹا سا کھیڑہ تھا۔ تقریباً دو سو اسّی سال قبل ریاست حیدرآباد کے حکمراں نے اس کھیڑے کے قریب ایک بڑا تالاب تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب تعمیر شروع ہوئی تو گاؤں کی آبادی پڑوس کے مواضع سے مزدوروں کے جوق در جوق آنے کے باعث بہت بڑھ گئی۔ انہوں نے موجودہ بستی اور کام کی جگہ کے درمیان رہنے کے لیے عارضی جھونپڑیاں بنائی تھیں۔ کام کی ترقی کے ساتھ ان میں سے کچھ لوگوں نے اپنے لیے مستقل جھونپڑیاں بنانی شروع کیں۔ تالاب کی تعمیر کا کام مکمل ہونے کے ساتھ ہی گاؤں کو آبپاشی کی بہترین آسانیاں فراہم ہو گئیں۔ اس کی وجہ سے بہت سے خاندانوں کو جو تالاب کی تعمیر کے کام میں لگے ہوئے تھے اس گاؤں میں مستقل طور پر بس جانے کی ترغیب ہوئی۔ ان لوگوں کے علاوہ نئے بسنے والوں کا بھی ایک ریلا آیا۔ ان میں ریڈی اور مسلمان شامل تھے۔ جو اب گاؤں میں آبپاشی کی آسانیاں فراہم ہونے کے باعث اس

طرف متوجہ ہو گئے انہوں نے کاشت کے لیے زمین خریدیں، اچھے خاصے مکانات بنائے اور اس طرح گاؤں کی مستقل آبادی کا ایک جزو بن گئے۔ زرعی توسیع کے ساتھ بہت سے کاریگر اور پیشہ ور ذاتیں گاؤں کی آبادی میں کھنچ آئیں۔ دیہاتوں میں روایتی طرز زراعت کے لیے یہ ذاتیں جزو لاینفک ہیں اور گاؤں میں کاشت کاروں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے ان کی ضرورت پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ شاہ پور کی آبادی جو پہلے ایک چھوٹا کھیڑہ تھا رفتہ رفتہ اس تالاب کی تعمیر کی بدولت بڑھ گئی۔ کرپٹہ دس کے مواضع میں اس کا رتبہ بڑھ گیا۔ اس طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اسی زمانہ میں اس انجینیر کی یادگار میں جس نے یہ تالاب کا منصوبہ بنایا تھا اور اس کی تعمیر کی نگرانی کی تھی اس گاؤں کا نیا نام شاہ میر پیٹھ رکھا گیا۔ موجودہ دیش مکھ کے اسلاف میں سے ایک شخص کو جس نے تالاب کی تعمیر کے لیے سامان کی فراہمی کا ذمہ اپنے سر لیا تھا ریاست کے حکمراں نے معقول زمین بطور صلہ عطا فرمائی۔ اس ٹھیکہ سے جو آسے آمدنی ہوتی تھی وہ اس نے مزید زمینات کی خرید میں لگا دی۔ اس طرح وہ گاؤں کا سب سے بڑا مالک آراضی ہو گیا۔ آسے مالی پٹیل کی حیثیت سے بھی مقرر کر دیا گیا۔ جو ریاست کے عہدہ داروں کو مال گذاری کی وصولی میں مدد دینے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس موقع پر اسے ایک سند عطا ہوئی جو اس کے بیٹے گاؤں کے دیشمکھ یا چودھری کے تقرر کی دستاویز تھی۔ ان مسلسل تغیرات کے ضمن میں گاؤں کی اندرونی تنظیم میں تبدیلی ہوتی رہی۔ بالآخر جب اس گاؤں کی نسبتاً بڑی آبادی مستقل ہو گئی تو اس کی پنچایت (گاؤں کی سبھا) کی تنظیم جدید عمل میں لائی گئی۔ اب اس میں دیشمکھ جو اس کا صدر ہوتا تھا، تین گتہ دی (گاؤں کی رسومات کے منتظمین) اور تمام کولم پیڈا (Kulam Pedda) گاؤں کی مختلف ذاتوں کے مقیم سربراہ شامل ہیں۔

گاؤں کی مابعد کی تاریخ میں دو اہم تبدیلیاں پائی جاتی ہیں۔ پہلی صورت میں اس کا اثر گاؤں پر براہ راست ہوا۔ دوسری صورت میں ریاست حیدرآباد بصورت مجموعی متاثر ہوئی جس سے کچھ ایسی لہریں پیدا ہوئیں جن کا دیہات پر کافی رد عمل ہوا۔

پہلی بات یہ کہ تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے نظام حیدرآباد نے شاہ میر پیٹھ اور اس کے ساتھ بہت سے دیگر مواضع اپنے امراء میں سے کسی ایک کو بطور جاگیر جائداد عطا کیے۔ جو مواضع آسے عطا ہوئے تھے ان میں جاگیردار نے ریاست کے ضلعی نظم و نسق کی تجدید کی اور شاہ میر پیٹھ کو اپنی جاگیر کا صدر مقام بنایا۔ اس تصفیہ کا راست اثر یہ ہوا کہ گاؤں میں دفتروں اور عہدہ داروں

کے قیام کے لیے بہت سے پختہ مکانات تعمیر ہو گئے۔ چالیس سال پہلے ایک حوصلہ مند نواب نے اپنے مختلف دفاتر کے لیے جدید طرز کے مکانات کی ایک قطار تعمیر کر دی۔ یہ پتھر کے بنے تھے۔ ان کی دیواروں پر پلاسٹر کیا گیا تھا اور ان پر سفیدی کے علاوہ ان کی چھتیں کویلو کی تھیں۔ ظاہراً یہ سب اس وقت کے شہری طرز کے مطابق تھا جس کی عام مثال چھوٹے شہروں کے ذیلی تنظیمی دفاتر میں پائی جاتی ہے، یکے بعد دیگرے ایک مدرسہ، ایک پولس چوکی ایک دوا خانہ اور ایک ڈاکخانہ کا گاؤں میں اضافہ ہو گیا۔

جدیدیت اور مغربی اصطلاحات کے آغاز کی دوڑ میں حیدر آباد کا جاگیر دارانہ نظام برطانوی ہند سے بہت پیچھے تھا برطانوی ہند کے پہلے سوا سو سال کے دوران ریاست کے دیہی علاقوں میں ظاہراً بہت کم تغیر ہوا۔ جدید سڑکیں ریلیں اور ریلیں دیسی ریاستوں کے علاوہ باقی ملک کے مقابلہ میں یہاں بہت بعد میں شروع ہوئیں۔ اس عہد کے بعد کے دور میں ریاست نے پُر اثر طریقہ پر قومی تعمیر، بہبودی اور فنی محکمہ جات قائم کیے۔ لیکن دیہی علاقوں میں ان کی ایسی کارروائیاں محدود رہیں، بہر حال گاؤں کی زندگی کا یہ زمانہ سخت نازک تھا کیوں کر دیہی کمیونٹی کی ساخت کو بہت سے پیچیدہ سماجی اور معاشی عوامل متاثر کر رہے تھے۔ شہری تعلقات اور جدید تعلیم گاؤں کی آبادی کے ایک چھوٹے سے گروہ نے حاصل کر لی تھی۔ اس زمانہ میں ریاست کے افسروں اور قانونی عدالتوں کے ساتھ انتظامی تعلقات ترقی پر تھے۔ دارالسلطنت سے قربت کے باعث شاہ میر پیٹھ کو قومی تعمیر اور فنی محکمہ جات کی خاص توجہ حاصل رہی۔ کیوں کر ان عہدہ داروں اور مشہوریت کی رسائی اکثر اس گاؤں تک ہوتی تھی اور یہ سہولت دور افتادہ دیہاتوں کو حاصل نہ تھی۔

ہندوستان میں برطانیہ کے آخری پچاس سال راج نے ملک کی آزادی کے لیے ایک مستحکم قومی تحریک کو بتدریج ابھرتے ہوئے دیکھا اور انڈین نیشنل کانگریس نے مہاتما گاندھی کی سرکردگی میں ملک کے مختلف حصوں کے عوام میں عدم تشدد اور عدم تعاون کے ذریعہ تحمل سے مقابلہ کا پیغام پھیلا دیا۔ ملک کے مختلف حصوں کے دیہی علاقوں میں اس کا بڑا اثر ہوا اور اس کی وجہ سے لوگوں کے طور طریق اور نظریوں میں کچھ تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ حیدر آباد میں کوئی ایسی عوامی تحریک پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن جو کچھ ملک کے باقی حصہ میں ہو رہا تھا وہ اس ریاست کے لوگوں کے لیے بے معنی نہیں تھا۔ بعد کو ہندوستان کی مثال سے متاثر ہو کر یہاں کی خود مختار ریاست میں سیاسی اصلاحات کے لیے کچھ بے چینی پھیل گئی اس کا بھی کچھ اثر گاؤں پر پڑا۔

جاگیر دارانہ عہد کے آخری پچاس ساٹھ سال میں جو بڑے اثرات کار فرما تھے ان کی مثال ذیل کے نقشہ میں ظاہر کی گئی ہے۔
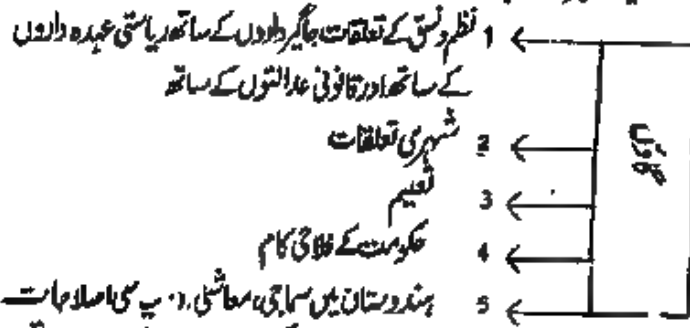
1948ء میں ریاست حیدرآباد میں کئی اہم تبدیلیاں ہوئیں۔ ہندوستان کی کامیاب مداخلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ حیدرآباد انڈین یونین کا ایک جزو لازم ہو گیا۔ اس سے ریاست میں چند عظیم اصلاحات کے لیے راہ ہموار ہو گئی۔ نظام نے خود دستبرداری فرمان روا بن گئے جاگیروں کو توڑ دینے کے باعث ریاست میں جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ ہو گیا۔ دیہی ترقیاتی اور بہبود کے کاموں میں تیزی پیدا ہو گئی بالآخر جمہوری ادارے قائم ہوئے اور 1951 میں لوگ پہلی مرتبہ ریاستی مقننہ اور یونین پارلیمنٹ کے نمائندوں کا انتخاب کرنے کے لیے ووٹ دینے لگے۔ گاؤں کی زندگی کا دوسرا اہم موڑ پولیس ایکشن تھا کیوں کہ کیونٹی کی زندگی میں اس سے نئے اثرات کا آغاز ہوا جو حسب ذیل ہیں۔

1 پولیس ایکشن
2 نظم و نسق کی اصلاحات
3 جاگیردارانہ نظام کی برخواستگی
4 سرکار کی جانب سے فلاحی کاموں میں شدت
5 سیاسی جماعتوں کے کام
6 جمہوری انتخابات
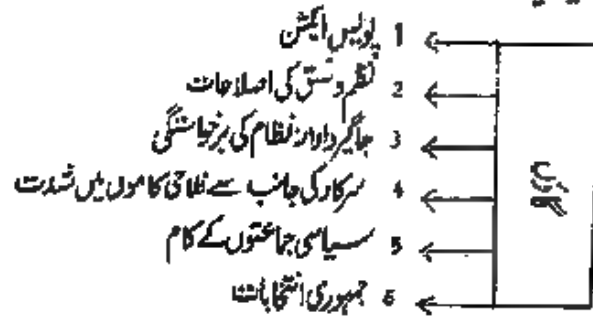
بعض باتوں میں سماجی تبدیلیوں کے عوامل جو ان دونوں منازل پر کار فرما ہوئے اور ان کے باعث جو میلان پیدا ہوا وہ باہمی طور پر تعاونی تھا لیکن دوسری صورتوں میں نمایاں

تضاد بھی پایا گیا۔ یہ بات کارآمد ہوگی کہ پہلے ان تغیرات کا تجزیہ کیا جائے جو جاگیردارانہ عہد کے آخری پچاس سال میں رونما ہوئے اور پھر اسی سلسلہ میں پولیس ایکشن نے جو ماضی قریب میں تبدیلیاں پیدا کیں ان کا جائزہ لیا جائے۔

یہ مشکل ہے کہ گاؤں کی آہستہ روی تدریجی تبدیلیوں اور مختلف منازل کا جو ماقبل اور ابتدائی جاگیری زمانہ سے لے کے ان حالات تک جو جاگیردارانہ عہد کے زمانہ مابعد میں پائے گئے، باقاعدہ طور پر کوئی بیان پیش کیا جائے۔ اگر کوئی ایسی کوشش کی جائے تو یہ لازمی ہو جائے گا کہ ماضی قریب کی زبانی روایات پر انتہائی اعتماد کیا جائے۔ دونوں عہدوں کے حالات کا تقابل کرنے کے لیے نیز تبدیلیوں کے بڑے نکات کے استقرار کے لیے پہلی منزل کی تعمیر تو ضروری ہے یہ مندرجہ ذیل بناؤں پر کی جا سکتی ہے۔

(الف) علاقہ کے دور افتادہ مواضع کے متعلق حقیقی متقابل۔ اطلاعات۔ جو اس وجہ سے کہ وہ شہری تعلقات سے محروم رہے اور نسبتاً جدا ہونے کے باعث ایک وسیع معنی میں آج وہی حالات پیش کر رہے ہیں۔ جو جاگیردارانہ عہد کے پہلے اور ابتدائی شاید پیشہ کے رہے ہوں گے۔ زمان و مکان کی اس طرح کی محدود و محتاط ترجمانی ہمیں نقطۂ ابتدا کا پتہ لگانے میں کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔

(ب) زبانی روایتیں اور لوگوں کی یادداشتیں صرف اس حد تک کہ ان میں خاندانی شان و شوکت اور شخصی تکبر کی نغمہ سرائی نہ ہو یا موضوعی تصورات مضمر نہ ہوں۔

(ج) دستاویزی یا تاریخی بنیادوں پر مبنی بے ربط شہادتیں جن سے اس زمانہ کے حالات زندگی اور ریت رسم پر روشنی پڑتی ہو۔ پولیس مال گذاری اور نیم قانونی کاغذات جو مل سکے ان سے اس ضمن میں استفادہ کیا گیا۔

حقیقی نسلی مشاہدات اور کاغذات کی مدد سے جاگیری دور کے آخری عہد کے گاؤں کا تقابلی خاکہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔

اس سے پہلے ان بڑے عوامل کا تذکرہ کیا جا چکا ہے جو گاؤں کی ترقیات پر اثر انداز ہوئے البتہ ان کی کچھ مزید وضاحت کی ضرورت ہے۔ جاگیر کے ماقبل اور ابتدائی دور میں گاؤں کے لوگوں اور ریاستی نظم و نسق کے درمیان تعلقات نہایت محدود پیمانہ پر تھے۔ اور یہ زیادہ تر زمین کی لگان کی ادائیگی اور اراضی کے جھگڑوں کے تصفیوں پر ختم ہو جاتے تھے۔ کبھی کبھی جرائم کے ارتکاب اور اہم نوعیت کے دیوانی مقدمے شہری عدالتوں میں بھی لڑے جاتے تھے گاہے بگاہے ریاست کے عہدہ دار گاؤں کا دورہ کرتے تھے۔ جاگیرداری کے نصف آخری دور میں نظم و نسق کے تعلقات میں کافی اضافہ ہو گیا تھا۔ اس

کے ساتھ ہی گاؤں کے ایک حصّہ کی آبادی کے شہری تعلقات بھی رفتہ رفتہ بڑھتے گئے۔ ان میں ایسی چیزیں شامل تھیں جیسے شہر میں دوستوں سے ملاقات کے لیے جانا، دوستوں کا شہر سے ملاقات کے لیے آنا کبھی بڑے شہروں میں خرید و فروخت کی غرض سے وہاں کی دوکانوں اور بازاروں کو جانا یا مناظر کی سیر کرنا عارضی طور پر تھوڑی یا بڑی مدت تک کام کی غرض سے شہر میں قیام کرنا اور پھر گاؤں میں مقیم عہدہ داروں سے جو گاؤں کی آبادی کے لیے شہری عنصر تھے، روزمرہ کا ربط قائم رکھنا۔ اندرونِ ریاست اٹس پختہ سڑک کے بن جانے سے جو ضلع کریم نگر کے مستقر کو حیدرآباد سے ملاتی ہے قصبات اور شہروں سے مزید تعلقات قائم کرنے میں اور بھی آسانیاں ہوگئیں یہ سڑک شاہ میں پیٹھ سے ہو کر گزرتی ہے۔ بائیسکل کا استعمال اور بس جاری ہونے سے شہری علاقوں سے متواتر اور باقاعدہ تعلقات کی برقراری کا امکان پیدا ہو گیا۔ تعلیمی ترقی کسی قدر آہستہ ہوئی۔ ابتدائی جاگیرداری زمانہ میں بڑی ذاتوں کے نیز اعلیٰ ذات کے خاندانوں سے تعلق رکھنے والے صرف چند لڑکے مدرسوں کو بھیجے جاتے تھے جہاں تعلیم ابتدائیات تک محدود تھی پھر جب گاؤں میں ایک مدرسہ کھل گیا تو اس گاؤں کو تعلیمی سہولت حاصل ہوئی۔ کچھ اچھوت ذات کے لڑکے بھی مدرسہ جانے لگے۔ کچھ حوصلہ مند والدین نے اپنے لڑکے شہر کے اعلیٰ مدارس بھیجے تاکہ وہ انگریزی سیکھیں۔ کتابیں رسالے اور اخبارات کبھی کبھی گاؤں میں آنے لگے جن سے لوگوں کو چھپے ہوئے الفاظ کے کے ذریعہ وسیع دنیا کی حیرت انگیز باتیں معلوم ہونے لگیں۔ دیہاتوں میں ریاستی نظم و نسق نے بہبودی اور قومی تعمیر کی جدوجہد شروع کردی۔ زراعت، علاج حیوانات، نگہداشت جانوران، حفظان صحت و طبابت، انجمن امداد باہمی اور دیہی ترقیات کے محکمہ جات ریاست کی جانب سے دیہی علاقوں میں شروع کیے گئے۔ ان کے نمایندے اور اشاعت کرنے والوں نے گاؤں کو نئے خیالات اور تکنیک سے واقف کرایا۔ گاؤں والوں نے ان کی چیزوں کی نمائشیں دیکھیں، ان کی باتیں سنیں تو انہیں کبھی کبھی نئے طریقوں پر عمل کرنے کی ترغیب ہوئی۔ یہ واقعی اُن کے لیے ایک نئی بات تھی سابقہ زمانہ میں حکومت صرف مالگذاری وصول کرتی تھی یا پھر ان کے جھگڑے سن لیتی تھی۔ قانون شکنی پر مقدمات چلاتی تھی اور کبھی انہیں سرکاری دورہ کنندہ عہدہ داروں کے لیے بلا معاوضہ مزدور اور تحفے پیش کرنے پر مجبور کرتی تھی لیکن کبھی اس نے ان کے زراعتی کاموں یا مویشیوں کی نگہداشت کے طریقوں میں مداخلت نہیں کی تھی۔ اب چیچک اور ہیضہ کے ٹیکے لازمی کر دیے گئے۔ شہر میں جو سیاسی تحریکات ترقی پذیر تھیں گاؤں کے لوگ ان کے مضمرات صاف طور پر سمجھ نہ سکے۔ مسلمان اس خیال سے کہ وہ حکمراں نسل سے تعلق رکھتے ہیں نظام کا ساتھ دیتے رہے اور بعد کو فرقہ واری مسلم گروہ کا۔ تعلیم یافتہ اور شہر زدہ

ہندو آریہ سماج سے (جو ہندو احیا اور اصلاح کا ایک گروہ ہے) اور ریاستی کانگرس سے (جمہوری سیاسی گروہ جس کا الحاق انڈین نیشنل کانگرس سے ہے اور جو اندرون ریاست خود کار اور جمہوری حکومت کی حامی ہے) ہمدردی رکھتے تھے۔ لیکن ابھی یہ ہمدردیاں کھلے طور پر ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔ کم از کم ظاہری طور پر زمین رکھنے والے ہندو کسان مسلم اقتدار کی جانب سے وفاداری کا رجحان رکھتے تھے۔ یہ وہ بڑے اثرات تھے جو کمیونٹی میں کارفرما تھے۔ ان سب کی ابتدا خفیف تھی اور آہستہ ہوئی لیکن رفتہ رفتہ ان کی شدت اور اثر میں اضافہ ہوتا گیا۔ ان کے ان عملیات کے نتیجہ میں جاگیردارانہ عہد کے اختتام پر ہم کو گاؤں کا ایک ایسا نقشہ نظر آتا ہے جو ماقبل اور ابتدائے عہد کے جاگیری نقشہ سے بہت مختلف رہا ہے۔

تو پھر اختلافات کے اہم خطوط کیا ہیں؟ کمیونٹی کی زندگی کے کن شعبوں میں یہ تبدیلیاں سب سے زیادہ نمایاں ہیں؟ چونکہ تبدیلیاں سب سے زیادہ مادی تمدن اور ٹکنالوجی میں نمایاں ہیں اس لیے یہ مناسب ہوگا کہ تبدیلی کا تجزیہ ہم زندگی کے اس رخ سے شروع کریں۔ ان تبدیلیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئے عادات و اطوار آلات اور ٹکنالوجی کے نئے طریقے اور مجموعی حیثیت سے ایک نئے نقطہ نظر کی ابتدا ہوئی۔

گاؤں کے لوگوں کے لباس اور زیورات میں نمایاں تبدیلیاں ہو گئی ہیں۔ کسان کی پوشش کا قدیم طرز جدید کاٹ کے لباس میں تبدیل ہو رہا ہے جس میں شہری وضع کی سلائی کی تقلید پائی جاتی ہے اگرچہ ہندوستانی نچلا جامہ اب بھی عام ہے۔ ہندوؤں میں دھوتی اور مسلمانوں میں پاجامہ۔ لیکن دیسی اوپر کے کپڑے کی جگہ کار روائی مغربی طرز کی قمیضوں نے لے لی ہے۔ پہلے زمانہ میں صرف گاؤں کے چودھری متمول ریڈی اور مسلمان غیر برہمن ذات کے برہمن اور کومٹی معزز زادہ نیم شہری قسم کے کپڑے پہنتے تھے۔ اور وہ بھی صرف ایسے مواقع پر کہ جب کسی اہم شخص کا استقبال کرنا یا شہر جانا ضروری ہوتا تھا۔ ان چند لوگوں کو چھوڑ کر باقی تمام کسان روایتی لباس پہنتے تھے۔ گھر میں تاگا کاتنے کا کام ہاتھ کے چرخے پر کیا جاتا تھا اور گاؤں کے باشندے اس سے کپڑا بنتے تھے۔ اب صورت حال دوسری ہے۔ اس زمانہ میں بہت کم لوگ تاگا کاتتے ہیں اور گاؤں کا باشندہ اپنا سوت شہر کی دوکان سے خریدتا ہے۔ آج کے لباس کی تین قسمیں بنائی جا سکتی ہیں۔ اوسط کسانی لباس، قدیم طرز کا معزز لباس، نئے طرز کا لباس۔ ان تمام اقسام کے کپڑوں میں مل کا بنا ہوا کپڑا اکثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ قمیض اور واسکوٹ کے لیے حقیقتاً ہر شخص مل کا بنا ہوا کپڑا استعمال کرتا ہے یہی چیز ان اشیا پر صادق آتی ہے جو عورتوں کی چولی اور بلاوز کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ دوسری جنگ عظیم سے پہلے مل کی بنی ہوئی ساڑیاں گاؤں کے بازار میں عام تھیں جس کی وجہ سے گاؤں کے باشندوں کے لیے مشکل کا سامنا تھا۔ کیونکہ وہ اس کے مقابلہ کی تاب نہیں

لاسکتا تھا۔ لیکن زمانہ جنگ میں انتہائی کمیابی کے باعث بالخصوص ساڑیوں کی نیز مقامی بنے ہوئے کپڑوں کی مانگ پھر بڑھ گئی۔ تینوں وضع کے کپڑوں میں جن کا ذکر اوپر کیا گیا نئی وضع اختیار کرنے والے حالیہ شہری طرز کی نقل کر رہے ہیں۔ اس میں دو رجحانات نظر آتے ہیں۔ ہندوستانی لباس اور نیم ہندوستانی لباس۔ اس گروہ کے بیشتر لوگ نوجوان طبقہ کے ہیں۔ مسلم دور میں یہ پاجامہ اور شیروانی کی طرف راغب تھے جو اس زمانہ کے پسندیدہ لباس تھے۔ کرتا لانبا اور ڈھیلا، جو کانگرس کی امن پسند تحریک نافرمانی کے نتیجہ میں ہر دلعزیز ہوا، حب الوطنی کا نشان بن گیا۔ اور نوجوانوں نے اسے حال میں عزت کا جامہ تسلیم کرلیا۔ اسے دھوتی اور پاجامہ دونوں کے ساتھ پہنا جاسکتا ہے۔ یہ لوگ کالر والی قمیض، نیکر اور یورپی طرز کی جیکٹ بھی استعمال کرتے ہیں۔ بُنی ہوئی واسکٹ بھی عام ہو گئی۔ لباس میں حال ہی میں شامل ہوئی چیزیں پتلون اور بش جیکٹ ہیں۔ یہ زیادہ تر ان لوگوں تک محدود ہیں جو حیدرآباد کی فوج میں رہ چکے یا جن کی کچھ ملازمتیں شہر میں تھیں۔ قدیم طرز کے باعزت لباس میں زیادہ تبدیلی دیکھنے میں نہیں آتی۔ مسلم دور حکومت میں عزت والے لوگوں کے لباس میں ایک خاص درباری رنگ چڑھ گیا تھا اور گاؤں سے شہر جانے والے عزت دار لوگوں کا لباس لانبا کوٹ اور چمڑے کی ٹوپی تھا۔ حیدرآباد میں مسلم حکمرانی کے زوال کے ساتھ ہندوؤں نے اس ٹوپی کو ترک کر دیا۔ کیونکہ ان کے لیے یہ مسلمانوں کے ماتحت ہونے کی نشانی تھی۔ اس کے بجائے معمولی سیاہ ٹوپی آگئی اور روایتی لانبا کوٹ اب بھی زیر استعمال ہے۔ متوسط کسان اور مزدوروں کے لباس میں زیادہ تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہ بھی ایک مل کے کپڑے کا ہوتا ہے۔ بہت سے کاشتکار، حرفہ والے اور واقعۃً کچھ غریب تر لوگ خاص مواقع کے لیے کالر والی قمیض اور کوٹ خریدتے ہیں۔ عورتوں میں شوخ رنگ کے اور خوشنما چھپے ہوئے کپڑے عام ہوگئے ہیں۔ شہری صنعت کی آرائشی چیزیں وہ بڑے شوق سے خریدتی ہیں۔ چوڑیاں۔ جو ہر ہندو عورت جس کا شوہر زندہ ہے لازماً پہنتی ہے۔ پہلے مقامی ذات والے دیسی اشیاء سے بناتے تھے، اب فیکٹری میں شیشے کی بنی ہوئی چوڑیاں پورے بازار میں آگئی ہیں۔ بچوں کے لباس اب عام طور پر مغربی طرز کے ہوتے ہیں۔ ان کے لیے فراک، قمیض اور نیکر مقامی بازار سے یا شہر کی دوکانوں سے خریدے جاتے ہیں۔ روزمرہ کی دوسری پہننے کی چیزوں میں مغربی طرز کے فیتہ دار جوتے دیسی جوتوں اور سینڈلوں کے ساتھ استعمال ہو رہے ہیں۔

روزمرہ کی ضروریات کی فہرست میں کئی خاص اضافے ہوئے ہیں۔ کم قیمت ہونے کے باعث الومنیم اور جرمن سلور کے برتن آبادی کے غریب تر طبقہ میں بہت عام ہوگئے ہیں۔ گلاس،

چینی کی پیالیاں اور طشتریاں کئی مکانوں میں پائی جاتی ہیں۔ سرکاری عمارتوں کے علاوہ پانچ خانگی مکانوں میں دیوار کی یا الارم کی گھڑیاں موجود ہیں۔ مٹی کے تیل کی لالٹینیں کئی ایک مکانوں میں اور گاؤں میں پانچ گیس لیمپ بھی ہیں۔ کچھ عمر رسیدہ لوگ پڑھنے کے لیے عینک استعمال کرتے ہیں اور آدھے درجن سے زیادہ نوجوانوں نے دھوپ کی عینک خریدی ہے۔ گاؤں میں کئی آدمی سیفٹی ریزر اور ٹارچ استعمال کرتے ہیں سستے فاؤنٹن پن بھی عام استعمال میں ہیں۔

لوگوں کے کھانے کی عادتوں میں زیادہ تبدیلیاں نہیں ہوئی ہیں۔ مٹھائیاں اور دیگر نفیس کھانے کی چیزیں شہر کی دوکانوں سے یا بازاروں سے خریدی جاتی ہیں۔ گاؤں کی پانچ چھوٹی دوکانیں دیگر اشیاء کے علاوہ شکر پارے، ٹافی اور حیدرآباد کے بنے ہوئے بسکٹ فروخت کرتی ہیں۔ چائے اور کافی بھی عام ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو ان مشروبات کو گھر میں عام طور سے نہیں پیتے، کبھی کبھی گاؤں کی دوکانوں میں پی لیتے ہیں جنہیں ہوٹل کہا جاتا ہے۔ سوڈا لیمن وغیرہ غیر معمولی طور پر پسند کیے جاتے ہیں کیونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بدہضمی کے لیے یہ مفید ہوتے ہیں۔ حیدرآباد کی سگریٹ فیکٹریاں سستے قسم کے سگریٹ تیار کرتی ہیں جو عام ہو رہے ہیں۔ اور گاؤں کے ان سگار یا چرٹ کے بجائے زیادہ استعمال میں ہیں جو تمباکو کی سوکھی پتیاں لپیٹ کر بنائے جاتے ہیں۔ تاڑی کے علاوہ کچھ لوگ اب حیدرآباد کی بھٹی کی تیار کی ہوئی شراب پیتے ہیں۔

گپ شپ کی روایتی تفریح کے ساتھ ساتھ آوارہ گردی اور دیسی کھیل نیز دل بہلانے کی کئی نئی چیزیں گاؤں کے لوگوں کی دسترس میں ہیں۔ گاؤں میں تین گراموفون ہیں۔ چائے خانہ میں ایک معمولی ریڈیو ہے۔ گاؤں کے کچھ نوجوان والی بال کھیلتے ہیں۔ بہت سے لوگ شہر میں سرکس اور سینما دیکھنے جاتے ہیں۔

آلات میں اور تکنیکی طریقہ کار میں تبدیلیاں بھی اہم ہیں۔ حجام، بڑھئی، لوہار اور سنار اب فیکٹری کے بنے ہوئے آلات اور اوزار استعمال کرتے ہیں۔ گاؤں کے درزی کے پاس سلائی کی ایک مشین ہے یہ بات بھی اہم ہے کہ زراعتی اوزاروں میں کوئی قابل ذکر تغیر نہیں ہوا ہے۔ البتہ کاشت کے طریقوں میں کسی قدر تبدیلی ہوئی ہے۔ بہت سے کاشتکار اب بہتر بیج استعمال کرتے ہیں۔ ہری کھاد کی قدر بہت سے کاشتکاروں میں بڑھتی جا رہی ہے۔ کھلی، ارنڈی، امونیم سلفیٹ اور ایک خاص کیمیائی کھاد جو دھان کے لیے ایک آمیزہ ہے، اب استعمال کی جاتی ہیں۔ اب ترکاریاں لگانے کی طرف زیادہ توجہ کی جاتی ہے کاشت کاروں کا اب زیادہ رجحان نقدی فصل (Cash crop) اگانا ہے۔

وسل ورسائل میں بھی اب ترقی ہو گئی ہے۔ بہت سے لوگ بس سے استفادہ کرتے ہیں گاؤں میں چھ خانگی سائیکلیں ہیں۔ ایک دوکاندار کے پاس چار اور ہیں جو کرایہ پر چلائی جاتی ہیں۔ گاؤں کے دیشمکھ نے حال ہی میں ایک ۱۹۳۰ء ماڈل کی فورڈ کار خریدی ہے، روایتی بیل گاڑیاں اب بھی سامان لانے لیجانے اور سواری کے لیے خوب استعمال ہوتی ہیں۔

گاؤں میں ایک چھوٹا دواخانہ کھل جانے سے اور شہر میں جدید طبی علاج کی آسانیاں بہم ہوجانے کے باعث لوگوں میں امراض اور ان کے طریقۂ علاج کے رجحانات میں کافی تبدیلیاں ہو گئی ہیں۔ اگرچہ لوگ اس پر اب بھی یقین رکھتے ہیں کہ چیچک اور ہیضہ کی بیماریاں دیویوں کی ناراضگی کے باعث آتی ہیں اور گاؤں میں اس بنا پر ان کو منانے کے لیے سالانہ رسومات کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔ تاہم چیچک اور ہیضہ کے ٹیکوں کا پرانا ڈر حقیقتاً اب لوگوں کے دلوں سے جاتا رہا ہے۔ اب لوگ گاؤں میں ٹیکہ لگانے والے کو آتے ہوئے دیکھ کر بھاگ نہیں جاتے ہیں اور نہ ٹیکہ کی زحمت سے بچنے کے لیے اسے رشوت دیتے ہیں اور نہ دھمکاتے ہیں۔ عملیات، جادو، منتر، بھجن اور ٹونا کے ذریعہ امراض اور مشکلات سے چھٹکارہ پانے کا کام اب بھی لیا جاتا ہے لیکن ساتھ ہی جدید دواؤں کا استعمال بھی زیادہ بڑھ رہا ہے بخار کے لیے اور معمولی شکایات کے لیے دیسی جڑی بوٹیوں کے قدیم ترین نسخے عام طور پر استعمال کیے جاتے ہیں لیکن جب مرض شدت کا رنگ اختیار کر لیتا ہے تو مریض کو شہر کے اسپتال میں بھی لے جاتے ہیں۔ بیس سال قبل انجکشن سے لوگ بے انتہا ڈرتے تھے۔ اب اس کی بڑی مانگ ہے کیونکہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے ہر قسم کی تکلیف میں فوری اور یقینی آرام ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ عام قسم کی سستی اور پیٹینٹ ادویہ کا مختصر سا ذخیرہ بھی رکھتے ہیں۔ قوت باہ اور طاقت کی ادویہ جن کا واضح طور پر اشتہار اخباروں میں ہوتا ہے، ڈاک کے ذریعہ منگوائی جاتی ہیں۔

کمیونٹی کا سماجی ڈھانچہ بنیادی طور پر پہلے ہی جیسا ہے اگرچہ ہر نظم و نسق یا سیاسی تبدیلی کے ساتھ گاؤں میں کئی تنظیمی تبدیلیاں بھی ہوئیں۔ اس ڈھانچہ کی بنیادی اکائی یا تو ابتدائی خاندان ہے (جو اتفاقی خاندانوں سے قریبی تعلق جاری رکھتا ہے) یا پھر ایک بڑا مشترک خاندان۔ ہر خاندان کے صدر کو بڑا آدمی، کہتے ہیں۔ دوسری اکائی ذات کی ہے۔ یا مسلمانوں میں وہ گروہ جو یکساں مذہبی عقیدہ رکھتا ہے۔ ہر گروہ کا ایک موروثی صدر ہوتا ہے۔ جو گاؤں کی سبھا میں اپنی ذات کی نمائندگی کرتا ہے الغرض اس سبھا میں ان تمام مختلف ذاتوں کے صدر، تین گنادی اور گاؤں کا چودھری ہوتا ہے جو صدارت کرتا ہے۔ ذیل کے تختہ میں سماجی تنظیم کے تقابلی خطوط کو واضح کیا گیا ہے جس میں خاندان،

ذات اور گاؤں کی سبھا کی نسبت کا خاص حوالہ ہے۔

(1) خاندان

پہلے	اب
1 خاندان کے استحکام اور اتحاد پر زور دیا جاتا تھا	1 انفرادیت کا ارتقا
2 زمین اور مکان سے زیادہ وابستگی	2 نقل مقام زیادہ عام ہے۔
3 خاندان کے اندرونی تعلقات کا انحصار عمر اور رشتہ کی حیثیت پر ہوتا تھا	3 ان روایتی اصولوں کی طرف توجہ نہیں کی

(2) ذات

پہلے	اب
1 پیشہ کی خصوصیت ذات کی بنا پر تھی	1 پیشہ کے تعین کے لیے ذات کی مرضی لازمی نہیں
2 چند مساوی یا نیچ ذاتوں کے ساتھ کھانے پر استناع تھا۔	2 ایک دوسرے کے ساتھ کھانے کے قوانین نرم ہو گئے
3 مختلف ذاتوں کی درجہ بندی میں مستقل فاصلہ	3 سماجی درجہ بندی پر ہلکا احتجاج، عمل درآمد میں کچھ ترمیمات

(3) گاؤں کی سبھا

پہلے	اب
1 موروثی اصولوں پر مبنی تھی	1 معمولی حیثیت والے لوگ بھی شامل ہونے لگے
2 خارجی مداخلت کا فقدان	2 قابل لحاظ خارجی دباؤ
3 فیصلے عام طور پر قبول کر لیے جاتے تھے	3 مخالفت یا گریز ممکن ہو گیا ہے

خاندان کی تنظیم میں لوگوں کے بدلے ہوئے حالات اور بدلتے ہوئے رجحانات سے کچھ اہم تغیرات پیدا ہو گئے ہیں۔ اعداد و شمار سے پیش کرنا دشوار ہے لیکن عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حالیہ برسوں میں خاندان کے اتحاد کو جذبۂ انفرادیت کے بڑھنے کے باعث نقصان پہنچا۔ جس سے خاندانی استحکام پر الٹا اثر پڑا ہے۔ لوگوں میں اپنی زمین سے پہلے جیسا لگاؤ باقی نہیں رہا جس کی وجہ سے نقل مقام میں اضافہ ہو گیا ہے۔ نوجوانوں میں بالخصوص جن کی کچھ تعلیم ہوئی ہے۔ اور شہری تعلقات سے آشنا ہیں شہر جانے کی خواہش بڑی حد تک ظاہر ہو رہی ہے۔ لوگوں کے سوانح اور ان کے میلانات کے کاغذات

تیار کرنے کے دوران دو مدارج کے لوگوں کے رجحانات کے اختلافات صاف طور پر واضح ہو گئے۔
عمر رسیدہ اور متوسط عمر کے زیادہ تر ان پڑھ لوگ گاؤں کی زندگی کی مشکلات کی شکایتیں تو کرتے
ہیں لیکن اب بھی وہ اپنے لیے اسی کو زندگی کا واحد طریقہ خیال کرتے ہیں۔ دوسری جانب نوجوان لوگوں
نے شہر اور اس کی بے شمار مادیت کو اپنا نقطہ نظر بنا لیا ہے اور گاؤں کے لوگوں کے دیہاتی طریقوں سے
نفرت کے اظہار میں انہوں نے کوئی بات چھپا نہیں رکھی ہے۔ طرز اور ترجیح میں اس تبدیلی سے
نوجوانوں کو شہر میں منتقلی کی رغبت ہوئی جہاں وہ چھوٹے کام کر لیتے ہیں، دوسری جانب اس سے
خاندان میں بے آہنگی اور اختلافات پیدا ہوئے جن سے ان مسلّمہ اصولوں میں کافی تفرقہ ہوا۔ جن کے لحاظ
سے عمر اور رشتے کے اعزاز کے ساتھ رعایتیں اور اولیت کو ترجیح دی جاتی تھی۔ فوج کی نوکری، شہر کے
چائے خانے اور سینما کے اثرات ان سب کی ترغیب کا باعث ہوئے لیکن ابھی تک ایسے رجحانات
رکھنے والے جوانوں کی تعداد اپنے ہم عمر گروہ میں دس یا پندرہ فی صد ہے۔
کیونٹی میں ذات کے نظام کی کچھ سمتوں میں کسی قدر اختلافات ظاہر ہوتا ہے۔ پہلے کی طرح ذات
میں اب بھی داخلی بیاہ کا طریقہ رائج ہے۔ اسی طرح ذات اب بھی روایتی مذہب کا ایک جزو ہے
جسے اس کی منظوری حاصل ہے۔ البتہ اس کی پیشہ ورانہ نوعیت میں کچھ تبدیلی ہوئی ہے اب
لوگ نئے پیشے اختیار کر رہے ہیں۔ ایک سنار نے ایک چائے خانہ کھولا ہے۔ دھوبی اور اسی
کی دوسری ذات والے شہر میں دوسرے ادنیٰ کام کر رہے ہیں یہ ان کے روایتی پیشے نہیں ہیں
مسلمانوں کے علاوہ چند غیر کومٹی ہندوؤں نے گاؤں میں عام اشیا کی دوکانیں قائم کر دی ہیں لیکن
روایتی طریقے کے مطابق ایسا صرف کومٹی ہی کر سکتے تھے۔ اس طرح یا تو لوگ اپنا روایتی پیشہ چھوڑ
رہے ہیں یا وہ ایسے پیشے اختیار کر رہے ہیں جو روایتی طور پر دوسری ذاتوں کے تھے۔
غیروں کے ساتھ کھانے پر پابندیاں اب بھی ہیں لیکن یہ کسی قدر نرم پڑ گئی ہیں۔ گاؤں کے اندر لوگ
ان پابندیوں کا لحاظ عام قاعدہ کے مطابق کرتے ہیں لیکن جب وہ شہر کے اندر دوکانوں یا ہوٹلوں
میں کھاتے ہیں تو ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ذات پات میں اب بھی روایتی درجہ بندی پائی جاتی
ہے۔ لیکن اس کے خلاف کچھ بے اثر زبانی احتجاج اب سنے جا سکتے ہیں۔ زراعتی گروہ کے نچلے سطح
والی ذاتوں میں اس قسم کی کوشش کی گئی ہے کہ اعلیٰ گروہوں کے روایتی کاموں کو اختیار کر کے اپنا
سماجی رتبہ بڑھا لیا جائے۔ اگرچہ جمہوریہ ہند کے دستور کی رو سے چھوت چھات کو قانوناً ممنوع کیا جا
چکا ہے لیکن گاؤں کے اندر یہ اب بھی جاری ہے۔ تاہم اچھوت لڑکے گاؤں کے مدرسہ میں شرکت کر

سکتے ہیں۔ اعلیٰ ذات اور نچلی دونوں ایک ہی بس میں سفر کرتے ہیں۔ اگر کوئی اچھوت بڑی ذات کے معزز لوگوں جیسا لباس پہنے تو اس پر اب کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ چونکہ اچھوت ذات والوں کی بستیاں اصل گاؤں سے بالکل علیٰحدہ ہیں، اور ان کے اپنے کنوئیں ہیں اس لیے ابھی تک ان کے لیے اعلیٰ ذات کے زیر استعمال کنوئیں سے پانی کھینچنے کا مسئلہ پیدا نہیں ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ اچھوت اپنی پست حیثیت سے شاکی ہیں لیکن اپنا احتجاج بلند بانگ یا عام کرنے میں محتاط ہیں کیونکہ انھیں کیونٹی کے معاشی ڈھانچہ میں اپنی ماتحت معاشی حالت کے مدنظر خاموشی کے فوائد کا پورا احساس ہے۔

روایتی طور پر گاؤں کی سبھا کی رکنیت موروثی ہے اور باپ کی موت پر بڑی نرینہ اولاد کو اس کا وارث ہونا چاہیے۔ گاؤں کے پٹیل کے عہدہ کی وراثت کی حد تک اس اصول کی پوری پابندی ہوتی ہے۔ دو گنادی کو ان کا عہدہ ان کے باپ کی وراثت میں ملا ہے لیکن حال ہی میں گنادی کا ایک زائد عہدہ قائم ہوا ہے تاکہ ایک نوجوان کو جو اپنے ہم عمر گروہ میں کافی اثر رکھتا تھا اور جو گاؤں میں مسائل پیدا کر رہا تھا، جگہ دی جا سکے۔ گاؤں میں مقیم مختلف ذاتوں کے سربرآوردہ لوگوں میں سے آنحطفی الوقت بے اثر ور برائے نام اراکین ہیں اور سبھا کے مباحثوں میں ان کی نمائندگی اسی ذات کے دیگر بولنے والے اور اپنی بات منوانے والے، اراکین کرتے ہیں۔ اس کی کارروائی میں حصہ لینے کے لیے سات دوسرے معتبر اور صاحب اثر اشخاص بھی بلائے جاتے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جاگیر دارانہ عہد سے پیشتر گاؤں کی سبھا پر باہر کا بہت کم اثر پڑتا تھا۔ جاگیردارانہ عہد میں ریاست کے عہدہ دار اس پر بالواسطہ اثر ڈالنے کی کوشش کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں گاؤں میں مقیم سرکاری عہدہ دار اپنی چالاکی دکھاتے ہیں اور خاص مقدمات میں جن میں کسی وجہ سے ان کو دلچسپی ہوتی ہے، اپنے موافق فیصلہ ہونے کے لیے سبھا پر دباؤ ڈالتے ہیں۔ عام قاعدہ کے مطابق پہلے زمانہ میں گاؤں کی سبھا کے فیصلے غیر مشروط طریقہ سے تسلیم کر لیے جاتے تھے۔ آج بھی کھلے بندوں کوئی ان کی مخالفت نہیں کرتا۔ لیکن اکثر مقدمات بالآخر قانونی عدالت میں رجوع کیے جاتے ہیں اور سبھا کے اندر اختلافات کو ہوا دی جاتی ہے تاکہ فیصلہ میں تبدیلی یا ترمیم ہو سکے۔

کیونٹی کی روایتی معاشی ساخت میں حسب ذیل خصوصیات اہم تھیں:

پیشہ کا تعین فرد کی ذات کی بنا پر ہوتا تھا۔

نقل مقام محدود تھا اور لوگوں کا اپنی بستی سے بڑا لگاؤ تھا۔

اپنی پیشہ ورانہ مہارت کے اعتبار سے مختلف ذاتیں گاؤں کے معاشی ڈھانچہ سے مربوط تھیں۔

مختلف حرفہ کے لوگوں میں اور پیشہ ور ذاتوں میں پیشہ سے متعلق خدمات کا لین دین ہوتا تھا۔

یہ پہلے ہی کہا جا چکا ہے کہ گذشتہ چند برسوں میں ذات کے پیشہ ورانہ کردار میں کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ روایتی پیشوں کے بجائے لوگوں نے دوسرے شغل اختیار کر لیے ہیں۔ البتہ ذات کا وہ روایتی طریقہ جس میں ایک کا انحصار دوسرے پر تھا اور جس کے تحت حرفہ والے، اور پیشہ ور ذاتیں کاشت کاروں کے خاندانوں سے منسلک ہو جاتی تھیں اب بھی موجود ہے۔ لیکن اچھوت ذاتوں کے مزدور اب بے اطمینانی ظاہر کر رہے ہیں۔ گذشتہ دس سالوں کے اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ مدیگا کے اکیس خاندان شہر منتقل ہو گئے۔ حجام، دھوبی اور بڑھئی بھی کھلے طور پر نقد معاوضہ پسند کرتے ہیں کیوں کہ اس سے وہ کاروبار اور لین دین کر سکتے ہیں نیز اس سے قدیم طریقہ کی غیر یقینی حالت یا مالک کی کبھی کبھی کی زبردستی کا خاتمہ ہو جاتا ہے وہ روایتی انتظام جس کے تحت ذات کے حرفہ والوں میں پیشہ کی خدمات کا مبادلہ ہو سکتا تھا اب درہم برہم ہو رہا ہے اور اس کے بجائے نقد ادائگی کو ترجیح دی جا رہی ہے۔

کیونٹی کے رسوماتی ڈھانچہ میں کوئی خاص تغیر نہیں ہوا ہے۔ مسلمانوں کی حکمرانی کے زمانہ میں مسلمانوں کی عام رسومات میں ہندو تعاون کرتے تھے۔ آریہ سماج کے احیائی اور اصلاحی تصورات کے پھیلنے سے ہندو مذہب کی مقدس کتابوں میں زیادہ دلچسپی پیدا ہو گئی۔ پرچارک شہر سے بلائے جانے لگے جنہوں نے لوک کہانیوں میں ہندو مذہب کی روایتی دیو مالائیں بھر دیں۔ تاہم علاقائی مسالک اور دیہی مسالک اب بھی اپنی پہلی حالت پر قائم ہیں۔

1948ء میں انڈین یونین کے پولیس ایکشن نے ریاست حیدرآباد کی قسمت اور حیثیت بدل دی۔ سب سے بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی طاقت انتہائی فرقہ واری گروہ کے ہاتھ سے نکل کر ریاست کے لوگوں کے ہاتھ آ گئی۔ اس کا بڑا اثر دیہی علاقوں پر ہوا۔ بہر حال کافی وقت گذرنے کے بعد ہم اس قابل ہو سکے کہ کیونٹی کی زندگی پر ان کے اثرات معلوم کر سکیں لیکن اس سے کچھ نئے رجحانات پیدا ہو چکے ہیں جو کیونٹی کے سماجی مطالعہ کے لیے بہت دلچسپ ہیں۔

پہلی خاص تبدیلی یہ ہے کہ سابقہ حکمرانی میں مسلمانوں کو جو مخصوص مقام حاصل تھا وہ اب نہیں رہا۔ ریاست کے آخری دور میں کچھ مسلم انتہا پسندوں کے غیر دوستانہ عمل کے باعث وہ غیر مقبول ہو گئے تھے ہندوؤں کی جانب سے بدلہ لئے جانے کے ڈر سے وہ عارضی طور پر گاؤں سے بھاگ گئے تھے۔ اب وہ پھر واپس آ گئے ہیں۔ کچھ دنوں تک ان کا مذاق اڑایا گیا اور تضحیک کی گئی لیکن ہمارے مطالعہ کے زمانہ میں ہندو اور مسلم آبادیوں میں دوستانہ تعلقات برقرار ہو چکے تھے۔

دوسری تبدیلی جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ نئے نظم و نسق میں جو اصلاحات ہوئیں ان کے تحت جبری مزدوری اور سرکاری عہدہ داروں کے لیے زبردستی کی مہمان نوازی پر امتناع عائد ہو گیا۔ لیکن محدود پیمانہ پر یہ اب بھی جاری ہیں۔ رشوت ستانی اور بدعنوانی کے خلاف حکومت کے سخت اقدام اور فیصلہ کا اعلان کر دیا گیا ہے لیکن اس ضمن میں سختی سے عمل آوری ہنوز باقی ہے۔

تیسری بات یہ کہ جاگیردارانہ نظام کی برخواستگی سے زمینیات کی اصلاح کی جانب ایک بڑا قدم اٹھا۔ جاگیردارانہ نظام کے ختم ہونے کے ساتھ شاہ میر پیٹھ ایک بار پھر ضلع کے عام نظم و نسق کے تحت آ گیا ہے۔ انصاف کے ساتھ زمین کی تقسیم، زمین کے قبضہ پر انتہائی حد کا استقرار اور غائبانہ کاشتکاری کے باعث خرابیاں ان سب کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مزید اصلاحات زیر غور ہیں۔ ان منصوبوں کے پورے ہونے پر اہم تبدیلیوں کی امید کی جا سکتی ہے۔

چوتھے یہ کہ حکومت نے بہبودی اور قومی تعمیر کی جدوجہد تیز کر دی ہے۔ مستقبل قریب میں گاؤں میں ایک اچھا مدرسہ قائم ہو جائے گا۔ محکمہ صحت عامہ پہلے سے زیادہ کارکرد ہو گیا ہے زراعت اور علاج حیوانات کے محکمہ جات اپنے اپنے میدانوں میں سائنس کے طریقوں کو لانے کے لیے بہتر منصوبے اور منظم کوششیں کر رہے ہیں لیکن ان کوششوں کا نتیجہ چند سال بعد ہی دیکھا جا سکے گا

الغرض سیاسی جماعتوں کی جانب سے دیہی علاقہ جات میں کافی کوششیں ہوئیں جن کا نتیجہ دسمبر ۱۹۵۱ء کے عام انتخابات کی صورت میں پہلی مرتبہ رونما ہوا۔ یہ تجربہ حیدرآباد کے دیہاتوں کے لیے بالکل نیا تھا۔ چونکہ کانگرس ملک کی حکمراں جماعت ہے اس لیے ملک کے خیر خواہوں نے اپنی وفاداری نظام کی جانب سے کانگرس کی جانب منتقل کر دی بہرحال عوام کے سامنے وہ اپنی وفاداری اسی تنظیم سے ظاہر کرتے ہیں چونکہ گاؤں کے دیشمکھ کا تعلق اسی گروہ سے ہے اس لیے جو لوگ گاؤں کے معاملات میں اس سے اختلافات رکھتے ہیں وہ سوشلسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے۔ کمیونسٹ پارٹی غیر قانونی تھی۔ لیکن پڑوس کے علاقہ میں اس نے بہت دنوں تک کام کیا تھا اس لیے جو امیدوار اس نے کھڑا کیا اس نے بالآخر انتخاب جیت لیا۔ بہت سے لوگ سیاسی باریکیوں کو نہیں سمجھتے اور صاف طور پر اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ انتخابات کے زور و شور نے لوگوں کے دماغوں میں بہت سے خیالات بھر دیے ہیں اور ان میں نئی امیدیں پیدا ہو گئی ہیں۔ جن کی کچھ تعلیم ہوئی ہے یا جن کا شہری پس منظر رہا ہے وہ اس نئے میدان عمل میں آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کا ایک نمایاں نتیجہ ذات پات کے احیا میں نظر آتا ہے۔ اگرچہ ہر سیاسی جماعت اپنے پلیٹ فارم سے نعروں میں ذات

پات کی مخالفت اور غیر طبقاتی سماج کے نظریات کا دعویٰ کرتی ہے لیکن حقیقتاً امیدواروں کا انتخاب کرنے میں انتخابی اضلاع کی ذات واری ساخت کا پورا خیال رکھا گیا۔ حیدرآباد کے علاقوں میں پہلا ایسی سیاسیات کا تجربہ نہیں تھا اپنی ذات کے ووٹوں کا مل جانا ایک زائد عنصر شمار ہوا۔ دیہاتوں میں انتخابات کے پروپگنڈوں نے فرقہ واری رخ اختیار کر لیا۔ اور موقع کے لحاظ سے ہندو بمقابلہ مسلم پارٹی بمقابلہ غیر ریڈی کے جذبات آزادانہ طور پر استعمال کیے گئے بہت سے علاقوں میں ووٹ ذات کے لحاظ سے دیئے گئے۔ ذات واری رقابتیں جو اس طرح پیدا ہوئیں انتخابات ختم ہونے کے بعد بھی جاری رہیں۔

لیجئے اب ہم سماجی تبدیلیوں کے طریق اور عمل آوری کا مختصر جائزہ لیں۔ وہ کون سے اہم عوامل ہیں جو اس تبدیلی کے محرک بنے ہیں؟ اور کن ذرائع سے یہ تبدیلی روبہ عمل لائی جاتی ہے؟ دوسرے لفظوں میں کمیونٹی زندگی کا نیا طرز اور رجحان کیوں اختیار کر رہی ہے اور کس کی سرکردگی میں گروہ کے روایتی طریقوں میں تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔

تغیرات کے بے شمار اسباب بتائے جاسکتے ہیں ریمنڈ فرتھ (RAYMOND FIRTH) کے الفاظ میں "ساخت میں تبدیلی سماجی ردعمل کا نتیجہ ہوتی ہے جس میں دباؤ کا احساس ہوتا ہے، مفادات نظر آتے ہیں اور ذمہ داریاں تسلیم کی جاتی ہیں"۔ اس کا اطلاق کسانوں کی کمیونٹی کی تکنیکی اور تنظیمی تبدیلیوں پر کیا جائے تو لوگوں کے طرز زندگی میں کچھ تبدیلیوں کی وجہ ریاست کے دباؤ اور قانونی چارہ جوئی میں پائی جاسکتی ہے۔ نئے عناصر اور نیا طرز اختیار کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ مادی ترغیبی ٹکنالوجی، مفادات، سہولتیں، حصول پذیری اور قیمتیں ان پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ وقار کا عنصر بھی اہم ہے کیونکہ بیرونی یا اندرونی تبدیلیوں کے محرکات سے سماجی ترتیب کے نظام میں جو فرق آتا ہے اس کی وجہ سے سماجی تنظیم اور طریقہ زندگی پر اثر پڑتا ہے۔ کسی خاص زمانہ میں سماجی کردار کے مستحکم طریقوں میں معتدبہ انحراف ہو جائے تو اس کی وجہ سے نئے جذب، تنوع اور تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے شادی پیٹھ جیسی کسی دیہاتی کمیونٹی پر جو ایک بڑے اور جدید شہر کے قریب واقع ہے اور اس سے اس کا روزمرہ کا تعلق ہے، شہر کی سماجی معاشی اور سیاسی فضا کا، اس کی نظریات اور طریقوں پر اثر پڑنا لازمی ہے۔ کیونکہ عملی افادیت کے علاوہ شہر کے طریقوں کو اب قابل قدر اور ترقی پذیر سمجھا جانے لگا ہے۔

ابھی تک ریاستی نظم کی وجہ سے گاؤں کی کمیونٹی میں کچھ تھوڑی سماجی اور تمدنی تبدیلی ہوئی ہے

Raymond Firth, Elements of Social Organisation

وبا کے دوران لازمی طور پر چیچک اور ہیضہ کی ٹیکہ اندازی ہی کمیونٹی کی روزمرہ زندگی میں ایک اہم اقدام سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ چھوت چھات کو قانوناً ممنوع کردیا گیا ہے لیکن حقیقتاً اچھوت کو ابھی تک صرف رفاہ عامہ کی چیزوں میں برابر کا حصہ ملا ہے۔ کیونکہ اونچ اور نیچ ذاتوں میں خاص کر ساتھ کھانا کھانے اور آپس میں شادی کرنے کے سماجی حدود میں ناپاکی کا خیال ان دونوں میں موثر تعلقات قائم ہونے میں مانع ہے۔ اگرچہ یہ چیز صرف علاقائی ہے لیکن پھر بھی ریاست کے اس جانب رجحان کے باعث اعلیٰ ذات والوں اور اچھوتوں کے گروہوں میں اندرونی طور پر تبدیلیوں کا کافی میلان پیدا ہوچکا ہے۔

اپنی فائدہ مندی آسانی اور دستیابی کے باعث کئی نئے عناصر کمیونٹی کی زندگی میں اہم کردار ادا کررہے ہیں۔ اگرچہ دیسی جڑی بوٹیاں اور مذہبی جادوئی طریقے امراض کے علاج میں اب بھی زیر استعمال ہیں لیکن طبی دوائیوں اور انجکشن میں آسانی اور فائدہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کا رجحان جدید ادویہ کی طرف بڑھ گیا ہے۔ میں اس طرف پہلے ہی اشارہ کرچکا ہوں کہ آپ لوگ یہ ادویہ اور انجکشن بڑی خواہش سے لیتے ہیں۔ قدیم اعتقادات اور عملیات کچھ اس لیے باقی ہیں کہ جدید طریقہ علاج خوبی سے اور فوری طور پر ان لوگوں کی دسترس میں نہیں ہوتا اور کچھ اس لیے کہ ان کی قیمتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ دونوں میں تصادم نہیں ہے۔ اور دوگنا یقین ہونے کے لیے بہت سے لوگ جدید طبی علاج کے ساتھ ساتھ جادوئی مذہبی طریقہ بھی جاری رکھتے ہیں ہمیشہ کی انجام دہی کے لیے نئے آلات اور اوزارات کا استعمال نیز دوسری اور بہت سی ضروریات کے لیے مغربی ٹکنالوجی کی احتیاج مثلاً بس، ریلوے، بلیڈ، بجلی کے ٹارچ۔ ان سب چیزوں کا استعمال جو مقابلتاً حال ہی میں شروع ہوا ان اشیا کی خوبی اور فائدہ مندی کی وجہ سے ہوا۔ لباس اور زیورات کے متعلق دوسرے عوامل کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے مل کا بنا ہوا کپڑا نہ صرف سستا اور زیادہ دن چلنے والا تھا بلکہ لوگ اسے عزت کا باعث سمجھنے لگے تھے۔ ہاتھ کا بنا ہوا موٹا کپڑا دیہقانی تصور کیا جانے لگا۔ دوسری جانب مل کا بنا ہوا باریک کپڑا زیادہ ملائم اور شاندار تھا۔ اس کے علاوہ مل کے بنے ہوئے کپڑوں میں رنگوں نمونوں اور ذہنی طرح کی پسند کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے۔ لباس کا اسٹائل مختلف عوامل سے متاثر ہوا ہے۔ مسلمانوں کی حکومت کے زمانہ میں حکمراں طبقہ کے لباس کی وضع قطع فیشن بن گئی تھی کانگریس کو جب اقتدار حاصل ہوا تو مسلمانوں کا درباری لباس فوراً ترک ہوگیا۔ اور کانگریس کی پسند کا قومی لباس جاری ہوگیا۔ جدید ہندوستانی نیز مغربی طرز کے کپڑے، سگریٹ، دھوپ کی عینک اور چائے نوشی وغیرہ صرف فائدہ

کی غرض سے ہر دلعزیز نہیں ہیں بلکہ ان کی قدر و وقار کے باعث بھی ہے۔

شہر کے اثرات کے تحت بہت سی صورتوں میں ترمیم اور مطابقت کی جا چکی ہے لیکن کمیونٹی کی بہت سی انتہا پسندانہ تنظیموں میں توازن کی ضرورت نے گاؤں میں ہنوز کوئی سخت قسم کی تبدیلی نہیں ہونے دی ہے نئے سماجی معاشی عوامل کے اثر سے خاندانی بندھن کمزور پڑ گئے ہیں رشتہ داری کا گروہ اپنی خصوصی طاقت کھو بیٹھا ہے اور رتبہ کے تعین کے معیارات پرانے روایتی رتبہ سے مقابل ہیں لیکن سماج اب بھی ذات کی ساخت پر قائم ہے۔ کیونکہ ذات ہی اس کی سماجی، معاشی اور رسوماتی تنظیم میں اہم کردار ادا کرتی ہے جمہوریت اپنے ساتھ جماعتی تنظیم اور انتخابات لائی جس کے لیے گروہی ترتیب اور گروہ سے وفاداری ضروری ہے لیکن بہت سے دیہی علاقوں میں کوئی نیا گروہ نمودار نہیں ہوا۔ لوگوں کی وفاداریاں سابقہ ذات واری گروہوں ہی سے برقرار ہیں۔ ابھی تک کوئی اہم سماجی یا معاشی منصوبہ اور اصلاحات زیر عمل نہیں آئی ہیں۔ سب سے بڑی سیاسی تبدیلی یعنی جمہوری طریقہ کے انتخابات کی ابتدا نے روایتی طریقہ کی طاقت کو شکست از بام کر دیا کیونکہ کمیونٹی کے درست دائرہ کار میں اس نے سیاسی جماعت سازی اور جمہوری انتخابات اپنے اندر جذب کر لیے۔ زیادہ گہرے اور دور رس معاشی اور ٹکنالوجی کے تغیرات نیز بیرونی سماجی اصلاحیں جو دیہی سماجوں کی بنیادی ساخت پر اثر انداز ہو سکیں ان کی وجہ سے ایسے مختلف قسم کے مسائل پیدا ہوئے جو ذات واری ساخت کے لیے آزمائش کا سبب ہے۔ ان کے نئے دباؤں اور محرکات کے تحت ممکن ہے کمیونٹی کو مطابقت کا نیا طریقہ مرتب کرنا پڑے جس کے باعث اس کی ساخت میں اہم تبدیلی ضروری ہو جائے۔

اگرچہ ہنوز تبدیلی مختصر سی ہوئی ہے لیکن یہ دریافت کرنا کم اہم نہ ہوگا کہ وہ کون ہے جس نے روایتی طریقوں میں ترمیمات اور نئے تمدنی عناصر قبول کرنے کی تحریکات کی ابتدا کی اور اب اسے آگے بڑھا رہا ہے۔ اس سوال کا جواب دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان تہذیبی رجحانات کو جو ہندوستان میں کارفرما ہے مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے۔ ملک میں عام طور پر تین بڑے رجحانات نظر آتے ہیں۔ (۱) علاقائی تمدن جس کی بنیاد علاقائی روایات، رسوم اور طریق زندگی پر ہے (۲) قومی تمدن جس کی اساس بعض کل ہندوی نشاۃ ثانیہ کی صفات پر قائم ہے۔ ان خصوصیات کو سلف گورنمنٹ اور سماجی اور معاشی اصلاح سے تقویت حاصل ہوئی اور ان تمام مقاصد کے پس پشت اقوام عالم میں اپنے لیے صحیح مقام حاصل کرنے کی خواہش ہے یہی وجہ ہے کہ ان تمام عناصر میں احیا اور جدت دونوں کارفرما ہیں۔ اور (۳) مغربی ٹکنالوجی اور تمدن کے اجزا کا قبول کرنا۔ اس کے علاوہ کسی خاص علاقہ

ہندمیں بھی شہری اور دیہقانی یا دیہی طرز کا صاف طور پر امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ شہری علاقہ جات میں تینوں رجحانات جن کا اوپر ذکر کیا گیا کم و بیش یکساں قوت سے عمل پیرا ہیں۔ لیکن دیہی علاقوں میں دیہقانی نوعیت کے علاقائی تمدن کا زور اب بھی باقی ہے۔ اگرچہ اس میں بھی قومی اور مغربی عناصر کے باعث ترمیمات ہوئی ہیں۔ روایتی طریقوں میں ترمیمات کی ابتدا اور تحریک بلاشبہ شہری علاقوں کی طرف سے ہوتی ہے جسے گاؤں کے لوگوں میں نیم شہری لوگ یا ایسے لوگ پھیلاتے ہیں جو اپنے شہری رشتہ داروں سے متاثر ہوئے ہوں۔ ہندوستان کے پس منظر میں اگرچہ کہ دیہقانی اور شہری سماجوں کے درمیان کوئی آہنگ نہیں ہے لیکن صحیح طور پر سماجی تبدیلی ظاہر کرنے کے لیے اس طرح کی تقسیم کارآمد ہو سکتی ہے۔ محدود پیمانہ پر قدیم اور جدید یا روایتی اور ترقی پسند رجحانات کے درمیان برتری حاصل کرنے کا تنازعہ شہروں اور چھوٹے قصبوں میں جاری رہتا ہے جس کے باعث ہر آنے والی نسل کو ترمیم شدہ قدریں ملتی ہیں۔ دیہی کمیونٹی شہری علاقوں سے رہنمائی حاصل کرتی ہے اگرچہ وہ کچھ دنوں تک پس و پیش، شک و شبہ اور ابتدائی تذبذب کی حالت میں رہتی ہے۔ ایک جماعت کچھ ایسے بدقسمت لوگوں کی ہوتی ہے جو نیم دیہی نیم شہری ہوتے ہیں اس لیے ان کو دیہی اور شہری دونوں تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ گاؤں کے ساتھی ان کو شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں اور شہری جماعتیں ان سے حقارت کرتی ہیں کیونکہ ان کے طور طریقے دیہقانی ہوتے ہیں۔ سرکاری چھوٹے ملازمین اور شہر دیکھے ہوئے گاؤں کے لوگوں کو کھلے طور سے کمیونٹی کا رہنما تسلیم نہیں کیا جاتا۔ تاہم وہ سماجی تبدیلی کے لیے کمیونٹی کو متحرک کرتے ہیں۔ اسی جماعت کے ذریعہ علاقائی تمدن کے شہری اجزاء اور بہت سا قومی اور مغربی تمدن کمیونٹی کی زندگی میں داخل ہوتا ہے۔ اور طوعاً و کرہاً جذب کیا جاتا ہے۔ ان کا انتخاب یا ان کی نامنظوری کا عام طور پر انحصار ان کی ضرورت، فائدہ مندی، قدر اور کمیونٹی کے اندر موجود اقدار سے موافقت یا ناموافقت پر ہوتا ہے گاؤں کے لوگوں نے ہمیشہ اپنے روایتی طرز زندگی کو پیش نظر رکھا۔ اور بلاشبہ شہری طرز پر ان کو شبہ رہا۔ لیکن مقتدر سماجی دانشوروں کی رہنمائی کو قبول کرتے رہے۔ اگرچہ بعض اوقات اپنی ضروریات کے مطابق اس میں ترمیمات بھی کرلیں مگر گذشتہ زمانہ میں اس جماعت نے نہایت کامیابی کے ساتھ دیہی فرقوں میں سنسکرتی رسوم رفتہ رفتہ پھیلا دئے تھے۔ یہ کارروائی اب بھی جاری ہے لیکن اب ترقی پذیر اور جدید عناصر بھی گاؤں کے نیم شہری تہذیب یافتہ لوگوں کے ذریعہ اس میں داخل ہو رہے ہیں۔

آخر میں ان امور پر بھی اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان رجحانات کا لوگوں کی تہذیب

(ETHOS) اور ان کے نقطۂ نظر پر کیا اثر پڑا ہے ؟

ہم نے اپنی تحقیقات کے دوران کہانیوں، معلومات اور سوانح حیات کا جو مواد حاصل کیا اور جس میں شادی میں پنچ کی اتحاد باہمی کی کارروائیوں اور تنازعہ بھی شامل کیے گئے ان سے گاؤں والوں کی دنیا کے نظریات کے مشاہدہ کا موقع حاصل ہوا۔ یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ اس علاقہ میں ہنوز کوئی عمیق نفسیاتی مطالعہ نہیں کیا گیا ہے اور نہ اس بات کی کوشش کی گئی کہ شخصیت کے تمدنی پہلوؤں کا باقاعدہ مطالعہ کیا جائے۔ ان مطالعوں کی عدم موجودگی میں صرف غالب میلانات اور مقاصد کا جو سماج کی خصوصیات ہیں، ایک خاکہ ہی پیش کیا جا سکتا ہے، اس ضمن میں جان گلن JOHN G. GILLIN کے بموجب کردار ان اکتسابی قوتوں اور محرکات کا مجموعہ ہے جو کسی تمدن کا خاکہ ہوتے ہیں، اس میں وہ ظاہر اور مضمر مقاصد بھی شریک ہوتے ہیں جو تمدنی جدوجہد کی راہ متعین کرتے ہیں یا جن کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔(۱)

گاؤں کی کیفیت کے عام خیال کے مطابق کائنات کیا ہے، آندھرا کے تمدنی علاقے کی روایاتی تاریخ جس سے اس گاؤں کا تعلق ہے نیز اس کی آبادی کا حیدرآباد و سکندرآباد جیسے بڑے شہروں سے قریب ہونے کے باوجود یہاں کے لوگوں میں کائنات کا تصور زمان و مکان میں بے انتہا محدود معلوم ہوتا ہے، کچھ تعلیم یافتہ اشخاص بالخصوص برہمنوں اور ریڈیوں میں آندھرا کی روایتی تہذیب اور ہندوستان کے شاندار ماضی کا دھندلا سا تصور ہے، لیکن لوگوں کی معتدبہ تعداد کے لیے ذات کی دیو مالائیں ہی ان کی تاریخ ہیں۔ روایتی سماجی ادارے اور طرز زندگی ہی ان کے اصلی تصورات ہیں۔ ان کی ابتدا بہت زمانہ پیشتر اس وقت ہوئی جب زمین پر انسان پہلی مرتبہ نمودار ہوا اور لوگوں کی نجات اسی میں ہے کہ وہ ان غیب کے مقرر کردہ راستوں پر ایمانداری سے چلیں۔ یہ ایک رسمی بات ہے کہ حال کے تعلق سے وقت بدل جانے کی شکایت کی جائے لیکن ماضی کے تصور میں بھی زیادہ گہرائی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ تین چار پشتوں تک سلسلہ کا پتہ چلتا ہے اور اس کے آگے افسانوں کا سوا اور ذات کی دیو مالائیں ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کو اپنے مذہب کے ابتدائی تاریخ سے بھی واقفیت ہے لیکن اس تاریخ سے اپنے ربط کے متعلق زیادہ واقف نہیں۔ لوگ یہ جانتے ہیں کہ ہندوستان میں مختلف تہذیبیں، زبانیں اور مذاہب موجود ہیں اور وہ یہ بھی رکھتے ہیں کہ سمندر کے آگے بھی زمین ہے۔ انھوں نے بہت سی جگہوں کے تذکرے سنے ہیں اور ان میں سے چند ملک کے بڑے شہروں کو

(1) Saltan, ed. The Morality of Conquest, "Ethos & Cultural Aspects of Personality" by Gillin, P. 135.

مکنی جا چکے ہیں لیکن ان کی ذہنی وسعت بڑی حد تک علاقائی ہے۔ ان کا گاؤں، ان کی ذات،
پڑوس کے گاؤں اور قریب کے شہروں میں کچھ ترقیاتی کام جو ان ہی کے فائدہ کے ہوں، ان کی کل کائنات
ہے۔ ان کا نقطۂ نگاہ مقامی اور علاقائی ہے جو خاندان، رشتہ دار، ذات پات اور پڑوس کے
گاؤں تک محدود ہے۔ ان میں قومی شعور کسی حد تک غیر واضح ہے۔ اور یہ بات ہمارے لیے تعجب
انگیز تھی کہ ایک ایسے گاؤں میں جو ایک بڑے شہر کے اس قدر قریب تھا، بہت سے لوگ
مہاتما گاندھی اور جواہر لعل نہرو کے نام تک نہیں جانتے تھے۔ اور حکومت برطانیہ اور ہندوستان
کی قومی کانگریس میں جو کشمکش چلی اس کے متعلق ان کے ذہن میں ایک دھندلا سا خیال تھا۔ حیدرآباد
کی حالیہ سیاسی تبدیلیوں اور مختلف سیاسی جماعتوں کی جدوجہد نے تصورات کی دنیا کو وسیع تر کر دیا
ہے لیکن ابھی تک یہ تبدیلی انتہائی محدود رہی ہے۔ اخبارات، مزید سیاسی کوششوں اور اعلیٰ تعلیم
سے امید ہے کہ آئندہ کچھ برسوں میں قابل لحاظ تبدیلیاں پیدا ہو جائیں گی۔

ان لوگوں کے خیالات اور عملیات کا بنیادی مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرد کو دنیا کے مطابق
کر دیا جائے۔ انسانی زندگی کے بہت سے پہلو پہلے ہی سے متعین ہوتے ہیں اس لیے اسے اپنی
قسمت سے راضی ہونا پڑتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے یہ ضروری نہیں کہ ایک شخص خود کو اپنی قسمت
پر چھوڑ دے کیونکہ ایک شخص کی زندگی میں اس کا عمل مقدر میں نہ صرف ترمیم کا باعث ہو سکتا ہے
بلکہ بعد الموت کی زندگی کا راستہ بھی ہموار کر سکتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ زندگی جو دھرم کے عین مطابق ہو گذشتہ
کی کچھ برائیوں کا ازالہ کر دے گی، اور انسان کی خوبیاں بڑھ جائیں گی جس سے آئندہ زندگی کی خوشی کی ضمانت
ہو جائے گی کیونکہ دھرم ہی روایت کا مسلمہ طرز حیات ہے۔ دنیا سے مطابقت کا مثالی طریقہ دھرم
ہی نے قائم کیا جس میں مذہبی رسوم، برت اور رسومات، ایسے عمل و خیالات سے احتراز جو مذہباً گناہ قرار
دیئے گئے اور سختی کے ساتھ ذات کے دستور اور امتناعات پر پابند رہنا شامل ہیں۔ البتہ بعض سماجی
اور مذہبی امتناعات اور تجاویز کی خلاف ورزی کا جواز پیش کیا جاتا ہے۔ اور اسے ان صورتوں میں جائز
بھی رکھا جاتا ہے جہاں کسی اور طرح اس کا بدل زیادہ عقیدت سے کر دیا جائے۔ جب ایسی فریب کاری
انتہائی بے پردہ ہو جاتی ہے یا یکجہتی کی وحدت استحکام اور جماعت پر ضرب لگاتی ہے۔ لیکن جب
تک یہ شخصی یا خانگی نوعیت رکھتی ہے تو ایسی صورت میں کوئی شخص غیبی طاقتوں کو منا لینے کی توقع رکھ
سکتا ہے اور ان سے اپنی غلطیوں اور عملہائے کردہ و ناکردہ کو معاف کرا سکتا ہے۔ تمام انسانی افعال کو
انفرادی مرضی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ قسمت کا دست غیب بہت سے حالات میں افعال اور

اقدام کا محرک ہوتا ہے۔ روایتی طرز زندگی سے طبعی گریز کو اکثر قسمت سے منسوب کیا جاتا ہے بحیثیت مجموعی روایتی طرز زندگی کے مطابق کائنات سے مطابقت اور اس کی غیبی طاقتوں سے مفاہمت کو شائل اور سب سے زیادہ اطمینان بخش خیال کیا جاتا ہے۔ سیاسی جماعتوں کی کوششیں، بالخصوص کمیونسٹ جماعت کی یہ رہی ہیں کہ لوگوں میں واقعیت پسندی کا میلان پیدا کیا جائے اور اس میں بالکلیہ ناکامی نہیں ہوئی ہے لیکن نئے خیالات کا استقبال اب بھی بے یقینی اور شبہ سے کیا جاتا ہے۔ اور ابھی تک ان کی زندگی کی اصل وضع اور کمیونٹی کے مقاصد میں بہت کم تبدیلی ہوئی ہے۔ اور یہ ان اصولوں سے اب بھی صحیح طور مائل بہ مطابقت ہیں جن کے اختیار میں سارا عالم ہے۔

آپس کے مابین شخصی تعلقات نیز اندرونی اور جماعتوں کے باہمی تعلقات میں اب بھی ساختی درجہ نمایاں ہے۔ چیزوں، جماعتوں اور لوگوں کو اعلیٰ مساوی یا نچلی سطح میں کہیں نہ کہیں جم جانا چاہیئے ذاتیں یا تو اعلیٰ یا تقریباً برابر یا کمزور درجہ کی ہوتی ہیں اور یہ نظریہ دیوتاؤں، جانوروں اور کھانے کی چیزوں، سب سے متعلق ہے۔ یہ درجہ جاتی ترتیب صرف رتبہ ہی کا تعین نہیں کرتی بلکہ یہ ہر ایک کی طاقت کی بھی وضاحت کرتی ہے۔ چنانچہ لوگ اقتدار جتانا پسند کرتے ہیں اور کسی کے ماتحت ہونے سے نفرت اور جب انہیں کسی بالاتر کا اقتدار ماننا پڑتا ہے تو وہ اپنی حد تک ان تمام لوگوں پر اپنا اقتدار جتاتے ہیں جو درجہ جاتی نظام میں ان سے کمزور درجہ پر ہیں۔ مرد عورت سے برتر ہے اس لیے عورت کو اس کی فرماں برداری کرنی چاہیئے لیکن ماں بچوں سے بالاتر ہے اور بیٹوں سے بھی جب تک کہ وہ بالغ نہ ہوں۔ نیز بیٹیوں اور بہو پر وہ بہر صورت بالاتر رہیں گی اس لیے وہ ان سب پر اپنا اقتدار رکھے گی۔ ایک لڑکے کو بڑوں کی فرماں برداری کرنی چاہیئے لیکن وہ اپنے سے چھوٹے بچے پر اپنا زور رکھ سکتا ہے۔ اعلیٰ ذاتیں کمتر ذات والوں پر اور امیر غریب پر حکمرانی کرتے ہیں، اسی طرح معتبر غیر معتبر پر اعلیٰ تر اور کمتر حیثیتیں، عمر، اعزاز، رشتہ داری، دولت و حکومت نیز ذات کی بناؤں پر قرار پاتی ہیں۔ جب ایک میں حکمرانی کی تمنا ہو اور دوسرے میں ماتحتی سے نفرت تو اس صورت میں یا تو کھلے بندوں دونوں میں نفاق پیدا ہو جاتا یا با عزت طریقہ پر ان کے درمیان ایک مبہم سا سمجھوتہ اور مفاہمت جس کے تحت بالاتر رتبہ والا شخص صرف نام کا اقتدار رکھتا ہے جو اس کے لیے جاری رہتا ہے اور کبھی اقتدار دکھانے کی کوشش نہیں کرتا اور وہ شخص جس کا کمتر درجہ ہے اس اقتدار کی اس لیے مخالفت نہیں کرتا کہ حقیقتاً وہ اس کا بار محسوس نہیں کرتا۔ لوگوں کے خیالات تمناؤں اور افعال سے ملکیت اور اقتدار حاصل کرنے کی ہوس خصوصیت سے ظاہر ہوتی ہے اگرچہ

کچھ حالات میں انھیں وقتی تقاضوں سے لازماً مفاہمت کرنی پڑتی ہے اور اپنے نام کی برتری قائم رکھنے کے لیے وہ طاقت کی صرف ایک جھلک دکھا سکتے ہیں۔ ملک پر جو سماجی و سیاسی نئی فضا چھائی ہے اس کے باعث اقتداری ڈھانچہ اور اس کے طرز میں کچھ ترمیمات اور مطابقت کی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے باوجود بنیادی طور پر لوگوں کا نظریہ وہی ہے جو پہلے تھا۔ زمانہ کے تغیرات کے مدنظر اعلیٰ ذات والے اب کمتر ذات والوں کے ساتھ سختی سے پیش نہیں آتے لیکن وہ آخر الذکر سے ذہنی طور پر اپنی برتری منوانے کی اب بھی تمنا رکھتے ہیں۔ ایک کمتر ذات والے شخص پر جو بے باک ہو بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی طرح سے دباؤ ڈالا جائے گا لیکن وہ شخص جو روایات کی پابندی کرتا ہے اور اپنے اصلی رتبہ کا خیال رکھتا ہے اسے کامیابی ہوگی اور اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا جائے گا۔

بنیادی حقوق اور انسانی مساوات کے تصورات سے ان لوگوں کو بہت کم سروکار ہے کیونکہ ان کی وسعت نگاہ اپنے مشاہدہ تک محدود ہے۔ غالباً گاؤں والوں کا یہ مطمع نظر مغربی ذہن کی فہم کے لیے انتہائی غیر متوقع ہے۔ نیز یہ ایک خاص تغیر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اگر لوگوں سے روایات اور تجربات کے درمیان ان کی پسند پوچھی جائے تو غالباً ان کی فطری پسند روایات کی ہوگی۔ اگر چہ غور و فکر پر وہ شاید اس بات پر راضی ہو جائیں گے کہ جھجکتے ہوئے چند قدم تبدیلی کی سمت اٹھائے جائیں۔ بہت سے اب بھی زمانہ کی سرد مہری کے قائل ہیں اور اس کے نقص اور زمانہ کی ناانصافیوں کے باوجود یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہی حالت جاری رہے گی۔ بہتوں کے لیے روایات سے انحراف اخلاقیات سے انحراف کے مترادف ہے جو تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ لیکن وقت کے ساتھ بدلتے ہوئے تقاضوں کو بھی عام طور تسلیم کیا جاتا ہے اور اگر چہ یہ لوگ اپنے روایتی ڈھانچہ میں سختی سے چپکے رہیں گے تاہم نئی تہذیب کے قواعد کو بلا وجہ نظر انداز بھی نہیں کریں گے۔ واقعی جس آسانی سے ان لوگوں نے تمدن کے بعض مادی طریقوں کو اختیار کر لیا ہے جس میں تعلیمی حصول مغربی ادویہ بھی شامل ہیں اس سے یہ پیش گوئی کرنا بجا ہوگا کہ مناسب اور موزوں حالات میں تبدیلی کی رفتار میں خاصہ اضافہ ہو جائے گا

تشریحات ۔

اللہ خدا کا اسلامی نام

آریہ سماج ہندوؤں کا جدید اصلاحی گروہ جس کے عقائد کی بنیاد ویدوں پر ہے اور جس کے بانی رشی دیانند سرسوتی ہیں۔ یہ بت پرستی اور متعلقہ رسومات کی نفی کرتا ہے ۔

آشرم ہندوؤں کی زندگی کے چار دور (۱) برہمچاری (طالب علمانہ زندگی) (۲) گرہست (متاہلانہ زندگی) (۳) وان پرستھ (بن باسی زندگی) (۴) سنیاس (تارک الدنیا زندگی)

آتما جان یا روح ۔

برہمچاری تجردی تحصیل علم کا زمانہ ۔ ہندو کی زندگی کا پہلا دور ۔

چیلا کریہ کالا جادو ۔

دھرم زندگی گزارنے کا ترتیبی طریقہ جس میں سچائی، مذہب پرستی، اخلاقی ضوابط اور فرد کی ذمہ داریاں بحالِ اس کی زندگی کے خاص دور اور مرتبہ کے لیے مخصوص ہوں۔ انگریزی میں اس کا ترجمہ (Religion) کیا جاتا ہے جو صحیح نہیں ہے ۔

دوج "دو جنم" دو مرتبہ جنم لینے والے سورن (ذاتیں) جو اپنی دوبارہ روحانی پیدائش کے اظہار کے لیے رسومات انجام دیتے ہیں۔ اس میں برہمن، چھتری اور ویش شامل ہیں ۔

فرمان سرکاری حکم جو مسلمان حکمران کی طرف سے جاری کیا گیا ہو ۔

گوترم خیل۔ کسی ذات کا ازدواج خارجی کا حصہ ۔

گرہست متاہلانہ زندگی۔ ہندوؤں کی زندگی کا دوسرا دور

گڑ غیر صاف شدہ شکر جو گنے کے رس سے بنائی جاتی ہے ۔

جاگیر امیروں کی جائداد یا وہ زمین جو کسی حاکم کی طرف سے کسی امیر کو اس کے فوجی یا دوسرے خدمات کے صلے میں دی جائے ۔

جاگیردار وہ امیر جسے فوجی یا دوسری خدمات کے لیے حکمران کی طرف سے کوئی علاقہ عطا کیا جاتا تھا

جہنم دوزخ کا اسلامی نام ۔

جنت بہشت کا اسلامی نام ۔

جاتی ہندوستانی زبانوں میں یہ لفظ پیشہ ذات یا ذیلی ذات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ ان داخلی ازدواجی اور پیشہ ور گروہ کی نشاندہی کرتا ہے جو کسی ذات واری نظام کی اہم

اکائیاں ہیں۔

کرم (کرما) وہ قانون جو ہر شخص کو اس کی پچھلی زندگی کے عمل کے مطابق خوشی یا تکلیف میں جکڑ لیتا ہے اس تصور کی بنیاد ہندوؤں کا وہ ہمہ گیر عقیدہ ہے جو دوبارہ جنم لینے سے متعلق ہے۔ عام بول چال میں اس کو قسمت یا تقدیر کہتے ہیں۔

خریف وہ فصل جو بارش میں بوئی جاتی ہے۔

لنگم یا لنگ آلۂ تناسل۔ شیو کا نشان امتیازی۔

قمری سال چاند کے تغیرات کے حساب سے مہینوں کا شمار۔ دو نئے چاند کے درمیان کی مدت جو تقریباً ½ 29 دن کی ہوتی ہے اس لیے ہر چوتھے قمری سال پر ایک زائد مہینہ شمار کیا جاتا ہے تاکہ شمسی مہینوں کے برابر ہو سکے۔

منتر یا منترا افسون یا جادو۔ سنسکرت میں اور دوسری زبانوں میں جو اس سے لیے گئے ہیں خفیہ الفاظ اور نظمیں مراد ہیں۔

موکش نجات، پیدائش اور موت کے بندھنوں سے آزادی۔

مسلم اسلام کا پیرو۔

نرک دوزخ۔

پنچایت دیہی مجلس۔

پاپ گناہ۔

پنیہ ثواب

ربیع فصل جو سردی کے موسم میں بوئی جاتی ہے۔

روپیہ ہندوستانی سکّہ کی اکائی۔ ایک روپیہ سولہ آنے کے مساوی ہوتا ہے اور ایک آنے کے چار پیسے یا بارہ پائی ہوتے ہیں۔ تیرہ روپے چھ آنے ایک پونڈ کے اور ایک امریکی ڈالر تقریباً پانچ روپے کے مساوی ہوتا ہے۔

سنیاس ترک دنیا کا دور جب کہ کوئی شخص دنیاوی ساز و سامان اور بندھنوں سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔

شیوا ایک ہندو طبقہ جو شیو کو سب سے بڑا خدا سمجھ کر اس کی پوجا کرتا ہے۔ اس کو دنیا کی پیدائش کا ذریعہ اور روح سمجھتا ہے۔

سورگ جنّت۔

ویشنوا ہندو طبقہ جو وشنو کو سب سے بڑی ہستی مانتا ہے۔

ولن پرستھ ہندوؤں کی زندگی کا تیسرا بن باسی دور۔

والن شام سلسلہ نسب۔

ورن چار ذاتوں کی تقسیم کی رواجی اسکیم۔ ان میں سے پہلے تین کا شمار دوبارہ جنم لینے والوں میں ہوتا ہے اور اچھوت ذات داری نظام سے علاحدہ رکھے گئے ہیں۔

ینترم خفیہ جادو کا فارمولا اور ڈیزائن۔